قَالَ تَعَالَىٰ:

﴿يَٰقَوْمِ ٱتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ ٱلرَّشَادِ ﴿٣٨﴾﴾

[غافر:٣٨]

الارشاد إلى سبيل الرشاد

فی

أمر التقلید والاجتهاد

تالیف

فاضل اجل حافظ حکیم ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

الارشاد إلى سبيل الرشاد

فی أمر التقلید والاجتهاد

مع حواشی

سائق العباد إلیٰ مطالب الارشاد

تالیف

فاضل اجل حافظ حکیم ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری

(وفات: ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء)

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

نام کتاب	:	الارشاد إلی سبیل الرشاد فی أمر التقلید والاجتہاد
تالیف	:	حافظ حکیم ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ
سنہ اشاعت	:	رمضان 1436ھ مطابق جون 2015ء
تعداد	:	دو ہزار
ایڈیشن	:	سوم
صفحات	:	400
قیمت	:	
ناشر	:	شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی - 400070۔ ٹیلیفون: 022-26520077
- مکتبہ دار التراث الاسلامی: لیک پلازا، نزد مسجد دار السلام، کوسہ ممبرا، تھانہ - 400612
- مسجد دار التوحید: چودھری کمپاؤنڈ، واونجہ پالا روڈ، واونجہ، تعلقہ پنویل، ضلع رائے گڈھ - 410208۔ فون: 9773026335
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتنا گری - 415709، فون: 02356-264455
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دنیا میں مطلق اطاعت واتباع اور امامت وپیشوائی کا حق صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے، اس کی صراحت قرآن کریم کی بکثرت آیات میں موجود ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق امامت وپیشوائی کو قولاً وعملاً تسلیم کرنے والے کو فوز وکامرانی، عزت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ اس سے قولاً یا عملاً اعراض وپہلوتہی اختیار کرنے والے کو ناکامی ونامرادی، ذلت وخواری، خسران مبین اور نارِ جحیم کی وعید سنائی ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾﴾ [الفتح:١٧]۔

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب دے گا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے سامنے اپنی اس مطلق حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي''(١)۔

جو میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس پر ذلت ورسوائی مسلط کر دی جائے گی۔

دوسری طرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مصداق یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ روئے زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قولاً وعملاً مطلق امام وپیشوا اور مقتدا تسلیم کرنے کا شرف وامتیاز طائفۂ اہل الحدیث کو حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ''(٢)۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم (غالب) رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کچھ

---

(١) مسند احمد طبعۃ الرسالۃ، (٩ / ١٢٣)، حدیث ٥١١٤، نیز دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث ٢٨٣١۔

(٢) صحیح مسلم، ٣ / ١٥٢٣، حدیث ١٩٢٠۔

بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ بدستور اُسی پر قائم رہیں گے۔

اور امام احمد بن حنبل، علی ابن المدینی، امام بخاری اور امام قاضی عیاض وغیرہ کی تصریحات کے مطابق یہ طائفہ اہل الحدیث ہے(۱)۔

چنانچہ: ﴿ثُمَّ يَوْمَ نَدْعُواْ كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ [الاسراء:۷۱] کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ: هَذَا أَكْبَرُ شَرَفٍ لِأَصْحَابِ الْحَدِيثِ؛ لِأَنَّ إِمَامَهُمُ النَّبِيِّ ﷺ'' (۲)۔

بعض سلف نے فرمایا: یہ اہل الحدیث کے لئے سب سے بڑا اشرف ہے کیونکہ ان کے امام نبی ﷺ ہیں۔

ان جیسی تصریحات سے دین کی بابت تقلید وتعصب اور جمود وتعطل کی تمام جڑیں کٹ جاتی ہیں اور نصوص کتاب وسنت اور منہج سلف امت کے بالمقابل محض عقل ودانش اور قیاس ورائے کی دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں۔

لیکن افسوس! اس کے باوجود بھی حدیث ورائے اور تقلید واجتہاد کی معرکہ آرائی جاری ہے اور امت کا ایک معتد بہ طبقہ تقلید شخصی، مسلکی جمود اور مذہبی تعصب کی زنجیروں مین جکڑا ہوا ہے، اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اسی کو دین کا حقیقی منشا اور اصل الاصول قرار دیکر متبعین سنت اہل الحدیث پر ''وہابی''، ''غیر مقلدین'' ''نیا فرقہ''، ''پانچواں فرقہ''، ''انگریزوں کی پیداوار''، ''خارجی''، ''قادیانی'' وغیرہ ناموں سے طعنہ زنی، تنابز، سب وشتم، بے بنیاد الزامات، بہتان بازیوں، تہمتوں وغیرہ کا بازار بھی گرم ہے!!!

جبکہ اہل الحدیث کی تاریخ غار حراء میں رسول ﷺ پر آنے والی پہلی وحی ''اقرا باسم ربک'' سے وابستہ ہے، جب ائمہ اربعہ سمیت دیگر ائمہ کرام کا سرے سے کوئی پتہ بھی نہ تھا، اہل حدیث کی قدامت کے سلسلہ میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مَذْهَبٌ قَدِيمٌ مَعْرُوفٌ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ أَبَا حَنِيفَةَ وَمَالِكًا وَالشَّافِعِيَّ وَأَحْمَدَ''۔

---

(۱) دیکھئے: جامع ترمذی، حدی ۲۱۹۲، ۲۲۲۹، وشرح مسلم، امام نووی، ۱۳/ ۶۶۔

(۲) تفسیر ابن کثیر تحقیق سامی سلامۃ، ۵/ ۹۹۔

اہل سنت و جماعت کا مسلک بڑا قدیم مسلک ہے، جو اس وقت سے معروف ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کو پیدا بھی نہ کیا تھا(۱)۔

اسی طرح یہ مقلدین اہل الحدیث کو فتنہ گر اور فساد پرور وغیرہ ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں، کاش اللہ انہیں یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ عمل بالحدیث فساد نہیں اصلاح ہے، سب سے بڑا فساد در اصل کسی غیر نبی کو امام و پیشوا بنا لینا ہے، ما أنزل اللہ بها من سلطان!

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرمان باری: ﴿وَلَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

”وبالجملة فالشرك والدعوة إلى غير الله وإقامة معبود غيره ومطاع متبع غير رسول الله ﷺ: هو أعظم الفساد في الأرض، ولا صلاح لها ولا لأهلها إلا بأن يكون الله وحده هو المعبود، والدعوة له لا لغيره، والطاعة والإتباع لرسوله ليس إلا“(۲)۔

خلاصۂ کلام اینکہ شرک، غیر اللہ کی دعوت، اللہ کے سوا معبود کھڑا کر لینا اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کو قابل اطاعت و اتباع سمجھ لینا ہی دنیا کا سب سے بڑا فساد ہے، اور دنیا اور دنیا والوں کی بھلائی اسی بات میں مضمر ہے کہ تنہا اللہ ہی معبود ہو، دیگر کو چھوڑ کر صرف اسی کی دعوت دی جائے، اور اطاعت و اتباع صرف اس کے رسول ﷺ کی ہو بس کسی اور کی نہیں۔

زیر نظر کتاب ”الارشاد إلی سبیل الرشاد فی أمر التقلید والاجتهاد“ تقلید و اجتہاد اور حدیث و رائے کی معرکہ آرائی کے موضوع پر حافظ حکیم ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ (وفات: ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء) کی نہایت اہم، مستند، مدلل اور بڑی ہی سنجیدہ تحریر ہے، اس عظیم کتاب میں مولف رحمہ اللہ نے بڑی عرق ریزی و جاں سوزی سے اتباع سنت کا وجوب و التزام، تقلید کی مذمت، اتباع اور تقلید میں فرق، اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق، اہل الحدیث کی قدامت و حقانیت، اتباع سنت سے متعلق سلف صالحین کا طرز عمل، فقہی مذاہب کے شیوع کے اسباب، منع تقلید کی بابت ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تصریحات، مسالک کا باہمی تضاد و تناقض، تقلید شخصی اور رائے پرستی کے فاسد نتائج و نقصانات، امام ابوحنیفہ اور حنفی مسلک کے سلسلہ میں مقلدین احناف کا طرز عمل،

---

(۱) منهاج السنة النبوية، ۲/ ۶۰۱۔

(۲) دیکھئے: التفسير القيم لابن القيم ص: ۲۶۳، و بدائع الفوائد، ۳/ ۱۴۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قلیل الحدیث ہونے کے اسباب، حدیث رسول ﷺ سے بے اعتنائی کا انجام، اہل حدیث متبعین سنت کے ساتھ مقلدین کی زیادتی، ایذارسانی اوران پر بے بنیاد الزامات کی حقیقت اور دیگر بہت سارے شکوک وشبہات، مغالطوں اور غلط فہمیوں کا حد درجہ متانت سے ازالہ فرمایا ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر بے مثال شاہکار ہے، تقلید وتعصب اور شخصیت پرستی کی پگڈنڈیوں میں بھٹکے ہوئے جویان حق کی رہنمائی کے لئے سنگ میل اور مینارۂ نور ہے، نیز داعیان جمود وتعطل علمائے سوء اور ائمۂ ضلالت کے لئے ایک ناقابل تسخیر چیلنج بھی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے ہر خاص وعام کے لئے مفید بنائے اور مولف رحمہ اللہ کو اس عظیم منہجی خدمت پر اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

عقیدہ ومنہج سلف کی نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل ممبئی کا بنیادی مشن ہے، جمعیت کے فعال شعبۂ نشر واشاعت سے اس عظیم کتاب کی اشاعت اسی مشن کا اہم حصہ ہے، یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو صوبائی جمعیت سے شائع ہو رہا ہے، جبکہ اس سے پہلے اس کے دو ایڈیشن ۱۹۸۹ء اور مارچ ۲۰۰۳ء میں بڑی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ اللہ ذوالکرم کی توفیق ارزانی کے بعد خالص منہجی کتابوں کے انتخاب اوران کی نشر وتوزیع سے متعلق صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی خصوصی فکر مندی کے باعث زیر نظر عظیم کتاب کی طباعت واشاعت کی بابت اُن کی مسلسل توجیہ ویاد دہانی کے نتیجہ میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے اس جذبۂ خیر اور کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اس کا نیک صلہ عطا فرمائے۔ آمین

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے متلاشیان حق کو فائدہ پہنچائے اور تقلید وجمود کی بندشوں سے آزاد ہو کر کلام ربانی، سنت نبوی ﷺ اور منہج سلف پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، نیز صوبائی جمعیت کے موقر ذمہ داران اور اس کی طباعت واشاعت میں جملہ معاونین کو اجر عظیم سے نوازے، اور ہم سب کو اپنے دین خالص کا خادم اور خیر کا داعی بنائے، آمین۔

ممبئی
۲۲/ جون ۲۰۱۵ء

عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی
(شعبہ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)
(inayatullahmadani@yahoo.com)

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین، والصلاة والسلام علی رسوله الأمین، وعلی آله وصحبه أجمعین، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین، أمابعد:

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کے حرکت وعمل اور جہود ومساعی کا دائرہ انتہائی وسیع پذیر ہے، اس جماعت حقہ کے علماء ربانی نے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

چکڑالویت ہو یا قادیانیت، بابیت ہو یا بہائیت، رضاخانیت ہو یا مقلدیت نیچریت ہو یا پرویزیت یا کلامی موشگافیاں، دفاع میں ہر مقام پر اس جماعت کے علماء ربانی پیش پیش رہے تاریخ اس بات پر شاہد ہے اور بہت سے علماء نے خراج تحسین بھی پیش کیا ہے، جیسے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، علامہ امرتسری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ جب جب اسلام پر حملے ہوئے ایک ہی مرد میدان ثناء اللہ امرتسری اس کے لئے ننگی تلوار بن گئے۔ اللہ ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو قبول فرمائے۔ والفضل ما شهدت به الاعداء۔

زیر نظر کتاب ''الارشاد الی سبیل الرشاد'' جس پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، لیکن سابقہ روایات کے پیش نظر کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے، جس کے مصنف فاضل اجل حافظ حکیم ابو یحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اہلحدیث جماعت پر بے جا اتہامات کا جائزہ لیا ہے اور تقلیدی مذاہب کے شیوع کا ذکر کیا ہے۔

ساتھ ہی اہل حق اہلحدیثوں کے مصائب وآلام کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے خلاف جو مقدمات ہوئے پھر ان میں جو کامیابیاں جماعت کو حاصل ہوئیں ان کا تذکرہ کیا ہے، نیز مذاہب اربعہ کے مدون ہونے اور چار مصلوں نیز زیدی مصلے کا بھی ذکر کیا ہے، اور انتہائی دلسوزی کے ساتھ اس کتاب کو اول تا آخر پڑھنے کا مشورہ دیا ہے نیز پورے شرح وبسط کے ساتھ عقل ونقل اور اقوال ائمہ وعلماء کی روشنی میں تقلیدی مذاہب کے ماننے والوں کا دنداں شکن ومسکت جواب دیا ہے۔

چاہے علامہ شبلی نعمانی ہوں یا مولانا عبدالرشید گنگوہی جنہوں نے تقلید وجمود کے برگ وبار کو خوب سراہا اور

اہل توحید اہل حدیث سے انتہائی معاندانہ ومتعصبانہ روش اختیار کیا، تقلیدی مذاہب کے اکثر علماء بشمول مذکورین بالا جنہوں نے پوری زندگی حنفیت کی برتری ثابت کرنے میں صرف کر دی لیکن افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور کئی ایک اکابرین نے تقلید کے تعلق سے انتہائی ناصحانہ علمی گفتگو فرمائی۔

اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے صاحب حسن البیان علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی وصاحب سیرۃ البخاری علامہ عبدالسلام مبارکپوری، اور الارشاد الی سبیل الرشاد کے مصنف کو جنہوں نے اس موضوع تقلید واجتہاد کو چھان پھٹک کر رکھ دیا کہ آئندہ کے لئے یہ کتابیں مشعل راہ بن گئیں، اور یقیناً انہیں یہ مقام حاصل ہوا کہ

أولئک آبائي فجئني بمثلهم　　　إذا جمعتنا یا جریر المجامع

امیر محترم مولانا عبدالسلام صاحب سلفی رحفظہ اللہ وذمہ دارانِ جمعیت کی جدوجہد ومنہجی غیرت کے پیش نظر اس عظیم الشان کتاب کو سہ بارہ طبع کرنے کی توفیق اللہ کے فضل سے شعبۂ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کو حاصل ہو رہی ہے اور بہت ساری علمی واساسی کتابیں اس سے پہلے بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اور آگے بھی سلسلہ جاری ہے۔ فللّٰہ الحمد.

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین ومحسنین طابع وناشر سب کو جزائے خیر دے اور اس کتاب کے مصنف علامہ کے لئے اسے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں امین آباد

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم

خادم جماعت

سعید احمد بستوی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

۳ر رمضان ۱۴۳۶ھ

۲۱ر جون ۲۰۱۵م

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما کنا لنهتدي لولا أن هدانا الله، لقد جاءت رسل ربنا بالحق المبین۔ نحمده ونثني علیه ولا نحصي ثناء علیه ونصلي علیهم هداة الخلق ومعادن الصدق، ولا سیما سید ولد آدم محمد المصطفیٰ خاتم النبیین۔ وعلیٰ آله وأصحابه وحملة علمه وحفظة شریعته أئمة أمته الهادیین المهدیین۔ أمّا بعدُ:

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں، جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ اُن کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سُنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب (۱) لیا جاتا ہے۔

انسان کا طبعی طور پر دستور ہے کہ ہمیشہ وہ اس بات کو جو اس کے رسم و رواج کے موافق ہے اور جس کو اپنے آباء و اجداد سے متوارث دیکھتا چلا آیا ہے اور جس وضع و طریق پر بڑھا پلا ہے اُس کو استحسان کی نظر اور قبول کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُسی کو نہایت صحیح اور بہت درست سمجھتا ہے۔ اور جس بات کو اپنے رسم و رواج کے خلاف پاتا ہے، اُس کو انکار کی نظر اور رد کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فوراً اس پر غلط اور نادرست کا حکم لگا دیتا ہے۔ اگرچہ کسی قوی تحریک پر یہ خیالات پلٹا بھی کھا جاتے ہیں مگر

(۱) چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں۔ یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ تحریمہ باندھتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ بنگال کے عوام ان لوگوں کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں۔

عام دستور یہی ہے اور یہ دستور کسی خاص بات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ بول چال، خورد ونوش، آدابِ نشست و برخاست، مراسم شادی وغم وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ انسان کی یہی حالت ہے۔ اپنی بولی سب بولیوں سے زیادہ فصیح اور عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنے ملک کا کھانا پینا، کھانوں کی قسمیں، کھانا کھانے کھلانے کے طریقے، سب ملکوں سے زیادہ پسندیدہ اور مرغوب دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے یہاں کی تہذیب، اپنے ملک کی رسوم اور طرزِ معاشرت سب سے زیادہ اچھے اور قرین قیاس نظر آتے اور واجب الاتباع معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف دوسرے ملکوں اور دوسرے شہروں کی بولی کریہہ معلوم ہوتی اور اس پر ہنسی آتی ہے۔ دوسرے ملک کے کھانے جو اپنے یہاں کے خلاف ہیں، مکروہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے ملک کی تہذیب اور وہاں کے مراسم بیہودہ اور خلاف عقل نظر آتے ہیں۔ جب امور دنیاوی میں رسم و رواج کی بابت طبیعت انسانی کی یہ حالت ہے تو امور مذہبی اور رسوم دینی کی بابت جو بڑے استحکام اور پابندی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، کیا حالت ہوگی۔ صدق اللہ تعالیٰ: {كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ}[1] (ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر ریجھ رہا ہے۔) وقال: {كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ}[2] (اسی طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو ان کے کام۔)

غیرحق پر اصرار اور حدوث مذاہب کے اسباب:

اسی واسطے عام دستور دیکھا جاتا ہے جب آدمی ایسا مسئلہ یا کوئی مذہب کے متعلق وہ بات جو پہلے اس نے نہیں سنی یا اُس کے علم میں یا اُس کے رسم و رواج میں اُس کے خلاف چلا آتا ہے، سنتا ہے، تو کسی طرح اس بات کا اُس کو اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کو فوراً بلا غور کئے غلط اور غیر صحیح کہہ

(۱) سورۃ الروم: ۳۲۔

(۲) سورۃ الأنعام: ۱۰۸۔

دیتا ہے۔اور یہ خیال اُس کا ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اُس پرانے خیال کی صحت اور نئی بات کی غلطی میں اُس کو ذرا بھی شک نہیں ہوتا۔جس کی وجہ سے وہ اس پیش آمدہ بات کی اصل اور حقیقت معلوم کرنے کا قصد تک نہیں کرتا کہ اس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو حال کھلے بلکہ بجائے اس کے کہ تحقیق کرے اس میں عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔غرض وہ کسی طرح اس کو اپنے ذہن میں جگہ دینا نہیں چاہتا۔یہی وجہ ہے کہ دین اسلام اور سابق کے اَور دینوں میں بھی حق کے خلاف بہت سے مذہب اور طریقے باہمی نزاعات وتعصبات یا اغراض نفسانی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے پیدا ہو کر اور کچھ عرصہ تک جاری رہ کر اور رفتہ رفتہ ترقی پکڑنے کے بعد رواج پا کر ایسے مستحکم ہو گئے کہ اُن کا نہ صرف عوام کے بلکہ خواص کے ذہنوں سے نکلنا اور دلوں سے دور ہو جانا سخت دشوار اور ناممکن ہو گیا۔بلکہ ان لوگوں کو جن میں اُن مذہبوں نے رواج پایا وہی مذہب اصل اور صحیح اور دین آسمانی معلوم ہونے لگے،اور اُس کے خلاف کا باطل و ناحق ہونا ان کے ذہن میں بس گیا۔جس کے سبب سے اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر ان کے سامنے اُن کے مروّجہ مسلک کے خلاف کوئی اس اصلی اور واقعی مسلک کو جو قدیمی تھا اور جو نفس الامری اور حق ہے پیش کرے تو ان کو اپنے مروّجہ مذہب کی حقانیت اور اس کے خلاف کے بطلان کے ذہن میں مستحکم ہونے کے سبب سے بالکل توجہ نہیں ہوتی کہ وہ پورے طور پر اس مذہب کی تحقیق کر کے نفس الامری حق کو معلوم کریں۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیعوں اور خارجیوں اور معتزلہ اور دیگر ان فرقوں میں جن کو ہم ناحق جانتے ہیں اور نیز ان یہود ونصاریٰ وہنود میں کوئی ایسا فرد بشر نہیں جس کو اپنے خالق کا ڈر ہو یا یہ چاہتا ہو کہ ہم اس کے سچے دین پر قائم ہو کر اس کو راضی کریں۔اور کیا یہ سب کے سب یہی چاہتے ہیں کہ ہم حق مذہب کے سوا کسی گمراہی کے مسلک پر رہ کر عمر ضائع کر دیں اور مر کر سیدھے دوزخ میں جا پڑیں، یا کیا یہ سب کے سب سخت بے وقوف اور بالکل چوپایوں کی طرح بے عقل یا مجنون ہیں اور اُن میں کوئی ہوش

منداور عقل والا نہیں یا کچھ بھی علم نہیں رکھتا جو مذہب حق کی حقانیت کا ادراک کر سکے۔ ہر گز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ایسے صاف اور ستھرے مذہب اہل سنت والجماعت کو جس کی حقانیت نہایت آشکارا ہے اور آفتابِ نیمروز کی طرح چمکنے والے سچے اور پکے دین اسلام کو جس کی خوبی سے کوئی عاقل [1] انکار نہیں کر سکتا، قبول نہیں کر لیتے، اور سب کے سب اس طرف نہیں آجاتے؟ بڑی وجہ اس کی یہی ہے جو ابھی ہم کہہ چکے ہیں۔ یعنی اپنے آباء واجداد سے متوارث بات کی پابندی اور اپنی ذہن نشین بات کے خلاف کو بلا غور اور اصلیت دریافت کئے ناحق سمجھ لینا، اور غلط کہہ دینا اور اُس کی اصلیت کے دریافت کا قصد تک نہ کرنا بلکہ عیب گیری اور نکتہ چینی کی طرف متوجہ ہو جانا۔

معیارِ حق و ناحق:

اس لئے ضرور اور پر ضرور ہے (اور اگر ضرور نہیں تو ناحق مذہب والے فرقوں پر الزام لگانے اور قصوروار بتانے کی کوئی وجہ [2] نہیں) کہ آدمی جب کبھی کسی مذہبی اختلاف پر واقف ہو یا اس طریقہ کے جس کو وہ حق سمجھ رہا ہے کوئی خلاف کہنے والا ملے تو وہ نہایت غور اور انصاف کو کام میں لا کر اور اپنے پرانے خیالات سے پہلے خالی الذہن ہو کر اُس نئے اور پرانے طریقے کو ایک نظر اور

---

(۱) بہت سے عقلائے یورپ اور مسیحی حکماء کے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں۔ جنہوں نے برابر اسلام کی حقانیت اور اُس کی انواع واقسام کی خوبیوں کا اقرار کیا ہے۔ اگر ہم اُن کو نقل کریں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ اس باب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کو دیکھو۔

(۲) کیونکہ وہ بھی تو اپنے خیال میں حق ہی پر قائم ہیں اور اپنے آپ کو صحیح مذہب پر خیال کرتے ہیں۔ اب ان پر الزام ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے دل کو پرانے خیالات سے علیحدہ کر کے اور ان کی محبت کے پردے کو اٹھا کر منصفانہ نظر سے اس بات کو جو ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، کیوں نہیں دیکھتے۔ اگر ایسا کریں تو ضرور حق ظاہر ہو جاوے۔ چنانچہ جو ایسا کرتے ہیں وہ بے تامل راہ حق پر پہنچ جاتے ہیں۔ نو مسلمانانِ امریکہ اور لیور پول نے یہی طرزِ عمل برتا، اُن پر حق کھل گیا، اور دولتِ اسلام اُن کو نصیب ہوئی۔ دیکھو مسٹر الیگزنڈر دیب صاحب اور مسٹر کوئیلم صاحب کی تحریرات جن میں اُن لوگوں نے اپنے قبول اسلام کی وجوہات بیان کی ہیں۔

برابر کی نگاہ سے دیکھ کر دونوں کے محاسن اور عیوب اور ہر ایک کے دلائل و وجوہ پر غور کرے ۔ پھر دیکھے کون راجح اور صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں صحیح رائے قائم کرنے کا بہت اچھا موقع مل سکتا ہے، کیونکہ حاکم کی نظر فریقین کے ساتھ مساوی ہونا چاہئے ۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کبھی انصاف نہیں کرسکتا ۔ اسی طرح اگر انسان مذہبی اختلافات کے فیصلے کے وقت اپنے آپ کو پہلے سب سے علیحدہ نہ کرلے اور ان مبالغوں اور زیادتیوں کو جو ہر فریق اپنے فریق مخالف پر جوڑ دیا کرتے ہیں اور تل کو پہاڑ کر کے بیان کرتے ہیں یا صحیح بات کو بری صورت بنا کر دکھاتے ہیں نظر انداز نہ کرے اور فریقین کے اصل منشا کو خوب اچھی طرح معلوم نہ کرلے ۔ اور ہر ایک کے اصلی بیانات اور دعویٰ اور وجوہ نہ سُن لے (نہ یہ کہ ایک طرفی بیان پر کفایت کر (1) بیٹھے) انصاف نہیں کرسکتا ۔ میری رائے میں اگر آدمی ان تمام مراحل طے کرنے اور نہایت نیک نیتی اور انصاف سے کام لینے کے بعد بھی حق سمجھ کر اس طریقے پر قائم رہا، یا اب ہُوا جو نفس الامر میں حق نہیں تو وہ معذور ہے : {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا}(2) (اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے ۔)

اہل حدیث سے نفرت کی اصل وجہ غلط بیانیاں اور غلط فہمیاں:

مجھ کو افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فرقے کے معاملہ میں جس کا ذکر میں نے شروع

(1) مخالف کی کتاب دیکھنے سے انکار کیوں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ اس قسم کی تحریروں کو جو اختلافی مسائل اور نزاعی مذاہب میں بطور فیصلہ یا ترجیح احد الجانبین کے منصفانہ دعویٰ سے لکھے جاتے ہیں یا کسی اور امر کی اصل حقیقت بیان کی جاتی ہے، اس کے دو ورق پڑھ کر اپنے ذہن میں اپنے مخالف کی تحریر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، اور دیکھنا نہیں چاہتے ۔ اگر اتفاق سے عند اللہ اُن کا مخالف ہی حق پر ہوا تو اس اعراض کا اللہ کو کیا جواب دیں گے ۔ اگر وہ ایسی سریع الفہم اور ذہنی قوت انتقالیہ رکھتے ہیں کہ دو ایک ورق کے پڑھنے سے کل رسالہ کے مطالب کو سمجھ گئے تو اپنی ہی سمجھ کے موافق سمجھ گئے ۔ مصنف کے منشا کو تو جب تک اول سے آخر تک نہ دیکھیں کیسے سمجھ سکتے ہیں ۔ اور اگر نفس الامر میں بھی وہ حق پر ہیں تو کیا ایسی تحریرات دیکھنے میں اتنا بھی فائدہ نہیں کہ ایک مخالف فریق کے دلائل و مکاید ہی معلوم ہو جاویں گے ۔

(2) سورۃ البقرۃ: ۲۸۶ ۔

کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے اس طریقۂ انصاف سے کام نہ لیا۔ بلکہ ان غلط بیانیوں اور زیادتیوں پر جو مخالفین نے ان پر جوڑ دیں [1] یا جن کی بنا محض غلط فہمی یا بیان کی بدعنوانی پر ہے جن سے کوئی عاقل بے نفرت کئے نہیں رہ سکتا (جیسے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہنا جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تحقیر،

---

(۱) جامع الشواہد کا تذکرہ اور اہل حدیث کی طرف سے اس کے جوابات:
ایک صاحب نے رسالہ جامع الشواہد لکھ کر شائع کیا۔ اس میں اسی قسم کے چند عقائد و اعمال اہل حدیث کی طرف نسبت کر دیئے اور نام کے لئے اہل حدیث کے بعض رسائل کا حوالہ مع نشان صفحہ کے بھی لکھ دیا۔ اس سے ظاہر بینوں کو اور بھی یقین ہو گیا۔ اس رسالہ سے عوام کو اہل حدیث کے ساتھ بے حد بدظنی اور نہایت برہمی پیدا ہوئی۔ حالانکہ اس کی بنا محض غلط بیانی یا بدعنوانی پر تھی۔ جس کتاب کا حوالہ دیا، اگر کھول کر آگے پیچھے سے پڑھا جاوے تو ہرگز وہ مطلب نہیں نکلتا جو جامع الشواہد کے مؤلف دکھانا چاہتے ہیں۔ اس رسالے کے اہل حدیث کی طرف سے کئی جواب ہوئے۔ وہ جواب ہماری نظر سے بھی گزرے۔ ایک کاشف المکاید۔ دوسرا إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان، ان رسالوں کا پھر کوئی جواب مؤلف جامع الشواہد اور اُن کے ہم خیالوں نے نہیں دیا۔ ہمارے استاذ بھائی جناب مولوی محمد حسین صاحب لاہوری (بٹالوی، متوفی ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۸ھ) نے اپنے پرچہ اشاعۃ السنۃ کے نمبر: ۵، جلد: ۶، بابت ماہ مئی / ۱۸۸۳ء کے سرورق پر امور مندرجہ رسالہ ہذا (جامع الشواہد) منسوبہ بجانب اہل حدیث کو لکھ کر اہل حدیث کی کتب متمسکہ سے ثابت کر دینے پر ہزاروں روپیہ انعام دینے کا اشتہار جاری کیا، آج تک کوئی نہ ثابت کر سکا۔ اگر یہ نسبت سچی تھی تو کیوں نہ ثابت کیا کہ سچے بھی بنتے اور مفت کا انعام بھی لیتے اور مخالف کو صحیح طور پر رسوا کرتے۔ جامع الشواہد کا جواب ہم نے بھی لکھنا شروع کیا تھا۔ اس لیے کہ جب ہم نے ان کتابوں کو جن کا حوالہ جامع الشواہد میں دیا تھا کھول کر دیکھا اور بالکل اس کے منشاء کے خلاف پایا، تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس غلطی کو ظاہر کر دیں۔ مگر جب ہم کو مذکور الصدور دو رسالے اتفاق سے مل گئے تو ہم نے انہیں کو کافی خیال کر کے اپنی تحریر کو موقوف کر دیا۔ کسی صاحب نے ایک فتویٰ اہل حدیث کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیا۔ جس میں سور کی چربی کی حلت اور پھوپھی خالہ سے نکاح کا جواز اور منی کے کھانے کا جواز لکھ دیا جس سے دھوکے میں آ کر بہت سے لوگ یہ سب باتیں اہل حدیث کی طرف نسبت کرنے لگے۔ اس فتویٰ کا تذکرہ رسالہ کلام سلیم میں بھی لکھا ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حج کا قصہ: جناب شیخنا حضرت مولوی نذیر حسین صاحب مدظلہم العالی جب مکہ معظمہ کو حج کے واسطے گئے تو مشہور کر دیا کہ وہاں قید کئے گئے اور ان سے توبہ کرائی گئی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط و خلافِ واقع ہے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل ہمارے استاد بھائی جناب مولوی حافظ عبد اللہ صاحب محدث غازی پوری نے رسالہ الکلام النباہ میں مع نقل خط پاشائے مکہ معظمہ جو بذریعہ فوٹو گراف حاصل کیا گیا تھا لکھا ہے، جس سے بالکل ان مشہور کردہ خبروں کی تکذیب ہوتی ہے۔

شفاعت سے انکار، اولیاء اللہ سے انکار، اماموں (علیہم الرحمۃ) کو گالیاں دیا، خالہ، پھوپھی سے نکاح جائز کہنا، وغیرہ۔ جن کی نسبت میں حلفاً اور اللہ کو گواہ کر کے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہر گز ان کا مذہب نہیں۔ اور وہ ان سب باتوں سے بری ہیں) اعتماد کر لیا گیا۔ اسی قسم کی جھوٹی برائیاں مشہور ہونے سے لوگوں کے دلوں میں اس فرقہ کا ایک ایسا نقشہ جم گیا کہ جس وقت وہ وہابی یا غیر مقلد کا لفظ سنتے ہیں تو سنتے ہی اُن کے ذہن میں اس کا ایک ایسا بُرا مفہوم گزرتا ہے جو رافضی یا خارجی بلکہ کافر کے سننے سے بھی نہیں گزرتا۔ اس نام کے سننے سے یا اس مذہب والے کی صورت دیکھنے سے معاً ان کے ذہن میں یہ خیال گزر جاتا ہے کہ قدیمی مذہب کے خلاف نئے تراشے ہوئے مذہب والے بدعقیدہ، رسول سے منکر، اولیاء کے غیر معتقد، ائمہ کے ساتھ گستاخ، وغیرہ۔ ہم کو خود بھی یاد ہے، جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ ہم بھی ایسا ہی سمجھتے اور بے حد نفرت رکھتے تھے۔ حالانکہ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک خیال تھا غلط۔ اور وہ ہر گز ایسے نہیں بلکہ یہ مخالف فرقے کے تعصب نے جب کہ اُن کو بہت بڑا ذریعہ عوام کے مشتعل کرنے کا، اور اُن کی دلچسپ باتوں اور قرین قِیاس ہدایتوں سے روکنے کا یہی ملا۔ لہذا اس سے کام لیا۔

پس عوام کے لئے اس مذہب سے نفرت کی، بجائے ایک کے دو وجہیں ہوگئیں۔ ایک تو اپنے موروثی ذہن نشین مذہب کے خلاف ہونا۔ دوسری سخت نفرت دہ باتوں کا اس مذہب میں یقین دلایا جانا۔ اس [1] لئے عموماً اس گروہ کے ساتھ معاملے کی وہ حالت رہی جو کسی رافضی یا خارجی سے بھی نہیں کی جاتی۔ اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ برتا گیا جو کسی بدتر سے بدتر آدمی کے ساتھ نہیں

(۱) ایک صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ ”انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد۔ اُس کے صفحہ: ۷ میں اہل حدیث کی بابت لکھتے ہیں: ”حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان (غیر مقلدوں) کو قتل کریں۔ اگر وہ لا علمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔ عوام اہل اسلام کو لازم ہے کہ مدعی و گواہ ہو کر حکام وقت سے سزایابی میں اُن کی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔“

برتا جاتا۔ کسی عیسائی، ہندو، دہریے، رافضی، نیچری کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، ایسا برا نہیں سمجھا گیا، جیسا اُن کے ساتھ۔ ایسا بھی ہوا کہ اگر ان میں کا کسی مسجد میں چلا گیا، تو وہ مسجد خوب دھوئی اور پاک کی گئی۔ بعض جگہ سنا گیا کہ مٹی بھی کھود کر نکالی گئی۔ کیا اگر کتا یا سور یا ہندو یا عیسائی مسجد میں آجائے تو ایسا کیا جاتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اور ایسا تو بہت ہوا کہ کسی جماعت میں جا کر شریک ہو گئے اور زور سے آمین کہہ دی تو امام اور سارے مقتدیوں کی نماز میں خلل آگیا، بلکہ فاسد ہوگئی، اور دوبارہ ادا کی گئی۔ تعجب ہے کہ صرف پاس کھڑے ہونے سے کیسے نماز فاسد ہوگئی، اگر ہو تو صرف اُسی شخص کی ہو جس نے آمین کہی، لیکن اوروں کی طرف فساد کیسے متعدی ہوا۔ کیا اگر کوئی بے وضو یا جنبی یا کوئی غیر مسلمان کسی نمازی کی جماعت میں آ کر کھڑا ہو جائے تو ان کی نماز فاسد ہو جاوے گی؟ ہر گز نہیں۔ مگر تعصب سے یہ نوبت پہنچی۔ ہم نے مانا کہ اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، تو نہ پڑھو۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اُن کو اپنے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنے دی جائے اور نہ اپنی جماعت میں شامل ہونے دیا جائے، اور نہ اُن کو مساجد میں آنے دیا جائے۔ حالانکہ اول الذکر (اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھنے) کی حقیقت میں کوئی وجہ نہیں۔

حنفیہ اور اہل حدیث کے مابین معاہدہ اور اہل حدیث کے پیچھے نماز کا جواز:

فقہ حنفی کے موافق بے تامل ان کے پیچھے نماز جائز ہے [(۱)]۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ ہجری دہلی میں علمائے فریقین کا ایک تحریری معاہدہ [(۲)] ہوا، جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر ایک فریق دوسرے

---

(۱) ملا علی قاری مکی (رحمہ اللہ) نے ایک رسالہ "الإهتداء في الإقتداء" لکھا ہے، جس میں مخالف مذہب والے مذہب کے پیچھے نماز کو جائز غیر مکروہ ثابت کیا، جب کہ وہ ارکان وشروط نماز میں کوئی کمی نہ کرے، علامہ ابن عابدین "رد المختار" میں جو کہ فقہ حنفی کی ایک نہایت مستند کتاب ہے، اختلاف فقہاء کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ جس بات کی دل شہادت دیتا ہے وہ تو یہ ہے کہ مخالف کے پیچھے نماز پڑھنا جب کہ وہ فرائض کی رعایت کرتا ہو وہ مکروہ نہ ہو؛ کیونکہ بہت صحابہ وتابعین جو کہ ائمہ مجتہد تھے، سب ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ ان میں باہم مسئلوں کا خلاف بھی تھا۔ دیکھو: جلد:۱، صفحہ:۴۱۶، مطبوعہ: مصر باب الامامة۔

(۲) یہ معاہدہ کئی بار طبع ہوا ہے۔

کے پیچھے نماز پڑھے اور کسی کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔ اس معاہدہ پر کئی سر برآوردہ علمائے حنفیہ کی مہریں ہیں، اور اُن کی جو اہل حدیث کا رد کیا کرتے تھے، یہ معاہدہ فریقین کا دستخطی عدالت کمشنری دہلی میں توثیق کے لئے داخل کیا گیا۔ اگرچہ اس سے دہلی میں تعصب کو ضرور کمی ہوئی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ اور فی الجملہ لوگوں کو یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ نفرت دہ باتیں جو مشہور کی گئی ہیں، مخالفوں کی زیادتی تھی۔ مگر اس کا کوئی نمایاں اثر دوسرے شہروں پر نہ پڑا، اور عناد اور تعصب کی وجہ سے مسجدوں میں آنے دینا پسند نہ کیا۔

عدالتی مقدمات میں اہل حدیث کی کامیابی:

آخر نوبت سرکاری عدالت تک پہنچی اور جا بجا مثل میرٹھ و علیگڑھ و غازی پور و بنارس وغیرہ بلکہ بعض وجوہ سے دہلی میں حکام وقت سے استغاثے ہوئے اور مقدمات کا سلسلہ عدالتہائے بالادست مثل الٰہ آباد و کلکتہ و لندن تک پہنچا۔ مقلدین نے اس بنا پر کہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت یا مسلمان نہیں، لہٰذا اہل سنت کی تعمیر کردہ مساجد میں کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ مساجد میں آنے سے روکا۔ حکام نے علماء فریقین کے بیان اور ہر دو فریق کی کتب مسلمہ سے حوالے لئے اور نہایت مہذب صورت باہمی مناظرے کی قائم ہوئی۔ ”غیر مقلدین“ نے ظاہر کیا کہ ہم کو اسلام یا اہل سنت سے خارج کہنا صحیح نہیں۔ ہمارا بعینہ وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت کا ہے۔ ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ فقہ کا جو مسئلہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے ہم اُس میں حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ بجائے حدیث کا امام کے بتائے ہوئے مسئلہ پر، جس کا نام فقہ ہے، عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے ہم اسلام یا اہل سنت سے خارج ٹھہرائے جائیں۔

(تمہیں انصاف کرو کہ کسی مسلمان کے سامنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث رکھی ہو اور اس کو یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور منسوخ نہیں، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ پہلے زمانہ میں حدیثیں

کتابوں میں جمع نہ ہونے کے سبب سے ہر امام کو سب حدیثیں نہیں مل سکیں اور اسی واسطے اماموں نے خود وصیت کی ہے کہ جب تمہیں حدیث صحیح نہیں مِل سکیں اور اسی واسطے اماموں نے خود وصیت کی ہے کہ جب تمہیں حدیث صحیح مل جائے اور ہمارا مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو تو حدیث پر عمل کرنا۔ ایسی صورت میں اس مسلمان کو جب کہ امام کا بتایا ہوا مسئلہ حدیث کے خلاف پائے، کیا کرنا چاہئے۔ کیا ایسے وقت میں بھی حدیث کو چھوڑ کر کوئی دوسری بات اختیار کرنے کے لائق ہے؟)

غرض یہ لوگ ان چار اماموں میں سے کسی ایک معین امام کے مذہب کے جملہ مسائل میں تقلید کرتے ہیں، ہم قرآن وحدیث کو مقدم رکھتے ہیں، جو اس سے ثابت ہو وہ لیتے ہیں، خواہ کسی امام کے موافق پڑے۔ بس یہی ہم کرتے ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اس کے سوا جو کچھ نا پسندیدہ باتیں ہماری نسبت مشہور کی گئی ہیں محض تہمت ہیں۔ اس کا جو کچھ ان سے ہوسکا ثبوت دیا۔ حکام نے فریقین کے بحث مباحثے وجرح قدح سننے کے بعد ''غیر مقلدوں'' کو ڈگری [1] دی۔ اور تسلیم کیا کہ بے شک دلائل اور کتب مسلمہ فریقین کی رو سے یہ لوگ اہل سنت ہیں اور مساجد کے بھی مستحق۔ انتہائی ڈگری ''غیر مقلدوں'' کی ہی رہی اور وہی راست ثابت ہوئے۔

---

(۱) نقول فیصلہ جات: دیکھو فیصلہ دیوانی جوڈیشل اسٹنٹ کمشنر دہلی ۵/جنوری ۱۸۸۳ء۔ اور فیصلہ محکمہ کمشنری دہلی: ۷/ستمبر ۱۸۸۳ء اور فیصلہ دیوانی جوڈیشل اسٹنٹ کمشنر ۲۹/دسمبر ۱۸۸۳ء۔ اور فیصلہ عدالت فوجداری نصیر آباد مجسٹریٹ درجہ اول ۳۱/اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ اور روبکار ضلع امرت سر۔ مجسٹریٹ ضلع امرت سر ۲۷/اگست ۱۸۶۸ء۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اگرچہ مسائل وہابیہ کو مدعاعلیہ (مقلد) مانے یا نہ مانے لیکن بے شک وہ بہت پکا فرقہ مسلمانوں سے ہے۔'' اور فیصلہ بابو سریش چندر بوس صاحب منصف غازی پور ۲۴/فروری ۱۸۹۴ء، منصف صاحب علم عربی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے خوب سمجھ کر نہایت ہی قابلانہ اور مدلل تخمیناً تین سو صفحوں پر فیصلہ لکھا۔ فیصلہ صاحب جج بہادر ضلع غازی پورہ ۵/نومبر ۱۸۹۴ء جو بنا بر اپیل فیصلہ منصف صاحب مذکور صادر ہوا۔ چونکہ مختصر ہے۔ اِس لئے اس کے بعض الفاظ لکھے جاتے ہیں: ''اپیلانٹ اس مذہب کا مقامی رہنما ہے جس کے بانی ابوحنیفہ ہیں، جو اُن چار مذہبوں میں سے ایک ہے جو مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں، رسپانڈنٹ فرقہ غیر مقلدین میں سے ہے۔ جو مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص کا پابند ہونا نہیں چاہتے، بلکہ اِس امر کا دعوی رکھتے ہیں کہ جو کچھ عبادت اور کاروائی مذہبی حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہو، --

--اس پر عمل کریں۔''اور لکھتے ہیں:''ذرا بھی کوئی وجہ اِس امر کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ رسپاڈنٹ کے افعال عمدہ اعتقاد اور ایمان داری کے موافق نہیں ہیں۔''اور لکھتے ہیں:''اپیلانٹ ہم کو زبردستی یقین دلانا چاہتا ہے کہ اِن چار اماموں میں سے کسی ایک کی پیروی کئے بغیر کوئی شخص پکا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ پھر مسلمات فریقین کے حوالے اور چاروں اماموں کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:''نتیجہ ان اقوال کا یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بحالت اختلاف رائے اماموں کے حدیث نبوی (ﷺ) قبول کر کے امام کے قول کو ترک کردے تو اس سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف کہنا بیجا اور مہمل ہے۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا مساوی اس کے ہے کہ قبل چاروں اماموں کے کوئی پکا مسلمان ہوا ہی نہیں۔'' اور فیصلہ اجلاس کامل ہائیکورٹ الہٰ آباد ۵ر نومبر ۱۸۸۹ء عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ اس میں لکھتے ہیں:''لیکن انہوں نے (یعنی غیر مقلدین نے) ایک اس سے بھی اعلیٰ ترین وجہ بیان کی ہے اور وجہ مذکور میری دانست میں ناممکن التردید ہے۔ وے بلاشبہ مسلمانوں کے ایک ایسے فرقہ میں داخل ہیں، جو قدیم مذہب کے قائم ہیں۔ اور بحیثیت مذکور مدعیان کو مسجد مذکور کے عام طور پر عبادت اور دیگر اغراض مذہبی کے لئے جن کے واسطے مسجد استعمال کی جاسکتی ہے، استعمال کرنے کا اسی قدر استحقاق ہے، جس قدر کہ مدعا علیہم کو ہے۔ مدعا علیہم کو کوئی استحقاق ہر دیگر فرقہ کو بجز خاص اپنے فرقہ یعنی حنفیوں کے، اس کے اندر جانے سے ممانعت کرنے کا نہیں ہے۔ یہ امر غیر اہم ہے کہ مدعیان نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا وے شروع ہی سے محمدی یا اہل حدیث یا محدثین ہیں یا جیسا کہ مدعا علیہم اُن کو نامزد کرنا چاہتے ہیں وہابی ہیں۔ چاہے جس نام سے وہ نامزد کئے جائیں وہ سنی مسلمان متصور ہوں گے۔ اور عام اس سے کہ انہوں نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا نہیں، ان کے صحیح قدیم مذہب کے قائل ہونے میں یا اُن کے سنی ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔'' اور فیصلہ اجلاسِ کامل ہائی کورٹ الہ آباد ۴ر نومبر ۱۸۸۹ء جن کو بنام احمد اللہ، اس میں لکھتے ہیں:''بطور امر واقعہ کے یہ تجویز ہوا کہ مدعیان (غیر مقلد) مسلمان ہیں اور یہ تجویز نہیں ہوا ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام مسجد میں کیا یا کرنا چاہا جو خلاف قانون پرستش اسلام ہے۔ اور لکھتے ہیں: مقدمہ میں کوئی شہادت مطلق نہیں ہے کہ جس سے الزام مرجوعہ من جانب مدعی بمقابلہ نامزدگان کے کہ وے (غیر مقلد) اب مسلمان نہیں ہیں ثابت ہووے۔ وے اپنے کو محمدی جو کہ عربی لفظ واسطے مسلمانوں کے ہے کہتے ہیں۔ اور اگر مدعی نامزدگان کو وہابی کہتا ہے مگر نسبت اس امر کو کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وے کسی فرقہ خلافِ مذہب میں داخل ہیں۔ اور فیصلہ پریوی کونسل فضل کریم وغیرہ بنام مولا بخش وغیرہ ۲۹-۳۰ر جنوری-۲۱ر فروری ۱۸۹۱ء اس میں لکھتے ہیں۔ تجاویز اہم حکام عالی مقام کو دراصل حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔:

(ا) مدعیان اس فرقے کے ہیں جو عامل بالحدیث یا اہل حدیث کہلاتا ہے۔

(ب) عامل بالحدیث سنی مسلمان ہیں اور سنت جماعت میں داخل ہیں۔

(ج) کوئی سند اس بات کے کہنے کی نہیں ہے کہ عامل بالحدیث حنفی کی نماز میں پیشوا نہیں ہوسکتا۔

اس قسم کے اور بھی چند فیصلے ہیں۔ ان تمام فیصل جات میں حکام نے جن کو کسی کی طرف داری سے کوئی غرض نہیں۔ فریقین کے علماء کا اظہار لے کر اور فریقین کی مسلّم کتابوں سے تحقیق کر کے اہل حدیث کو ڈگری دی اور تسلیم کیا کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں اور اصل طریقۂ اسلام پر ہیں اور اہل سنت ہیں اور مسلمانوں کی مسجدوں کے مستحق ہیں اور کوئی وجہ اس کی نہیں کہ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہو۔

مقدمات کے دوررس نتائج:

ان مقدمات سے سمجھ دار لوگوں کے لئے ایک بہت بڑا نتیجہ نکل سکتا ہے، جو کسی دوسرے مباحثے اور مناظرے سے نہیں نکل سکتا تھا وہ یہ کہ ان کو راجح اور حق بات معلوم کر لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا۔ اس لئے کہ اگر کسی فریق کے عالم سے پوچھتے تو ہر ایک اپنی سی کہتا اور بالمقابل اور مناظرہ سے دریافت ہونے میں یہ دقت ہے کہ بعض آدمی کم سخن اور کوتاہ بیان ہوتے ہیں۔ گو حق پر ہوں لیکن ایک لسّان اور چالاک آدمی سے قائل ہو جاتے ہیں۔ بعض رعب کی وجہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور تحریری سلسلہ ختم ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے موقع میں جب کہ فریقین کے علماء نے اپنے اپنے مبلغ علم کو خرچ کر کے اور نہایت اطمینان اور مہلت کے ساتھ اپنے ثبوت پیش کئے اور ہر ایک فریق نے اپنے سر برآوردہ علماء کو جمع کر کے مجموعی قوت صرف کر کے اپنا حوصلہ پورا کر لیا اور ثالث نے بلا رورعایت جو کہ فیصلہ کرنے میں تجربہ کار اور ایک غیر مذہب ہے۔ جس کو کسی کی جانب داری منظور نہیں فیصلہ دیا۔ اور پھر ایک عدالت نے نہیں بلکہ متعدد اور بڑی عدالتوں اور بڑے بڑے حذاق نے فیصلہ دیا۔ گو ان کا ذاتی قول دین کے معاملہ میں ہیچ ہے۔ مگر فریقین کے دلائل کو دیکھ کر فریقین کی کتب کی رو سے فیصلہ کیوں نہیں کر سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ ان کتب سے واقف ہو چکے ہیں اور اس کے موافق مقدمات کرتے رہتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسی صورت میں بحسب ظن غالب ڈگری دار کی حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تقریری مناظرے بھی بہت سے واقع ہوئے۔ ایک عظیم الشان مناظرہ ۱۳۰۵ھ میں بمقام مرشد آباد ہوا، جس میں فریقین کے صدہا اہل علم جمع تھے۔ جس کی روئیداد فریقین نے چھاپ کر شائع کی، اور تحریری رسائل کا سلسلہ بھی خوب جاری ہوا۔

بہت سے علماء کی اہل حدیث سے موافقت:

اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ہندوستان کے کل اہل علم کو شمار کر کے دیکھا جائے تو نصف حصہ سے زائد علماء کا وہ گروہ نکلے گا، جو اس مذہب کی حقانیت کا قائل ہوگیا۔گو سب کے سب علماء اس کے موافق کاربند نہ ہوئے۔اگر ایسا ہوتا تو عوام کے لئے بہت اچھا نتیجہ نکلتا۔بعض تو اپنے خیال کے موافق بعض مصالح دینی کی وجہ سے اور بعض بمقتضائے بشریت دنیاوی خوف یا طمع کی وجہ سے پورے طور پر اظہار نہ کر سکے اور طریقہ مروجہ پر قائم رہے جن سے عام لوگوں کو کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچ سکا۔بلکہ جب تک خلوت کے موقع میں اور بہت کچھ کہہ سن کر اور اچھی طرح ان کا اطمینان کرا کر نہ پوچھا جائے، اور وہ اپنا مافی الضمیر ظاہر نہ کریں، عوام اُن کو مقلد اور غیر مقلدوں کا مخالف سمجھتے رہتے ہیں، حالانکہ وہ مخالف نہیں بلکہ حقانیت کے مقر ہیں۔

اصول اہل حدیث کی مجبورانہ تسلیم اور عاملین بالحدیث کی نیک نیتی پر شبہ:

اس مخالف گروہ علماء میں بھی اکثر ایسے ہیں جو اس مذہب کے اصول وفروع کو مجبورانہ (۱)

---

(۱) مولوی رشید احمد صاحب کا اہل حدیث سے تعصب:

مثلا: مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرگروہ احناف دیوبندیہ (جن کو اہل حدیث کے ساتھ ایک خاص تعصب بھی ہے، جس کی وجہ سے نہایت سخت سخت الفاظ کے ساتھ اہل حدیث کو اپنی تحریروں میں یاد فرمایا کرتے ہیں۔چنانچہ رسالہ ''سبیل الرشاد'' میں اہل حدیث کی نسبت لکھتے ہیں: ''ضلالت میں پڑ گئے۔افسوس صد افسوس۔ایسی ہی سمجھ نے ان کو خراب کیا'' دیکھو صفحہ: ۵، مطبوعہ مجتبائی ۱۳۱۲ھ۔ ''کیا جہل نے جہلا کو خراب کیا'' (صفحہ: ۶)، ''جہلائے زمانہ'' (ص: ۸)، ''خود رائے، جہال، ناواقف'' (ص: ۱۰)، ''اس قوم کی یہ جہالت کے کلام خود گمراہی کے آثار ہیں'' (ص: ۱۶)، ''ایسے جہال'' (ص: ۴۱)۔حالانکہ جس بنا پر وہ ان کی نسبت فرماتے ہیں وہ خود غلطی پر مبنی ہے اور اسی تعصب کی وجہ سے انہوں نے اس رسالہ میں سخت مسامحات کیے ہیں) فتویٰ اس بیان میں کہ حدیث پر عمل کرنا فاتحہ خلف الامام پڑھنا۔رفع یدین۔آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنا جائز ہیں۔چنانچہ آپ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: ''البتہ جو مواقع اجتہاد کے نہیں وہاں (ظاہر حدیث پر عمل میں) مضائقہ نہیں جو صاف صاف حکم ہیں۔'' (ص: ۱۸)، ''ہرگز تارک قراءۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی۔جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ ہر ایک رائے وتاویل صحابہ اور تقریر فخر عالم (علیہ السلام) پر عامل ہے کسی کو---

طور پر تسلیم کرتے ہیں اور بجز اس کے کوئی عیب بتا نہیں سکتے کہ:

یہ لوگ جو آمین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ کرتے ہیں اور حدیث کے عالم بنتے ہیں نیک نیتی سے نہیں کرتے، بلکہ فساد کے لئے اور اپنی شہرت کے لئے کرتے ہیں یا اماموں کو برا کہتے ہیں اور اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر سمجھتے ہیں جبھی تو ان کا کہنا نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ۔ (جن کا ذکر ہم آگے ان شاء اللہ کریں گے۔) حالانکہ نیت کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ باقی برا کہنا محض اتہام ہے۔ جس کی اصلیت بس یہی ہے کہ جو قول ان کا حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف ہوتا ہے حدیث کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو دراصل اُن کا خلاف ہی نہیں بلکہ یہ تو اُن کی عین وصیت ہے کہ جس کی بابت وہ بڑی تاکید کے ساتھ حکم دے گئے۔ پس حدیث ملنے پر حدیث لینا یہ اُن کی عین منشاء ہے۔ بلکہ نہ لینا یہی ان کی مخالفت ہے۔ تو صحیح حدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر جو حدیث کے خلاف ہے، چلنے والا اللہ اور رسول کا مخالف تو ہو ہی گیا، اماموں کا بھی مخالف ہوا، اور اگر خلاف ہی کرنے سے برا کہنا یا اپنے آپ کو افضل سمجھنا لازم آتا ہے تو حنفی جو باقی تینوں اماموں اور دیگر صدہا ائمہ اور صحابہ کا جو ہزاروں مسئلوں میں حنفی مذہب کے موافق نہیں خلاف کرتے ہیں تو کیا یہ ان کو برا کہتے ہیں یا اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے امام صاحب کا ایک تہائی [1] مسئلوں میں خلاف کیا اور فقہائے حنفیہ نے بہت سے مسائل [2] میں امام ابو

---دوسرے پر طعن کی گنجائش نہیں۔" (ص:۲۷)، اسی طرح رفع الیدین اور آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحت کا اقرار کیا ہے (ص:۲۹) تقلید غیر شخصی کا کتاب وسنت سے ثابت ہونے کا اقرار ہے۔ تقلید شخصی کے سوا بلا تعیین مذاہب کے عمل کرنے کا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہونے کا اقرار ہے (ص:۴۲) اور لکھتے ہیں: "بعد ثبوت اس امر کے کہ یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب وسنت کے ہے ترک کرنا ہر مومن کو لازم ہے" (ص:۴۷)۔

(۱) رد المختار میں ہے: فحصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث لمذاهب (جلد:۱ص:۵۰) جس نسخہ سے ہم نے نقل کیا اس میں یہی تھا ورنہ مشہور دو تہائی خلاف ہے۔

(۲) رد المختار میں لکھتے ہیں: تصریح کی فقہاء نے ذوی الارحام کے تمام مسائل میں امام محمد (رحمہ اللہ) کے قول پر فتوی ہے اور قضاء کے متعلق جو مسائل ہیں ان میں ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے (ص:۵۳، ج:۱)

حنیفہ صاحب کے قول کے خلاف فتویٰ دیا تو کیا اُس وقت امام صاحب کو برا خیال کیا یا اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر سمجھا اور کیوں ایسا کیا۔ غرض اکثر مخالف علماء بھی بمجبوری اُن کے اصول وفروع مذہب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بجز بالائی باتوں کے اور کوئی حیلہ انکار کا نہیں پیدا کرسکتے۔ اور حق تو یہ ہے کہ جس کسی کو سچی سچی اصلیت اُن لوگوں کے مذہب کی معلوم ہوجائے تو عالم کیا کوئی مسلمان بھی اُن کے مذہب کی حقانیت میں شک نہیں کرسکتا۔ (۱)

اہل حدیث کے عقائد واعمال اور مذہب:

کیونکہ ان کا مذہب وہی ہے جو اسلام تعلیم دیتا ہے۔ ان کے عقائد واعمال بعینہا وہی ہیں جو اللہ کا کلام اور رسول (ﷺ) کی حدیث بتاتی ہے۔ (اِس سے وہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتے) جیسا کہ سلف اہل سنت والجماعۃ سے چلے آتے ہیں، وہ اللہ وحدہ' لاشریک لہٗ کو تمام عیبوں سے پاک اور ساری خوبیوں کے ساتھ موصوف سمجھتے ہیں۔ ذات وصفات کسی بات میں کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے۔ محمد مصطفی (ﷺ) کو تمام عالَم سے افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ نہ کوئی اُن کا سا ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اسی طرح فضیلت صحابہ اور ان میں ترتیب مراتب کا جیسا کہ کتب اہل سنت میں درج ہے عقیدہ رکھتے ہیں۔ کراماتِ اولیاء کو حق جانتے ہیں۔ ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ حدیث وغیرہم کو پیشوائے امت اور اپنا ہادی اور راہنما یقین کرتے ہیں۔ غرض اُن کے عقائد وغیرہ وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں، ان میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ وہ ہر مسئلہ میں (اللہ کے کلام پاک) قرآن مجید اور (اس کے

---

(۱) اگرچہ یہ بات تو ایسی واقعی اور بین ہے کہ کسی ثبوت دینے کی محتاج نہیں تاہم اگر کسی کو شک ہے تو آج کل کے اہل حدیث کے (جن کے ساتھ بدظنی ہے) عقائد کے متعلق مؤلفات کو دیکھو۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی عقاید میں چند تالیفیں ہیں، مثلاً: عقيدة السني، فتح الباب لعقائد أولي الألباب، اور ہمارے استاد بھائی جناب مولوی عبداللہ صاحب پنجابی کی کتاب عقیدہ محمدیہ کو دیکھو۔ ان کتابوں میں کہیں ان باتوں کا جو مخالف نسبت کرتے ہیں پتہ ونشان بھی نہیں بلکہ اس کے خلاف موجود ہے جیسا کہ اہل سنت کے عقائد ہیں۔

رسول (ﷺ) کی) حدیث شریف کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی بات کی رسم ورواج کو دیکھ کر یا اُس کو آباء واجداد سے ہوتے ہوئے چلا آتا پاکر صحیح وحق باور نہیں کر لیتے۔ بلکہ وہ ہر بات کی اصل وحقیقت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جس بات کی سند قرآن وحدیث سے پاتے ہیں اس پر کاربند ہوتے ہیں، جس بات کا قرآن وحدیث سے پتہ نہیں چلتا گو وہ کیسی ہی مروّج ہو اور لوگ اُسے پرانے وقتوں سے ہوتی چلی آتی بتائیں مگر وہ اُسے اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ اور نہ اُس کو دین میں شامل سمجھتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اسی کے مرتبہ پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ولی کو ولی اور واجب التعظیم سمجھتے ہیں، اور کیسے نہ سمجھیں، حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمادیا ہے: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًا فَقَدْ اٰذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ"۔ (جو میرے ولی کے ساتھ عداوت کرے اس کے ساتھ میں لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ [1] مگر ولی کو خدا بنانا نہیں چاہتے، نہ اُس کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور نہ متصرف فی العالم سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ کسی کے نفع نقصان کے مالک ہیں۔ (ہاں کسی زندہ بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا، اس سے انکار نہیں۔ یہ خود رسول اللہ (ﷺ) سے ثابت ہے۔) نہ بجائے اللہ کے نام کے کسی بزرگ کے نام کی تسبیح پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ کسی بزرگ کی قبر کو سجدہ وغیرہ کرنا، نیاز چڑھانا، جائز سمجھتے ہیں۔ غرض عوام ناواقفوں کی طرح اولیاء اللہ سے وہ معاملہ کرنا نہیں چاہتے جو اللہ سے کرنا چاہیے۔ ہاں وہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں جو اس کے اولیاء کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اسی طرح وہ کسی عالم کو نبی کے مرتبہ پر پہنچانا نہیں چاہتے۔ جیسا کہ نبی خطا سے معصوم ہیں، اور جو کچھ وہ فرمائیں بلا چون وچرا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ اور جو جس نبی کی امت [2] میں ہے اُس کو اُسی نبی کی تابعداری تمام امور میں لازم ہے، اور ہر چھوٹے اور بڑے

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۶۵۰۲) وغیرہ۔

(۲) پہلے زمانہ میں انبیاء خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے اور اُس وقت میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے تو وہ تمام عالم کے لئے نبی بنا کر کے بھیجے گئے اب ان کے وقت میں کسی دوسرے نبی کی ان----

مسئلہ میں اسی کے حکم وفرمان کی تلاش ضروری ہے۔ اُس کے سامنے اوروں کے قول ساقط الاعتبار و ناقابل عمل ہیں۔ اسی طرح کسی عالم کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ اسی کے مذہب اور عندیہ کی تلاش تمام واقعات ومسائل میں پیش نظر ہو اور جو کچھ وہ فرمائیں بلاتحقیق اور بغیر دلیل دریافت کئے ہوئے واجب التسلیم رہے، اور اُسی کی منشاء اور رائے کی ہر مسئلہ میں جستجو ہو۔ اُس کے سوا اور تمام علماء کے اقوال اُس کے سامنے ساقط اور ناقبل عمل رہیں۔ وہ جو کہہ دے اسی پر عمل ہو۔ گویا وہ عالم یا امام معصوم ہے، اور نبی کی طرح جو کچھ کہہ دے وہی صحیح ہے۔ وہ لوگ اس طرح کسی عالم کو اپنی طرف سے ٹھیرا کر ایسا معاملہ کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ سارے حقانی علماء اور امام ہمارے ہادی اور احکام الٰہی کے بتانے والے ہیں، اور سب ہی ہمارے پیشوا ہیں۔ جو مسائل کہ اتفاقیہ ہیں، اُس میں تو کچھ کلام نہیں۔ جن مسائل میں ان کے اندر اختلاف ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اختلاف میں عنداللہ حق ایک ہی ہوتا ہے، اور ہمارا مقصود اصلی تابعداری احکام الٰہی کی ہے نہ کسی دوسرے کی۔ تو ضرور ہے کہ ہم اپنی پہنچ اور وسعت بھر تحقیق (۱) کریں کہ کس کا قول قرآن وحدیث کی رو سے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ جو غالب ثابت ہو اُس پر عمل کریں، اور جو اس کے خلاف ہے اُس کو چھوڑ دیں۔ اور ہمیشہ اس کا قصد رکھیں۔ اور ویسے کسی ایک کے بلاتحقیق کئے ہوئے التزام کر کے پیچھے ہو لینے اور باقی سب علماء کے اقوال ساقط الاعتبار قرار دے لینے کی کوئی وجہ نہیں۔

بہر حال وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہر بات قرآن وحدیث کے موافق کریں اور اسی کو مقدم رکھیں اور براہ راست اسی سے حجت پکڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف کسی کے قول کو لے لیں۔ ہاں جو بات قرآن وحدیث سے نہ مل سکے اس میں صحابۂ کرام اور ائمۂ

---- کے خلاف تابعداری جائز نہیں۔

(۱) اس کی زیادہ تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

عظام کو اختیار کر سکتے ہیں۔ الحاصل ان "غیر مقلدوں" کا مذہب ہے قرآن وحدیث [1] جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو اسی پر عقیدہ ہے۔ اگر عقائد کے متعلق ہے اور اُسی پر عمل ہے۔ اگر اعمال کے متعلق ہے، قرآن وحدیث کے خلاف کوئی رسم ورواج ہو یا کسی بزرگ یا عالم [2] کا قول ہو وہ قرآن و حدیث ہی کو لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں لیتے وہ صاف صاف اسی طریقے پر چلتے ہیں اور چلنا چاہتے ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اس کا اصل منشاء ہے اور جو کہ زمانہ صحابہ اور تابعین اور ان چاروں اماموں کے وقت میں اور ان کے بعد بھی چوتھی [3] صدی تک رہا، (جس کو چوتھی صدی کے بعد تقلید کے عموماً رواج پانے کے سبب سے لوگ بھول گئے۔ اور اس سے بے خبر ہو جانے کی وجہ سے اس کو ناحق اور خلاف طریقۂ اسلام ایک مسلک سمجھنے لگے، حالانکہ وہ ہی اصل طریقہ تھا جس کی اسلام نے تعلیم دی تھی اور ایک جماعت بندگانِ الٰہی اس کی پابند ہمیشہ ہی سے چلی آرہی ہے اور اب تھوڑے دنوں سے ہندوستان میں کچھ زیادہ ہوگئی۔ جن سے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے متعجب ہیں۔) پس غیر مقلدوں کا یہی عقیدہ ہے اور یہی اُن کا طرز عمل ہے۔

مقلد حضرات کی اہل حدیث سے غیریت برتنے کی غلطی:

اب جو اُن کو اسلام سے خارج یا اہل سنت سے باہر کہا جاتا ہے۔ اگر نفس الامر میں یہ باتیں اسلام سے خارج کر دینے والی یا اہل سنت سے باہر کر دینے والی ہیں تو بے شک وہ نہ مسلمان ہیں، نہ

(۱) اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اجماع وقیاس شرعی سے انکار ہے۔ نہیں۔ بلکہ وہ بھی قرآن وحدیث ہی کی شاخ ہیں۔

(۲) یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کسی عالم نے قصداً قرآن وحدیث کا خلاف کیا یا جان بوجھ کر خلاف مسئلے بتائے۔ یہ کسی عالم کا کام نہیں بلکہ جس کسی عالم کا ایسا قول ہے وہ خطا اجتہادی ہے جس میں وہ معذور ہیں اور اُن پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ اس میں بھی ان کو ایک اجر ضرور ملے گا۔ قرآن وحدیث کے خلاف ہو جانے کے چند وجوہ ہیں جن میں سے بعض کی تفصیل ہم آگے ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔ لیکن زمانہ سابق کے عالم سے کسی خاص وجہ سے اگر خطا ہوگئی تو ہم کو جائز نہیں کہ ہم جاننے کے بعد بھی اسی پر اڑے رہیں۔ اور اس کے صحیح بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی بات بنائیں وہ معذور تھے اور ہم معذور نہیں۔

(۳) یہ سارا بیان مفصل طور پر آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

اہل سنت ہیں۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اگر ایسے لوگ مسلمان یا اہل سنت نہ ہوں تو پھر کون ہے جو مسلمان یا اہل سنت کہلانے کے لائق ہے، اور جیسا کہ مقلدین ان کو اپنے دائرۂ حق سے خارج اور بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ اگر مقلدین ان باتوں میں سے کسی بات کا صحیح طور پر انکار کر سکتے ہیں تو خیر جو چاہیں سو کہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو اپنے سے بالکل غیر اور سخت بدخیال کریں۔ لیکن ہم تو جہاں تک دیکھتے ہیں یہ جو باتیں ہم نے لکھیں خود مقلدین کو ان کے اقرار سے چارہ نہیں۔ اور جب ایسا ہے تو مقلدین کیوں اُن کو بدترین خلائق سمجھتے ہیں۔

تکریم و تعظیم! یا پرستش؟

ان اہل حدیث کا یہی حفظ مراتب، جو وہ اولیاء اور علماء کے ساتھ برتتے ہیں، کہلاتا ہے کہ یہ لوگ اولیاء کے قائل نہیں، یا اماموں کو بُرا کہتے ہیں۔ اولیاء کا قائل نہ ہونا یا اماموں کو برا کہنا صرف یہی کہ اولیاء کی پرستش نہیں کرتے اور اماموں کے ساتھ معصوموں کا سا برتاؤ نہیں برتتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شیعہ اہل سنت کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو برا کہتے ہیں اور اُن کی توہین کرتے ہیں۔ برا کہنا اور توہین یہی ہے کہ شیخین سے افضل نہیں کہتے۔ اس کے سوا کیا کوئی سُنی حضرت علی کو حقیقت میں برا کہتے ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس قسم کی تہمتیں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ہمارے بزرگوں پر طرح طرح کی تہمتیں جوڑی گئی ہیں۔ چنانچہ ائمۂ اربعہ کی نسبت کئی ناپسندیدہ باتیں لوگوں نے جوڑ دی تھیں (۱) اور خود امام اعظم صاحب کی نسبت تہمت لگائی گئی تھی کہ وہ (۲) کرامات اولیاء کے قائل نہیں، اور یہ بھی مشہور تھا کہ مبتدع (۳) اور نئی نئی باتیں

---

(۱) دیکھو: رد المختار حاشیہ درمختار، جلد: اول، ص: ۴۰، مطبوعہ مصر مطبع میمنیہ۔

(۲) دیکھو: رد المختار، جلد: اول، ص: ۳۱۷، مبحث استقبال قبلہ۔

(۳) دیکھو: سیرۃ النعمان، ص: ۴۳، مطبوعہ مجتبائی دہلی از مختصر تاریخ بغداد۔

نکالنے والے ہیں۔اور [1] یہ بھی مشہور تھا کہ قیاس کی بناء پر دانستہ حدیث کارد کرتے ہیں حالانکہ یہ سب غلط تھا۔کوئی ربانی عالم ایسا نہیں کرسکتا۔اسی طرح ان بچارے اہل حدیث پر بھی بہتان پر بہتان باندھے گئے۔وہ حدیث وقرآن کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔رسول ہی کے اتباع کے لئے یہ ساری بدنامی اور مصیبت سہتے ہیں۔

اہل حدیث اور تنقیص ائمۂ کرام:

پھر بھلا وہ کس طرح ایسا کر سکتے ہیں کہ ائمہ کو برا کہیں۔قرآن وحدیث میں ایک طرح سے نہیں بلکہ مختلف طور پر اس کی ممانعت ثابت ہورہی ہے۔اوّلؔ تو عموماً کسی مومن کو گالی دینا فسق بتایا، ادنیٰ مومن کو برا کہنا فسق ہے۔دوسرےؔ عموماً اموات کو برا کہنا صریح منع ہے۔تیسرےؔ عام مومن پر بہتان باندھنا حرام ہے۔چوتھےؔ عموماً محسن کی شکر گزاری واجب ہے۔پھر بھلا کس کا منہ ہے کہ وہ ان ائمہ کو جو پیشوایانِ مومنین اور مسلمانوں کے افراد کاملین سے ہیں کوئی گالی دے یا برا کہے، یا اُن کی برائی کر کے ان پر بہتان باندھے۔اس لئے کہ وہ بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے ہم جو عیوب گیری کریں وہ اس سے پاک تھے۔برا کہنا تو درکنار ہم ان کے شکریہ ہی سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔اُن ہی سب کی خدمتوں کا نتیجہ ہے جو ہم دین کو کیسا آسانی کے ساتھ منقح اور مرتب پارہے ہیں۔اس سب کے بعد بڑا مردود ہوگا جو اُن کو برا کہے۔اہل حدیث کا ہرگز یہ کام نہیں۔اور اگر بالفرض کوئی ایسا ہو بھی تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے، جس کا وہ خود ذمہ دار ہے، اور اُسی کے نفس پر اُس کا وبال ہے۔اُس کے اس فعل سے جو اہل حدیث کے اصولِ مذہب کے خلاف ہے، اہل حدیث کے مذہب پر کوئی دھبّہ نہیں آسکتا۔بلکہ اُس کا الزام خاص اس شخص کی ذات تک محدود رہے گا نہ یہ کہ اسلام جھوٹوں، چوروں، زناکاروں کا مذہب کہلائے۔بلکہ اگر غیر مقلدوں میں سے کوئی اس قسم کا پایا بھی جائے تو وہ

---

(۱) دیکھو سیرۃ النعمان ص: ۴۴،از عقود الجمان۔

قابل اعتبار افراد ہی سے خارج ہے ۔جس کا فعل ساقط الاعتبار ہے، وہ بہ نسبت اس کے کہ اہل حدیث کہا جائے، زیادہ مستحق ہے کہ اہل حدیث سے خارج ٹھہرایا جائے ۔ چنانچہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے خود بعض بعض جرموں پر ’’لَیۡسَ مِنَّا‘‘ فرمایا۔

غرض اس قسم کی تمام وہ ناپسندیدہ باتیں جو اہل حدیث کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اگر نفس الامر میں وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں تو ان کے ساتھ عیب گیری [1] جائز نہیں ۔بلکہ اس

---

(۱) جامع الشواھد کے جواب اور فتح المبین کی شکایت اور اس کے جواب:

رسالہ ’’جامع الشواھد‘‘ میں بعض باتیں اس قسم کی بھی ذکر کردی ہیں جو دراصل صحیح ہیں مگر اُن کو برے عنوان میں لا کر اور بدنما بنا کر نسبت کر دیا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ۔مگر ایسی عیب گیری کو کوئی دیدہ ور پسند نہیں کرتا۔اگر ناقص بیانی اور بدعنوانی کو کام میں لا کر عیب گیری کا قصد کیا جائے تو کوئی مذہب اس سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ اکثر وہ باتیں جو’’جامع الشواھد‘‘ میں بغرض عیب گیری اہل حدیث کی طرف نسبت کی ہیں، اس کے جواب میں مؤلف’’جامع الشواھد‘‘ کے مذہب میں ان کا ہونا اچھی طرح سے ثابت کر دیا گیا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اہل حدیث کی طرف سے’’جامع الشواھد‘‘ کے چار جواب شائع ہو چکے ۔(۱) عمارۃ المساجد مؤلفہ مولانا محمد سعید صاحب مدظلہ بنارسی ۔(۲) جامع الفوائد مؤلفہ مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم ۔(۳) کاشف المکائد مؤلفہ مولانا عبد الغنی صاحب جونا گڑھی، (۴) ابراء اھل الحدیث والقرآن مؤلفہ جناب مولانا حافظ عبد اللہ صاحب مدظلہ غازی پوری ۔ یہ جواب نہایت خوب اور قابل دید ہے، ہم نہیں جانتے ان کا آج تک کسی نے جواب دیا، بہر حال مؤلف ’’جامع الشواہد‘‘ کی اس نسبت سے جو غرض ہے، وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتی ۔ مؤلف’’الفتح المبین‘‘ سے تعجب ہے کہ انہوں نے ضمیمہ میں بلاتحقیق رسالہ’’جامع الشواھد‘‘ کو بڑے شدومد کے ساتھ بغرض اظہار عقائد ومسائل غیر مقلدین وبغرض اظہار کذب اشتہار مولوی محمد حسین صاحب لاہوری جس کا ذکر ہم پہلے لکھے چکے ہیں، ذکر کیا اور اس اشتہار پر بہت کچھ تعجب ظاہر کیا، کیونکہ’’جامع الشواھد‘‘ میں حوالہ بہ نشان صفحات موجود ہیں ۔افسوس ہے مؤلف مذکور نے نظر تحقیق سے ذرا کام نہ لیا۔اگر وہ ان رسائل کو جو’’جامع الشواھد‘‘ کے جواب میں لکھے گئے ملاحظہ فرماتے تو سارا تعجب ان کا جاتا رہتا اور یہ کل اعتراض ان کو بدلنے پڑتے ۔لیکن باوجودیکہ وہ ان امور کو’’جامع الشواھد‘‘ میں اہل حدیث کی طرف نسبت کئے ہیں ۔کفریات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں (دیکھو ص: ۴۲۸، مطبوعہ نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۰۰ھ) اس فرقے کے پیچھے (جس کو وہ فرقہ ظاہریہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جس کا مصداق سوا ان غیر مقلدوں کے کوئی ہے بھی نہیں) اپنے نماز پڑھنے کا بھی معمول بتاتے ہیں (دیکھو ص: ۳۴۶) اس سے خود ثابت ہے کہ ان کو اس نسبت کا یقین نہیں ورنہ کافر کے پیچھے نماز کیسی، اور نہ ’’جامع الشواھد‘‘ کے حکم عدم جواز نماز کا اُن لوگوں کے پیچھے جو اس نے بطور نتیجہ کے ان عقائد واعمال پر مرتب کیا ہے اعتبار ہے ۔---

صورت میں عیب گیری کرنے والا سخت مخالف اسلام ہے۔ اور اگر ثابت نہیں تو اُن کی نسبت اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں، کیوں کہ یہ دراصل اُن کا مذہب نہیں۔ اور نہ وہ اس کے قائل ہیں۔ اور اگر ثابت نہیں ہے اور غلطی سے وہ اس کے قائل ہیں تو یہ اُن کی اجتہادی غلطی ہے۔ ہم کسی کو اس کے ساتھ مقید کرنا نہیں چاہتے، ہم تو خالص قرآن وحدیث کے اتباع کی ہدایت کرتے ہیں نہ کسی کے اجتہاد ورائے کی تقلید کی۔ بلکہ ہم تو نہایت خوش ہیں اور ممنونِ احسان ہو کر سننا چاہتے ہیں کہ ہم جس بات کے قائل ہیں کوئی اس کی غلطی اور اس کا قرآن وحدیث کے مخالف ہونا ثابت کردے تاکہ ہم غلطی سے بچ جائیں، اور ہم بے حد مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں اور ہم کو کسی بات پر ہٹ کیوں کر ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہمارا مقصود قرآن وحدیث ہی ہے جو بات قرآن وحدیث سے ثابت

--- الفتح المبین مذکور کے (جس پر اہل حدیث کے فریق مخالف پر بڑا ناز ہے) اہل حدیث کی طرف سے کئی جواب طبع ہو کر شائع ہو چکے۔ (۱) فؤس المحققین۔ (۲) خلاصة البراھین۔ (۳) الکلام المبین۔ یہ مبسوط جواب قابل دید ہے، اور ہم نے نہیں سنا کہ اس کا اس وقت تک کسی نے جواب لکھا ہو۔ صاحب فتح المبین بھی باوجود اثبات خلاف اہل حدیث میں بڑی کوشش کے اصول مذہب اہل حدیث سے انکار نہ کر سکے اور مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ چنانچہ ص: ۱۰۳ میں لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ کہ حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں۔ محققین حنفیہ نے جس مسئلہ میں ان کو خلاف حدیث معلوم ہوا ترک کر دیا۔'' پھر اہل حدیث بیچارے کیا برا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کرتے ہیں۔ اور ص: ۲۹ میں لکھتے ہیں: ''جن لوگوں کو درجۂ اجتہاد حاصل ہے ان کے واسطے سعی (وتحقیق مسئلہ کی) محال نہیں یا جن کو بعض مسائل میں مرتبہ اجتہاد ہو وہ بھی اس تقلید سے خارج ہیں، اُن کے واسطے بھی ان مسائل میں تقلید واجب نہیں۔'' اور ص: ۳۰ میں لکھتے ہیں: ''البتہ جو ایسا شخص ہو کہ گو اُس کو بالفعل ملکہ استنباط نہیں مگر لیاقت وذکاوت ایسی رکھتا ہے کہ اس سے امید ہے کہ اگر علم حاصل کرے گا تو درجہ تحقیق کو پہنچ جائے گا۔ اس شخص کو بے شک درجۂ تحقیق حاصل کرنا چاہئے (نہ تقلید کرنا)۔'' اور ص: ۴۴ میں لکھتے ہیں: ''حنفیہ کسی کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کو کل حدیثیں بالیقین پہنچی تھیں خواہ امام صاحب ہوں یا امام مالک الخ''۔ فتح مبین پر اکثر علماء حنفیہ نے اپنی مہریں کی ہیں تو یہ سارے اقرار ان سب کو مسلم ہیں۔ الحاصل، اہل حدیث کا وہ مذہب ہے جس سے صحیح طور پر کوئی انکار نہیں کر سکتا اور فریق مخالف بھی انہیں تسلیم کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے۔ مگر افسوس ہے کہ بحث ومناظرہ کے وقت تو مجبورانہ ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عموماً ان کے ساتھ کاربند نہیں ہوتے اور یہی زیادہ تر وجہ ہے باہم خلاف رہنے کی۔ چنانچہ توضیح اس کی آگے آتی ہے۔

ہوگئی وہی ہمارا مذہب ہے۔ پھر ہم اُس کے خلاف پر کیوں ہٹ کرنے لگے۔ ہٹ تو جب ہوتی کہ ہم کوکسی خاص شخص کے اقوال کی پابندی منظور ہوتی اور پھر اس شخص کے قول کی مخالفت قرآن حدیث سے کوئی ثابت کرتا تو بے شک ہم کو تکلفات کرنے پڑتے اور ایسے حیلے بنانے پڑتے جس سے وہ مخالفت رفع ہوجاتی اور ہمارے مقتدا کا قول مخالف نہ ثابت ہوسکتا (جیسا کہ مقلدین کو کرنا پڑتا ہے۔)

اگر کہیں سے تقلید شخصی کا وجوب یا جواز صحیح طور پر قرآن وحدیث سے ثابت کردیا جاوے تو ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں [1] اور پھر کس لئے ہم کو یہ ساری مصیبتیں سہنی پڑیں۔

خود انصاف کیجئے!

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ''غیر مقلد'' نفس الامر میں ویسے ہی ہیں جیسا کہ مشہور کیا گیا

(۱) غالباً ناظرین کو اس تقریر سے اچھے طور پر ثابت ہوگیا ہوگا کہ اہل حدیث کا باعتبار اصول کے وہ مذہب ہے جو کسی وقت میں غلط نہیں ہوسکتا۔ کوئی اُن کے کسی مسئلے کی جس کو وہ اپنی تحقیق کے موافق حق سمجھ رہے ہیں، اگر غلطی ثابت کر کے کتاب وسنت سے اس کا خلاف ثابت کردے اور وہ اس کو اختیار کرلیں تاہم اُن کا کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہی اُن کا عین مذہب ہے، اور وہ اپنے اصل مذہب سے ذرا نہیں ہٹے بلکہ اور زائد اس پر قائم ہوگئے۔ اور اگر کوئی مذہب تقلید کی حقانیت کتاب اور سنت سے ثابت کردے اور وہ اس کو اختیار کرلیں جب بھی اُن کا کوئی نقصان نہیں، اس لئے کہ اب بھی وہ اپنے اصل مذہب پر قائم ہیں۔ یعنی کتاب وسنت کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں اور اپنے اصل مذہب سے ذرا جدا نہیں ہوئے۔ برخلاف فریق مخالف کے کہ جب کوئی مسئلہ ان کا خلاف قرآن وحدیث کے ثابت کیا جاتا ہے تو اس کے ترک میں کیا کچھ اُن کو پس وپیش کرنا ہوتا ہے اور اگر ترک کریں تو اپنے امام کا مذہب چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی عذر کرے کہ ایسے مسئلے کے ترک کی بابت امام کی خود ہدایت ہے لہذا مذہب چھوڑنا لازم نہ آیا تو اول تو اگر ایسا کریں تو پھر ہم کو چنداں بحث نہیں، دوسرے یہ شق بھی خدشہ سے خالی نہیں جس کا ذکر آگے ان شاء اللہ آتا ہے اور جو مذہب تقلید کا حق کے خلاف ہونا قرآن وحدیث سے ثابت کردیا جائے تو اس فریق کا اصل مذہب ہی جاتا رہتا ہے۔ الحاصل۔ اہل حدیث کا مذہب کسی صورت میں غلط نہیں ہوسکتا اور فریق مخالف کے مذہب کو یہ بات حاصل نہیں۔

ہے۔ اور واقع میں ان کا مذہب ان قبیح اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے، جو اُن کی طرف نسبت کی جاتی ہیں۔ تو ہم اُن سے بری ہیں اور ہم بھی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ مگر ہم نہایت عجز کے ساتھ اپنے انصاف پسند ناظرین سے سوال کرتے ہیں کہ ”ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کہتا ہے اور اس کا عقیدہ بھی وہی ہے جو اہل سنت کا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے، کذب وغیرہ عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اجسام وغیرہا سے اس کی مثل نہیں اور محمد رسول اللہ (ﷺ) خاتم النبیین، شفیع المذنبین ہیں، اور آنحضرت (ﷺ) اور تمام انبیاء تبلیغ احکام میں معصوم ہیں، اور آنحضرت (ﷺ) کے خلفاء راشدین کی خلافت برحق ہے، اور اہل بیت عظام اور اولیائے کرام کی محبت داخل ایمان ہے اور ائمہ اربعہ اور تمام مجتہدین اور مشائخ عظام اور اولیاء کرام سب اس کے مقبول بندے اور واجب التعظیم ہیں۔ جو اللہ ورسول (ﷺ) نے حلال کیا حلال ہے اور جو حرام کیا حرام ہے۔ قرآن وحدیث میں اُمورِ آخرت، جزا وسزا کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا سب حق ہے۔ اس سے جو کچھ اللہ نے مراد رکھا ہم اُس پر یقین رکھتے ہیں، اور اُس ظاہر معنی کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ اور بھی تمام اُمور میں وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اہل سنت کا ہے، اور وہ شخص نماز میں رفع الیدین کرتا ہے اور آمین بآواز بالجہر نماز میں کہتا ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں یہ جو کچھ کرتا ہوں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ مجھ کو ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ (ﷺ) ایسا کرتے تھے، اور وہ ان سب باتوں کی سند حدیث وغیرہ کی ان کتابوں سے دیتا ہے جو تمام علماء اسلام اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہیں، اور انہیں کتابوں سے مقلد ائمہ اربعہ بھی جب ان کو کسی بات کی دلیل لانی ہوتی ہے لاتے ہیں، اور اپنے بحث ومباحثہ میں اور مخالف کے مقابلہ میں ان ہی سے حجت پکڑتے ہیں۔ اور (۱) مقلدین کی معمول بہا فقہ واصول کی کتابوں میں جابجا ان ہی کتابوں کے حوالے

(۱) اگرچہ یہ بات (کتب حدیث پر صحیح وغلط کا مدار حنفیہ کو بھی مسلم ہے) روزِ روشن کی طرح ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرا بھی--

موجود ہیں، وہ ان معتبر اور مسلم کتابوں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان افعال کا ثبوت اوران کا غیر منسوخ ہونا ثابت کرتا ہے۔اسی طرح اُس شخص کے اور بھی مسائل ہیں، جو ان چار مشہور اماموں سے اگر کسی ایک کے خلاف ہیں تو دوسرے کے ضرور مطابق ہیں۔مثلاً جو مسئلہ اُس کا امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) صاحب کے خلاف ہے تو امام مالک (رحمہ اللہ) یا امام شافعی (رحمہ اللہ) یا امام احمد (رحمہ اللہ) کے ایک یا تینوں کے ضرور مطابق ہے۔اور جو امام مالک (رحمہ اللہ) کے خلاف ہے تو امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) وغیرہ کے مطابق ہے۔اور اگر ہزاروں میں سے کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ چاروں کے مطابق نہ ہو تو ان دیگر صدہا اماموں و مجتہدوں میں سے جو اہل سنت میں گزرے ہیں ضرور کسی نہ کسی کے مطابق ہوتا ہے۔

بہر حال وہ جو کہتا یا کرتا ہے ایسا نہیں کہ وہی اکیلا اُس کا قائل ہو بلکہ انہیں مقبول اور مقتدا اماموں میں سے جن کو سب تسلیم کرتے ہیں، کوئی نہ کوئی پہلے اُس کا قائل ہو چکا ہے۔اور وہ ایسا بھی نہیں کرتا کہ سب مذہبوں میں سے آسان آسان باتیں چھانٹ لے یا جس وقت جس مذہب پر

--محل شک نہیں، تاہم ایک قول طحطاوی کا جو اعلیٰ درجہ کے معتبر علماء حنفیہ سے ہیں نقل کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:
فإن قلت: ما وقوفک على إنک على صراط مستقيم وكل واحد من هذه الفرق يدعي أنه عليه قلت ليس ذلک بالادعاء بل بالنقل عن جهابذة الصنعة وعلماء أهل الحديث الذين جمعوا اصحاح الأحاديث في أمور رسول الله (صلى الله عليه وٰاله وسلم) وأحواله وأفعاله وحركاته وسكناته وأحوال الصحابة والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان مثل الإمام البخاري ومسلم وغيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق أهل المشرق والمغرب على صحة ما رووه في كتبهم من أمور النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) أصحابه ثم بعد النقل ينظر إلى الذي تمسک بهديهم واقتفىٰ أثرهم واهتدى في الأصول والفروع فيحكم بأنه من الذين هم هم وهذا هو الفارق بين الحق والباطل۔انتهى۔ ملخصاً (طحطاوی حاشیہ درمختار، ص: ۱۵۳، ج: ۴) یعنی حق و باطل کی تمیز کا مدار انہیں حدیث کی کتابوں پر مثل صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کے ہے جن کی صحت و اعتبار پر تمام دنیا کا اجماع ہے۔انہیں ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق اصول و فروع میں نبی صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب کا جو پیرو ہے وہ حق پر ہے اور جو نہیں باطل پر ہے۔فقط دیکھو طحطاوی۔انہیں حدیث کی کتابوں پر اصول و فروع میں تمیز حق و باطل کا مدار رکھتے ہیں۔"

چاہے عمل کرنے لگے۔اور آزادوں کی طرح غیر مقید ہوجائے، بلکہ وہ تابع دلیل کے ہے جس کا مذہب دلیل کی رو سے قوی ثابت ہوجائے اُسی کو اختیار کرتا ہے۔خواہ مشکل ہو یا آسان، اور پھر اُس سے وہ نہیں ہٹتا۔

ہاں اگر اُس کو کسی طور سے یہ ثابت ہوجائے کہ وہ بات جو پہلے اختیار کی تھی غلطی سے اس کو قوی سمجھا تھا۔اور اب یہ بات جو اس کے خلاف ہے قوی ثابت ہوئی (جیسا کہ تمام ائمہ سے وقتاً فوقتاً مسائل میں رجوع ثابت ہوا ہے۔) اسی کو اختیار کرلیتا ہے غرض وہ تابع قرآن وحدیث کے ہے جو کچھ وہ کرتا ہے یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ یہی حکم اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کا ہے۔اور سند بھی اس کی ایسی کتابوں سے دیتا ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں، اور اہل سنت ہے یا نہیں اور حق پر ہے یا نہیں، اور مسجد میں آنے دینے کے لائق ہے یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات کے ساتھ دیا جائے تو پھر کیا کلام ہے۔

اگر اہل حدیث حق پر نہ ہوں تو پھر......!

اور اگر نفی کے ساتھ ہے تو اُس کی وجہ بیان ہونی چاہئے۔اگر وجہ ترک تقلید شخصی ہے تو کہنا پڑے گا کہ وہ لاکھوں کروڑوں مسلمان جن میں عوام وخواص سب شامل ہیں جو ان چاروں اماموں سے پہلے اور اُن کے وقت میں اور ان کے بعد مدتِ دراز تک رہے۔جو تقلید کرنا تو بڑی بات ہے، بہت سے تقلید کے نام سے بھی ناواقف تھے، مسلمان نہ ہوں۔اس کے علاوہ ائمہ اربعہ اور دیگر ہزاروں [1] امام جنہوں نے تقلید سے منع کیا سخت گنہ گار ٹھیریں۔اور نیز وہ ہزاروں لاکھوں مقبول اور مسلمہ بزرگانِ دین جو اس بیچ کے زمانہ میں گزرے ہیں، جن کا تذکرہ ہم آگے کریں گے، جو تقلید نہ کرتے تھے۔اور نیز امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہم جنہوں نے امام صاحب کے اقوال کے خلاف

(۱) ائمہ اربعہ اور بعض دیگر ائمہ کے اقوال آگے آرہے ہیں۔

بہت سے مسائل اُن کی دلیل قوی سمجھ کر اختیار کئے، مسلمان نہ ہوں بلکہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سخت الزام رہے گا کہ انہوں نے ایسی ضروری بات کو کیوں نہ صاف طور بتادیا کہ ہمارے پیچھے چار امام ہوں گے۔ ہر ایک پر فرض ہوگا کہ وہ ان میں سے ایک کے مذہب کا تمام مسائل میں پابند ہو، اور جب اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود ہی نہیں بتایا، اور نہ کسی کو اس بات کی تکلیف [1] دی کہ وہ حنفی، شافعی وغیرہ ہو تو ہم نہیں جانتے کہ کوئی حنفی یا شافعی نہ بننے سے کیوں کر اسلام یا اہل سنت سے خارج ہوسکتا ہے۔

بلکہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کو اعلیٰ درجہ کی ہدایت پر نہ کہا جائے۔ بلکہ یہی مسلک ہے جس کے ہم حامی ہیں، اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کی طرف سے ہم لوگوں کی بدگمانیوں کو دفع کرنا چاہتے ہیں، اور ان ہی کا نام اہل حدیث ہے۔ یہی لوگ خالص افراد اسلام ہیں جو اسلام کے اصلی طریقہ پر ہیں، اور اسلام کے دنیا میں قدم رکھنے کے وقت سے چلے آتے ہیں، شروع شروع جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو یہی اس کے افراد تھے اور یہی مسلمان کہلاتے تھے۔ اور جو ان کا مسلک ہے وہی اسلام کی تعلیم تھی اور ہے۔ مگر زمانہ کے دور میں کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے جن سے اصلی رنگ میں کچھ کچھ تغیرات پیدا ہوئے، جنہوں نے رفتہ رفتہ ترقی پکڑ کر ایک علیحدہ مذہب قائم کر دیا، جس پر چلنے والے اس اصلی صاف وسیدھے راستے سے کسی قدر دائیں بائیں نکل گئے، جو مقلد کہلائے اور اس نئے طریقے کے عموماً مروج ہو جانے اور مدت تک اسی طرح رہنے کی وجہ سے اکثر لوگ اس اصلی راہ کو بھول گئے اور اس سے ناواقف ہو گئے بلکہ اس کو غلط سمجھنے لگے۔

---

(۱) آگے مفصل آرہا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ) کے زمانے کا طرزِ عمل

تفصیل اس اجمال اور توضیح اس مقال کی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا (جب کہ اقسام شرک وکفر سے دنیا گندی ہو رہی تھی اور پہلے انبیاء (علیہم السلام) کے دین طرح طرح کے بدعات پیدا ہونے کی وجہ سے اپنی اصلی صورت سے بدل کر کچھ اور ہی رنگ پکڑ گئے تھے، اور تمام روئے زمین کو جہالت کی ظلمت گھیرے ہوئے تھی اور ضرورت تھی کہ کوئی ہادی بھیجا جاوے۔ پس نبی آخر الزمان (ﷺ) کو تمام عالم کی طرف رسول بنا کر بھیجا) اور آپ (ﷺ) نے تبلیغ رسالت اور تعلیم اسلام کی خدمت انجام دینی شروع کی اور انجام کو پہنچائی اور اسلام کا نور عالم پر چمکا اور لوگ صراطِ مستقیم پر ڈال دیئے گئے) تو اس زمانہ کا دستور تھا کو جو کوئی مسلمان [1] ہوتا تھا، پیغمبر صاحب کو جو کچھ کرتے دیکھتا یا فرماتے سنتا سوائے اُن امور کے جن میں پیغمبر صاحب (ﷺ) کی خصوصیات ثابت ہو) کرنے لگتا۔ جب کسی کو کوئی نیا واقعہ پیش آتا، پیغمبر صاحب (ﷺ) سے دریافت کر لیتا، وہ بلاضرورت [2] مسائل دریافت نہ کرتے تھے۔ ہاں پیغمبر صاحب (ﷺ) کی جو حدیث پا لیتے، ضرور یاد کر لیتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے عمل میں اُس پر نہایت پختگی کے ساتھ مستعد رہتے تھے اور بہت ہی سیدھے اور صاف لوگ تھے۔

---

(۱) یہ بات ایسے تواتر سے ثابت ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں اور یہ واقعات بھی جو یہاں ذکر کئے گئے اس کے شاہد ہیں۔

(۲) دیکھو: حجۃ اللہ البالغۃ، مطبوعہ صدیقی ۱۲۸۶ھ، ص: ۱۴۶، از دارمی۔

صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ والہانہ محبت اور جاں نثاری:

پیغمبر [1] صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سچی عقیدت میں بڑے راسخ الاعتقاد تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے حد تعظیم وادب کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں بیان سے باہر پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت سمائی ہوئی تھی۔ وہ فرطِ محبت وعقیدت کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کھکھار وتھوک وناک کے فضلہ کو بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ بلکہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دفع کا قصد فرماتے تھے وہ دوڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے بدن پر مل لیتے۔ اسی طرح وہ آپ کے وضو کے پانی کے لئے دوڑتے تھے اور اس کے لینے میں اس قدر جلدی کرتے تھے کہ ان کے آپس میں کشت وخون ہو جانے کا خوف ہو جاتا اور لیکر اپنے بدن پر ملتے اور اگر خود نہ مل سکا تو دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتے۔ بعض [2] کا ذکر ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پچھنے لگوا کر خون ان کو پھینکنے کو دیا۔ انہوں نے بجائے پھینکنے کے وہ خود ہی پی لیا☆ (☆ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔)

کسی [3] جہاد میں ایک صحابی نے ڈھال نہ ہونے کے سبب سے اپنا ہاتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روئے مبارک کے سامنے بطور ڈھال کے کر دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرے

---

(۱) اس کے شواہد حدیث کی کتابوں میں ہزاروں موجود ہیں جن کے ذکر کی حاجت نہیں اور آگے جو لکھا اُس کے لئے دیکھو صحیح بخاری معہ فتح الباری، پارہ: ۱۱، ص: ۷، ۸۔ مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۰۶ھ وغیرہ۔

(۲) بزار اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کیا۔ دیکھو التلخیص الحبیر ابن حجر عسقلانی ص: ۱۰، مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۰۷ھ۔

(۳) دیکھو صحیح بخاری وفتح الباری پارہ ۱۴، ص: ۳۹۱، یہ قصہ احد کے دن کا حضرت طلحہ کا ہے۔ اس میں حضرت طلحہ کی ایک انگلی بھی اڑ گئی تھی، نام نہ لکھنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ گو واقعہ ایک خاص کا ہے، مگر یہ تخصیص اتفاقی ہے ورنہ تقریباً سب ہی صحابہ کی کم وبیش آپ کے اوپر جاں نثاری اور محبت کی یہی حالت تھی۔

مبارک پر تیر نہ لگنے پائے۔ اُن کے ہاتھ پر تیر لگنے شروع ہوئے مگر انہوں نے اپنا ہاتھ نہ ہٹایا حتی کہ کچھ اوپر ستر تیر آ کر لگے اور سارا ہاتھ زخمی ہو کر بیکار ہو گیا، مگر اُن کا ہاتھ سامنے سے نہ ہٹا۔

عام دستور ہے کہ جس کسی کے ساتھ عقیدت رکھی جاتی ہے۔ جس قدر دور دراز کے رہنے والوں اور بعد کے آنے والوں کو ہوتی ہے۔ اس قدر اُس کے پاس رہنے والوں (اور خصوصاً ہر وقت کے ساتھ رہنے والوں) اور ہمعصر لوگوں کو نہیں ہوتی۔ مگر جب ہم پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ صحابہ کی عقیدت ومحبت کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بڑی حیرت ہوتی ہے۔ جس قدر وہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھتے تھے، اور آپ کی فرمانبر داری میں سرگرم تھے۔ ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس سے زائد اور بھی ممکن ہے۔ بعد کے آنے والے جس قدر کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، صحابہ کسی طرح اُن سے کم نہیں تھے، بلکہ اُن سے بہت زائد تھے۔ اور یہ ایک بین دلیل آپ کی حقانیت اور بے غرضی کی ہے۔ اگر آپ تصنع کرتے ہوتے یا بنے ہوئے نبی ہوتے۔ اور آپ کی تعلیم وغیرہ خود غرضی کے لئے ہوتی تو کسی طرح ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر وقت و ہر لحظہ کے پاس رہنے والے اور ہر طرح کے راز دار ایسا کرتے۔ انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے [1] نہ جان کو جان سمجھا، نہ مال کو مال۔ جان ومال وعزت وآبرو واولاد سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر فدا کر دی۔ گھر بار چھوڑا، اولاد وعزیز واقارب کو چھوڑا مگر آپ کا ساتھ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبر داری کو نہ چھوڑا۔ انہوں نے سخت سے سخت مصیبتیں سہیں اور مہینوں [2] بھوکے رہتے تھے۔ دنوں تک ایک ایک چھوہارے پر دن بسر کرتے تھے۔ پتے کھا کھا کر دن گزارتے اور پھر ایسے فقر وفاقہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے برابر جہاد کرتے رہتے تھے۔

---

(۱) ان سب باتوں کے متعلق مفصل حالات کتب حدیث وسیر میں موجود ہیں، ہزاروں قصے ہیں ایک دو ہوں تو ان کا نشان بتایا جائے۔

(۲) دیکھو صحیح بخاری وغیرہ۔

زبان سے کہنا تو بہت آسان ہے۔ مگر جس نے تجربہ کیا ہے وہی جانتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کیسا سخت بے قرار کرنے والا عذاب اور ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ مگر انہیں کا ایمان تھا کہ وہ ایسی حالت پر بھی ذرا نہیں گھبراتے تھے۔ اور سخت بھوک کی حالت میں جہاد کرتے تھے۔

بعض (۱) صحابہ کا ذکر ہے کہ اُن کی بھوک کے مارے یہ حالت تھی کہ کھڑے سے گرتے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مجنون ہو گئے۔ حالانکہ جنون وغیرہ کچھ بھی نہ تھا، بھوک کی بیہوشی ہوتی تھی، مگر اس پر بھی آپ (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے، بلکہ وہ اتنی دیر کے لئے کہ کچھ کھانے کے لئے کما لائیں، غیر حاضری برداشت نہ کرسکتے تھے، اور آپ (ﷺ) کی فرمانبرداری کے سامنے اپنے عیش وآرام وذاتی منافع کے فوت ہونے کی بال برابر پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کو بجز آخرت کی سچی تمنا کے جو کچھ مصیبتیں سہتے تھے اس کے سوا کسی دنیاوی نفع کی امید نہ تھی۔ صدق اللہ تعالیٰ۔: {مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا} (محمد، رسول اللہ کے ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اُس کی خوشی۔) (۲) ہم نہیں جانتے کہ آپ (ﷺ) نے ایسی جاہل (۳) ووحشی قوم میں جو اپنی پیاری کھیلتی کودتی اولاد کو بلاقصور اپنے ہاتھوں سے مار ڈالتے تھے۔ زندہ بچوں کو گاڑ دیتے تھے۔ اپنی بیویوں کو غیروں کے پاس گروی رکھتے تھے۔ اپنی جوروؤں (۴) کو دوسرے قوی مردوں کے پاس قوی بچہ لینے کے لئے بھیجتے تھے۔ بات کی بات میں ہزاروں خون کر ڈالتے تھے۔ کون سی ایسی روح

(۱) دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری، پارہ:۲۶ ص:۱۱۵، اور شمائل ترمذی ص:۷ مطبوعہ احمدی ۱۲۸۲ھ۔
(۲) سورہ فتح:۲۹۔
(۳) یہ بیان خود قرآن مجید میں اور مفصل کتب تفسیر وحدیث میں موجود ہے۔
(۴) دیکھو صحیح بخاری، پارہ:۲۱ ص:۲۸، مطبوعہ مطبع انصاری۔

پھونک دی تھی، جس سے وہ ایسے شائستہ اور مہذب بن گئے، جس سے دنیا نے تہذیب حاصل کی۔ وہ روح تھی سچے دین کی۔ اور یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک قوی معجزہ ہے، جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔

صحابۂ کرام کا جذبۂ اتباعِ سنت:

غرض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر گرویدگی ایک حیرت انگیز ان کی محبت اور عقیدت کا نمونہ ہے۔ اور جیسی اُن کو محبت تھی ویسے ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اتباع اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنتوں پر عمل میں سر گرم تھے۔ اُن کی محبت ہم جیسوں اور ہمارے زمانے کے لوگوں کی سی نہ تھی کہ زبانی محبت کے بڑے بڑے دعوے، مگر اتباع سنت اور اطاعت احکام کا نام بھی نہیں بلکہ سنت کے نام سے نفرت۔

حالانکہ سچی محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کے ساتھ محبت کرے اور اسی کی چال چلے۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) صرف اُمور دینی میں نہیں بلکہ ویسے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چال وڈھال و ہر بات میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک خاص [1] ضرورت سے انگوٹھی بنوائی اور پہنی، سب نے انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو اُتار کر پھینک دیا، سب نے اُتار کر پھینک دیں۔

بعض [2] کا ذکر ہے کہ جہاں کہیں سفروں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُترے، یا کہیں قضائے

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۷۲۹۸)۔

(۲) حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کے حالات صحیح بخاری اور شفاء قاضی عیاض میں دیکھو۔ شفا میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا ایک قصہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سفر میں اپنی سواری کی اونٹنی کو ایک جگہ گھماتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو جواب دیا: میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (اس جگہ) گھماتے دیکھا، میں نے بھی ویسا ہی کر لیا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ شفا میں اسی قسم کے اور بھی قصے لکھے ہیں۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا ایک قصہ ذہبی کے قول میں بھی بضمن طبقۂ سابعہ آگے آتا ہے۔

حاجت کی وہ بلا ضرورت وہاں اُترتے اور قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جاتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قول وفعل میں ان کو کسی توجیہ اور تاویل یا دریافت علت وسبب کی ضرورت نہ تھی، جو کرتے دیکھا، کرنے لگے۔

ایک [(۱)] مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز میں نعلین اُتار دیں، سب نے اُتار دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُتارنے کی وجہ تو یہ تھی کہ بحسب اتفاق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نعلین میں کچھ ناپاکی لگی تھی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے نماز میں آکر خبر دی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُتار دیں۔ مگر انہوں نے آپ کو اُتارتے دیکھ کر بلاوجہ اُتار دیں۔ ایک روز [(۲)] آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خطبہ فرمانے کے لئے منبر پر چڑھ کر حاضرین سے ارشاد فرمایا: بیٹھ جاؤ، ایک صحابی باہر سے آرہے تھے، انہوں نے مسجد کے دروازہ پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ ارشاد سُنا۔ وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب کی اُن پر نظر پڑی تو اُن کو اندر بلایا۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) [(۳)] وحضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے ایک مرتبہ بحسب اتفاق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں زور سے بولنے پر ممانعت کا حکم آیا۔ اس کے بعد سے ہمیشہ دونوں (باوجودیکہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) بہت بھاری آواز کے آدمی تھے) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں ایسے آہستہ بولتے تھے کہ مشکل سے ان کی بات سمجھ میں آتی تھی۔

اگر ہم صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے اس قسم کے حالات لکھیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے، ہم کو جو یہاں پر کہنا ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ اتباع سنت میں بڑے مستعد تھے، اور اُن کا دستور یہی تھا کہ ہر بات میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جو اُن کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب الصلاۃ فی النعل، حدیث (۶۵۰)۔

(۲) سنن ابی داؤد، ابواب الجمعہ، حدیث (۱۰۹۱)۔

(۳) صحیح بخاری مع فتح الباری، پارہ ۲، ص: ۳۲۸، اور تقریباً سب ہی صحابہ کی یہی حالت تھی، دیکھو: شفا قاضی عیاض۔

اورگو ایسا بھی ہوتا ہو کہ بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) عند الضرورت خصوصاً جو کہ تازہ اسلام اور ناواقف تھے، دوسرے واقف کاروں سے کسی وقت کوئی مسئلہ دریافت کرتے ہوں۔ مگر سب کے مرجع آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی تھے۔ اور سوا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اور کسی کا کوئی مذہب مقرر نہ تھا۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل:

پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد خلیفہ ہوئے **ابو بکر** (رضی اللہ عنہ)۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) تمام صحابہ سے اعلم [1] اور سب سے زیادہ ذکی تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ وہ ہمیشہ حضر و سفر میں اول سے آخر تک برابر پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ رہے۔ کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے الا ماشاء اللہ اس واسطے فیضانِ صحبت کا جو حصہ ان کو نصیب ہوا، دوسرے کو نہ ہوا اور خداداد فہم مزید برآں۔

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا اپنے زمانے خلافت میں یہ دستور [2] تھا کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی مسئلہ کی ضرورت ہوتی، تو اول کتاب اللہ میں نظر کرتے۔ اگر اس سے مسئلہ مل گیا تو خیر، ورنہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو ان کے سینے میں تھیں، ڈھونڈتے۔ اگر اس میں مل گیا تو خیر، ورنہ اوروں سے پوچھتے پھرتے کہ میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے، تم میں سے کسی کو اس کی بابت کوئی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معلوم ہے۔ اگر کسی کے پاس حدیث مل جاتی تو اسی کو اختیار کرتے، اور حدیث کے مل جانے پر اللہ کا شکر کرتے۔ اگر موجودین سے کسی کے پاس نہ ملتی اور وہ اپنی حد جستجو ختم کر چکتے تو سر برآوردہ لوگوں کو جمع کر کے ان کی رائے اجتہاد پر نظر

---

(۱) سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: إنه أعلم الصحابة و أذ کاهم الخ ص: ۳۸-۳۹۔

(۲) تاریخ الخلفاء: سیوطی، ص: ۴۰ اور افتراق الأمم، ص: ۱۰۲، مطبوعہ نظامیہ ۱۲۹۱ھ اور سنن ابی داوٗد، باب فی الجدة، ص: ۴۵، جلد: دوم اور انصاف باب اسباب الاختلاف بین اہل الحدیث، ص: ۳۸ مطبوعہ دبدبہ احمدی لکھنؤ۔

کرتے۔ اگر سب کے سب ایک بات پر متفق الرائے ہو جاتے تو اُسی کو لیتے اور خود بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔

فاروق اعظم وجملہ صحابہ (رضی اللہ عنہ) کا طرز عمل اور تقلید کا عدم وجود:

اسی طرح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا بھی دستور[1] رہا۔ اور یہی دستور[2] تقریباً بقیہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا بھی تھا۔ جو کوئی کہیں کا حاکم یا مفتی یا قاضی ہوتا، اسی طرح کرتا۔ جب کوئی حادثہ پیش آیا، اگر اپنے علم میں اُس کی بابت کوئی آیت یا حدیث ہوئی، تو اُس کے موافق عمل درآمد کیا۔ خود نہ معلوم ہوئی، دوسروں سے تلاش کی۔ پتہ لگ گیا تو خیر ورنہ اجتہاد سے کام لیا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) قرآن وحدیث کے نہ پانے کی صورت میں حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے کو بھی تلاش کرتے تھے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ)[3] بھی کبار علماء صحابہ میں سے تھے۔ بلکہ اگر حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ)[4] کے بعد انہیں کو بقیہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے افقہ واعلم کہا جائے تو نادرست نہ ہوگا۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) باوجودیکہ اپنے اپنے وقت میں بقیہ افراد مسلمین سے اعلم بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے وقت میں تعداد مسلمین کی بھی بہت بڑھ گئی تھی، خصوصاً حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے وقت میں تو بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور اعداد مسلمین اور

---

(۱) تاریخ الخلفاء: سیوطی، ص: ۴۰۔

(۲) کنز العمال، جلد: ۳ اور سنن دارمی اور افتراق الأمم، ص: ۱۰۲ اور انصاف، ص: ۳۹-۴۰۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۰۸۔

(۴) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے موافقات کثیرہ اور پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خواب میں اُن کو اپنا بچا ہوا دودھ دینا اور اس سے مراد علم بتانا اور ان کے محدث ہونے کی حدیث أخرجها البخاري وغیرہ اور حدیث إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه۔ أخرجه الترمذي وغیرہ اس پر دال ہیں۔ اور اس کے اور بھی بہت سے شواہد ہیں۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا علم بھاری ہوگا۔ (دیکھو: استیعاب ابن عبد البر و إزالة الخفاء۔)

رقبہ مملکت اسلام بہت ہی وسیع [1] ہوگیا۔ ۲۷ ہجری [2] میں افریقہ واندلس بھی مما لک اسلام میں شامل ہوگیا تھا۔

اور یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ تمام قدیمی مسلمان اور نومسلم سب کے سب مجتہد اور عالم تھے (بلکہ کوئی شک نہیں کہ خواص کے افراد کم ہوتے ہیں، زیادہ تر عوام ہی ہوتے ہیں) مگر ایسا نہیں کیا گیا کہ تمام عوام کو یا صرف عوام کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) یا کسی دوسرے مجتہد وامام کی تقلید پر آمادہ یا مجبور کیا جاتا، اور نہ از خود ان لوگوں [3] نے ایسا کیا بلکہ

---

(۱) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے کل مما لک کا رقبہ الفاروق، حصہ دوم میں بائیس لاکھ پندرہ ہزار تیس میل مربع بتایا ہے۔

(۲) تاریخ الخلفاء: سیوطی ص: ۱۵۴۔

(۳) ہم یہ جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے صرف ایک واقعی حالت اور نفس الأمری سرگزشت اس زمانے کی بتانا چاہتے ہیں تاکہ قدیم الاسلام کا نقشہ دکھلائیں اور یہ کہ تقلید شخصی کا مذہب کب سے شروع ہوا۔ لہذا ہمارے کلام پر اس اعتراض کے وارد کا کوئی موقع نہیں کہ اس زمانے میں تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ قرب زمانہ کی وجہ سے سب واقف تھے یا یہ کہ اس زمانے میں تقلید شخصی اس وجہ سے نہ ہوسکتی تھی کہ اس وقت تک کسی کا مذہب مدون نہ ہوا تھا کہ اُس کا حاصل کرنا آسان ہوتا اور سب کو اُس کا پابند کیا جاتا۔ لہذا اس زمانے میں تقلید شخصی نہ ہونے کے خاص وجوہ تھے۔ پس اس زمانے کا ذکر فضول ہے۔ کیونکہ اس اعتراض کا اگر موقع تھا تو اسی وقت تھا کہ ہم اس زمانے میں تقلید نہ ہونے کو اس زمانے کی تقلید کے عدم جواز پر بطور استدلال کے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ چونکہ اس زمانے میں تقلید شخصی نہ تھی، لہذا اس زمانے میں بھی نہ ہونی چاہئے۔ پس اس کے جواب میں اُس زمانے اور اِس زمانے کا فرق دکھایا جاتا۔ علاوہ اس کے یہ اعتراض فی نفسہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ تابعین وتبع تابعین اور زمانہ مابعد کے لوگ جنہوں نے خود پیغمبر صاحب (ﷺ) سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کسی نہ کسی کے ذریعہ سے احکام شرعی کو معلوم کرتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب کے سب عالم ومجتہد نہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مسائل میں اختلاف زمانہ صحابہ ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس وقت تقلید کی ضرورت ہے اور اُس وقت نہ تھی جو اس وقت کا حال ہے وہی اس وقت کا حال تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت تھوڑے واسطوں سے پیغمبر صاحب (ﷺ) تک سلسلہ پہنچ سکتا تھا اور زمانۂ بعد میں زائد سے۔ اور مدون نہ ہونے کا عذر بھی غیر صحیح ہے۔ اگر تقلید کی جاتی تو جس مجتہد کی تقلید کی جاتی اس کے عندیے اور مذہب کی سب ہی کو تلاش ہوتی اور سب ہی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے پس ایک کو دوسرے سے بآسانی معلوم ہوتا رہتا اور سب اپنے حوادث وواقعات میں اس پر عمل کرسکتے۔ آخر پیغمبر صاحب (ﷺ) کے فرمان وارشادات بھی تو مدون نہ تھے۔ پھر ان پر کیسے سب کے سب عمل کرتے تھے۔-----

صحابہ (رضی اللہ عنہم) **وتابعین** (رحمہم اللہ) سب کا دستور یہی رہا۔ اپنے آپ کو مسئلہ معلوم ہوا، اس پر عمل کیا، نہ معلوم ہوا جس سے معلوم ہوگیا عمل کرلیا۔ جس سے اتفاق پڑا، دریافت کرلیا۔ کسی کی کوئی تخصیص یا قید نہ تھی۔ ہر شخص اپنے شوق وتوفیق کے موافق احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معلوم کرنے میں جہاں سے اور جس سے ملتیں حصہ لیتا اور اس پر عمل کرتا۔ ان کا طریقہ تھا **عمل بالحدیث**۔ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف [۱] میں تحریر فرماتے ہیں: ''صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور تابعین سے بطور تواتر کے ثابت ہے کہ اُن کو جب کوئی حدیث پہنچتی تھی تو بلا کسی شرط کے وہ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔'' انتہی۔ اور سب کے سب ایک ہی روش پر تھے، گو بعض مسائل میں اختلاف بھی تھا مگر فرقے ومذہب علیحدہ علیحدہ قائم نہ تھے، اور جیسے وہ لوگ عمل میں ایک سیدھے اور صاف طریقہ (عمل بالحدیث) پر تھے۔ اسی طرح اس وقت میں عقائد کی سطح بھی نہایت ہی مستوی وہموار تھی۔ قرآن وحدیث میں صفاتِ الٰہی اور امور آخرت وغیرہا عقائد کے متعلق جو کچھ وارد ہوا، اس کے ظاہر کے موافق عقیدہ رکھتے تھے، اور زبان سے اُس کا اقرار کرتے تھے اور اُس کی کیفیت وتفصیل میں اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں

----حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانے میں اشاعت علم کے ذرائع بہت پیدا کئے تھے۔ جابجا علماء تعلیم کے لئے مقرر کئے۔ برابر بذریعہ خط وکتابت اطراف ممالک میں علمی مضامین پہنچایا کرتے تھے۔ دیکھو: کتب تراجم وتذکرے اور الفاروق شبلی نعمانی حصہ دوم۔ جس میں انہوں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا بانی فقہ اور اصول فقہ ہونا تسلیم کیا ہے (ص: ۲۱۶) اور لکھتے ہیں: ''چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہوجانے کے یہ نشر واشاعت ممکن نہیں۔'' (ص: ۱۳۳) اور لکھتے ہیں: فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے بروایات صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں۔'' (بحوالہ إزالۃ الخفاء: شاہ ولی اللہ، ص: ۲۳۵، مطبوعہ نامی پریس کانپور) الغرض تقلید شخصی کی اگر اس وقت ضرورت ہے تو اُس وقت بھی تھی اور اگر تقلید شخصی اختیار کی جاتی تو کوئی وجہ اس کے نہ ہوسکنے کی نہ تھی۔ پس اعتراض مذکور غیر صحیح ہے۔

(۱) ص: ۶۰، عبارت یہ ہے: **وقد تواتر عن الصحابة والتابعين أنهم كانوا إذا بلغهم الحديث يعملون به من غير أن يلاحظوا شرطاً۔ انتهى۔**

کرتے تھے۔اس وقت تک عقائد کے متعلق جو باتیں مذکور ہیں، نہ ان میں کوئی موشگافیاں پیدا ہوئی تھیں اور نہ تاویلیں پیدا کی گئی تھیں۔غرض **اعمال وعقائد** ہر ایک کی طرف سے سب مسلمان ایک ہی جماعت تھی اور پورے طور پر {وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا} (مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔[1]) کے مصداق ہو رہے تھے جو کہ شارع کا مقصود اصلی ہے۔

مذہب شیعہ کی ابتداء:

اسلام میں سب سے اول خلاف جس کی بنا پر تفرق ہو کر اور مذہبی خلاف ٹھیر کر آئندہ کے لئے مذہباً ایک علیحدہ فرقہ قائم ہو گیا' یہ ہے کہ بزمانہ **خلافت**[2] **حضرت عثمان** (رضی اللہ عنہ) ایک یہودی تھا، عبداللہ بن سبا نامی، معروف بابن السوداء۔وہ مسلمانوں کے شہروں میں آ کر مسلمانوں کو بہکایا کرتا تھا۔مگر جب اُس کی کچھ پیش نہ گئی تب وہ ایک داؤ چلا۔پہلے مسلمان بنا اور ۳۳ھ میں بصرہ کے اندر آ کر ٹھہرا اور لوگوں سے اختلاط پیدا کیا، اور اُن کو چند نئے قسم کے مسائل (صاف صاف نہیں بلکہ مجمل طرز سے دلپذیر الفاظ میں) سکھانا شروع کئے۔بصرہ کے حاکم تھے **عبداللہ بن عامر**۔رفتہ رفتہ ان کو خبر پہنچی۔اُنہوں نے اس کو طلب کیا، اور اُس سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: اہل کتاب میں سے تھا۔دین اسلام پسند آیا، مسلمان ہو گیا ہوں، اور تمہاری حدودِ مملکت کے اندر رہنا اچھا معلوم ہوا، اس واسطے یہاں آ کر رہنے لگا۔پھر انہوں نے اس کے مسائل کی تحقیقات کی۔ان کو جعلی پا کر اس کے اخراج کا حکم دیا۔وہاں سے نکل کر کوفہ میں جا کر

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۰۳۔یعنی ایک ہو کر رہو فرقے فرقے نہ بنو۔

(۲) خبیئۃ الأکوان فی افتراق الأمم والأدیان، (ص: ۱۰۴-۱۰۵) از نواب صدیق حسن خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نیز دیکھئے: علامہ مقریزی کی کتاب الخطط والآثار ص: ۱۴۷، ج: ۴۔(ع۔ح۔)

رہا۔ وہاں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ تب مصر میں اقامت اختیار کی اور وہاں بھی وہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ لوگوں سے کہا: بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) دوبارہ دنیا میں آویں گے اور یہ صحیح نہ ہو کہ (ہمارے پیغمبر) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دورباہ دنیا میں آویں۔

بعض لوگ اُس کی یہ بات مان گئے اور یہ رجعت کا مسئلہ قائم ہوا۔ پھر لوگوں سے بیان کیا کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی وصی ہوتا ہے (اور ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھی کوئی ضرور وصی تھا)، وہ علی (رضی اللہ عنہ) بن ابی طالب ہیں اور وہی مستحق خلافت ہیں، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وصیت کو جاری نہ ہونے دے۔ اور عثمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو بلا استحقاق خلیفہ ہو گئے۔

غرض اس نے فساد اٹھانے کی غرض سے شیخین (رضی اللہ عنہما) اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے لوگوں کو بدظن و بدعقیدہ کرنا چاہا اور اُس میں بہت کچھ سعی کی، اور جا بجا اپنے بھیدی مقرر کئے کہ انہوں نے رفتہ رفتہ ہر جگہ کے لوگوں کے دلوں میں وہاں کے عُمّال اور حاکموں کا ظالم ہونا جمایا (تا کہ مسلمانوں میں فساد برپا ہو اور بغاوت قائم ہو) حتیٰ کہ تمام بلاد سے ایک شور اُٹھ کر دار الخلافہ مدینہ منورہ کو پہنچا، جس کا (بعد ایک طویل قصہ کے) انتہائی انجام یہ ہوا کہ ملک میں بغاوت قائم ہوئی اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ۳۵ھ میں شہید کئے گئے۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن)۔

اگرچہ اس بغاوت اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی اور بھی مؤید باتیں پیدا ہو گئی تھیں مگر اصلی اور بڑا سبب ابن السوداء کا اندرونی فساد تھا۔ ابن السوداء جو اسلام کا سخت بدخواہ تھا اور اسلام کے اندر فتنہ انگیزی چاہتا تھا اپنی چال میں خوب کامیاب ہوا، اور اس کے ان جعلی مسائل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہب علیحدہ قائم ہو گیا، اور جماعت عظیم اُس کی قائل ہو

کر مذہباً ایک دوسرا فرقہ ٹھہری، جن کا نام شیعہ یا رافضی ہوا۔ اس مذہب کی بنیاد تو ابن السوداء سے قائم ہوئی اور اُسی وقت سے تشیع شروع ہوا۔ مگر وقتاً فوقتاً اُس میں جیسی ترقی ہوتی گئی، شاخیں پھوٹتی گئیں۔ چنانچہ اب شیعوں کے بڑے بڑے [1] بیس فرقے ہیں۔ اور ویسے تو تین سو تک نوبت پہنچ گئی۔

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بعد جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے، روافض [2] میں کا ایک غالی فرقہ پیدا ہوا۔ جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حد سے متجاوز محبت کا دعوے رکھتا تھا۔ اِن کو حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) نے سخت عذاب دے کر جان سے مارا۔ اس بات کی کہ علی (رضی اللہ عنہ) وصی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے تکذیب کی۔ جیسا کہ ابن عساکر [3] کی روایت میں مصرح مذکور ہے، مگر ابن السوداء کی تو غرض ہی اور تھی۔

افسوس تو ان پر ہے، جو اس کی اصلی غرض سے بے خبر رہ کر اس کے دام میں مبتلا ہو گئے اور ابن السوداء نے اہل بیت کی محبت کی ٹٹی میں شکار کھیلا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کسی مذہب کو مقبولیت نہیں ہو سکتی اور نہ لوگ اس کو مان سکتے ہیں، جب تک کہ وہ خوشنما بنا کر نہ دکھایا جائے اور اس میں کوئی نہ کوئی بات عام پسند اور دل گیر نہ ہو، اسی وجہ سے ان تمام مذاہب میں جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے، کوئی بات ایسی ضرور دکھائی گئی، جو دلپذیر اور لوگوں کو قابو میں لانے والی [4] ہو۔ مذہب تشیع میں اہل بیت کی محبت اور ان کی حق رسی کو آگے رکھ لیا۔ اور کچھ

---

(۱) افتراق الأمم، ص: ۱۱۴۔

(۲) جن لوگوں کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے جلا دیا (أخرجہ البخاری والترمذی وغیرہما) لمعات وغیرہ میں ان سے یہی لوگ مراد بتائے ہیں۔ جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہی کو (نعوذ باللہ) رب بتاتے تھے۔ اور دیکھو: فتح الباری، پارہ: ۲۸، ص: ۴۲۷۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۵ تا ۱۷۶۔

(۴) مذہب تقلید میں جو بات خوش آیند اور عام پسند ہے، جس سے وہ عموماً خوش منظر اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے، اپنا غایت انکسار و تواضع اور اس عالم کی جس کی تقلید کی جائے نہایت تعظیم اور اس کے ساتھ بے حد حسنِ ظن یعنی یہ کہ قرآن---

سک نہیں کہ اسی ملمع کاری والی باتیں جو ”کلمۃ حق أرید بہا الباطل“ (یعنی بات تو صحیح ہے مگر نتیجہ غلط پیدا کیا گیا۔) کے مصداق ہیں، محققانہ نظر سے دیکھنے والے اور اس طرزِ عمل کے پرکھنے والے کے سامنے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کبھی چھپ نہیں سکتیں چونکہ تشیع کی ابتداء ابن السوداء سے ہے، اور اس کی قیام گاہ تھی مصر، اس لئے تشیع کا زور[1] مصر سے اٹھا اور وہ مصر میں بہت غالب رہا حتی کہ ۵۶۴ھ میں سلطان **صلاح الدین** نے دولت اسماعیلیہ کو نیست و نابود کر کے مصر کو تشیع سے صاف کیا۔ تشیع نے زمانہ مابعد میں بے حد ترقی کی اور اس کے فتنہ نے اسلامی دنیا کو باہم جنگ و جدال پیدا کر کے سخت سخت نقصان پہنچائے۔[2]

باطل فرقے اور ان کے حدوث کے اسباب:

جیسا کہ ہم نے تشیع کی ابتداء بیان کی، اسی طرح اور تمام مذاہب اور فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں، وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے۔ مثلاً[3] ۳۷ھ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی

---وحدیث کو وہی خوب سمجھتے تھے اور اسرار شریعت سے واقفیت انہیں کا حصہ تھا۔ اجتہاد و استخراج مسائل و فہم قرآن وحدیث انہیں کا کام تھا۔ جو کر گئے ہم کو کہاں ایسا علم یا لیاقت یا سمجھ کہ ہم قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں یا اُن کی باتوں میں دخل دیں۔ اگر ہم اُن کی کسی بات کو ضعیف یا مرجوح کہیں تو ہماری مثل وہی ہے ’چھوٹا منہ بڑی بات‘ ان کا علم بہت وسیع تھا۔ ان کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف ہونا، دوراز عقل ہے۔ ہم لوگ جاہل و بے علم ہیں۔ ہم کو تو انہیں کی تقلید چاہئے۔ غرض اپنا انکسار اور اُن کی کمال عظمت کا اظہار۔ اسی وجہ سے اپنے فریق مخالف کو گستاخ متکبر بتاتے ہیں۔ اگرچہ اپنا انکسار اور ائمہ کی تعظیم نہایت مستحسن امر ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ تحقیق حق کے موقع میں اگر اسی کو پیش نظر رکھا جائے تو کبھی حق دریافت نہیں ہوسکتا۔ یہی طرز عمل اگر ہمیشہ برتا جاتا تو کبھی کوئی متاخر عالم اپنے متقدم کا خلاف نہ کرتا۔ اس کے علاوہ ہم نہیں سمجھ سکتے جب وہی علماء جن کے ساتھ حسنِ ظن ہے، باہم مختلف ہیں تو اب ہم کو کیا کرنا چاہئے درآنحالیکہ یہ بھی یقین ہے کہ حق پر عند اللہ ان میں سے ایک ہی ہے۔

(۱) افتراق الأمم، ص: ۱۰۴ تا ۱۰۵۔

(۲) دیکھو: کتاب تواریخ۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۳۔ افتراق الأمم، ص: ۱۱۷-۱۲۰، فتح الباری، پارہ: ۲۸، ص: ۴۳۴، باب قتال الخوارج۔

باہم فوج کشی ہوئی اور آخر میں دو پنچوں کی پنچایت پر فیصلہ ٹھہرا۔ اس موقع پر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے لشکر کے کچھ لوگ تحکیم (پنچایت) کے مسئلے کے مخالف ہو کر علیحدہ ہو گئے اور اس میں انہوں نے سخت تشدد اختیار کیا اور فرط تشدد کی وجہ سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھ والوں کو مشرک وکافر کہنے لگے اور مضمون آیت ''إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّٰهِ'' سے استدلال کیا۔ یہ لوگ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے اور اُن کے جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قصاص کے مطالبہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے لڑے پہلے ہی سے سخت مخالف تھے اور اب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے بھی مخالف ہو گئے اور حروراء میں جا کر ایک علیحدہ اپنی جماعت قائم کی۔ یہ لوگ **خارجی** کہلائے۔ یہاں سے خارجیوں کے مذہب کی ابتداء ہوئی اور وقتاً فوقتاً اُن کے مذہب میں اضافے ہوتے رہے اور نئے نئے مسائل داخل ہوتے گئے، اب ان میں بھی کوئی بیس فرقے ہیں۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اُن کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ اکثر ان میں کے تو سمجھ گئے اور اپنے خیالات سے رجوع کر کے واپس آ گئے اور کچھ اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ آخر اُن سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بمقام نہروان میں قتال کیا، جن کے بارے میں پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وہ پیشین گوئی، جس میں ایک ایسی جماعت نکلنے کی خبر ہے، جو قرآن کو خوب تلاوت کریں گے اور بڑی طویل طویل نمازیں پڑھیں گے مگر ایمان سے بے بہرہ ہوں گے، پوری[1] ہوئی۔

---

(۱) <u>حدیث کا غلط انطباق:</u>

صحیح بخاری باب من ترک قتال الخوارج للتّألُّفِ میں ہے۔ ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (کچھ) مال تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ کا ایک شخص ذوالخویصرہ کا بیٹا عبداللہ نامی آیا (صحیح بخاری، کتاب المغازي، باب بعث علي میں ہے آنکھیں اُس کی دھنسی ہوئیں، گالوں کی ہڈی اُٹھی ہوئی۔ پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی گھنی، سر گھٹا ہوا، تہمد اونچا) اور کہنے لگا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): انصاف سے بانٹو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)---

---نے جواب دیا: افسوس میں انصاف نہ کروں گا، تو پھر کون کرے گا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: مجھ کو اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جانے دو۔ فرمایا: اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے۔ (كتاب المغازي والی روایت میں ہے اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی) جن کی نماز کے سامنے تم اپنی نماز کو اور روزے کے سامنے اپنے روزے کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوں گے، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے صاف نکل جائے (بعض روایت میں بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کریں گے) ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ہوگا کہ ایک ہاتھ اس کا مثل پستان عورت کے (گوشت کا لوتھڑا) ہوگا، (ایک دوسری روایت میں ہے عضلہ بلا ذراع کے ہوگا، عضد کے کنارے سر پستان کی طرح ہوگا اور اُس پر سفید بال ہوں گے) یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب (مسلمان) لوگوں میں پھوٹ ہو رہی ہوگی (صحیح مسلم میں ہے جب میری امت دو فریق ہو رہی ہوگی، ان کے قتل میں مشغول وہ فریق ہوگا، جو ان دونوں فریق میں زیادہ حق کے قریب ہوگا۔ طبری کی روایت میں علامت اُن کی سر منڈانا بھی بتائی ہے۔) صحیح بخاری کے باب قتال الخوارج میں بروایت حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس طرح ہے کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: عنقریب آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی۔ نئی عمر والے۔ عقل کے کوتاہ۔ قرآن سے (دلیل پکڑ کر بات کریں گے، مگر اُن کا ایمان اُن کی گردن کی ہنسلیوں سے تجاوز نہ کرے گا۔ الخ۔ ابوسعید کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث پیغمبر صاحب (ﷺ) سے سنی اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو قتل کیا، اور میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ (مقاتلہ میں) شریک تھا اور وہ شخص بھی ان میں پایا گیا، اسی حلیے کے مطابق جیسا کہ پیغمبر (ﷺ) نے بتایا تھا۔ (طبری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے سامنے اس حلیہ کے شخص کے مقام نہروان میں قتل ہونے پر پچاس آدمیوں نے گواہی دی۔ صحیح مسلم میں ہے جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حروراء والے مقابل ہوئے، تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بیان فرمایا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) ایک قوم کی بابت پیشین گوئی فرما گئے ہیں، بلا شبہ وہ باتیں میں ان میں پاتا ہوں الخ۔ سہل بن حنیف بھی اس پیشین گوئی کا مصداق انہیں خوارج کو بتاتے تھے۔ الحاصل اس سے کوئی اہل علم انکار نہیں کر سکتا کہ اس پیشین گوئی کے مصداق خوارج ہیں اور یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ چنانچہ شراح حدیث برابر اس کی تشریح کرتے آئے اور آخر زمانہ کا لفظ جو بعض روایت میں وارد ہوا، اس سے مراد آخر زمانہ خلافت راشدہ ہے۔ چنانچہ خوارج کا قصہ خلافت راشدہ کے (جس کی کل مقدار تیس سال بتائی گئی ہے) اٹھائیسویں سال واقع ہوا، علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمہ اللہ) اسی معنی کو پسند کرتے ہیں۔ (فتح الباری، پارہ: ۲۸، ص: ۴۳۶، ج: ۶) ہم کو بعض حضرات پر سخت تعجب ہے کہ وہ اس حدیث کے بعض ٹکڑوں کو لے کر عوام کو غلطی میں ڈالنے کے لئے اہل حدیث کو اِس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور اہل حدیث کے رد میں اس قسم کی احادیث پیش کرتے ہیں، اول تو اہل حدیث کا مذہب اُسی دن سے ہے جس دن سے اسلام ہے۔ پھر آخر زمانے میں نکلنے کے کیا معنیٰ۔ دوسرے جو علامتیں اس حدیث میں بتائی گئی ہیں، ان سے اہل حدیث کو ذرا بھی تعلق نہیں اور تحلیق کے مسئلہ کی تو بعض علماء اہل حدیث نے بالکل ہی مخالفت کی---

خارجیوں [۱] میں کے ایک شخص نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو ۴۰ھ میں شہید کیا۔

بزمانہ [۲] خلافت **عبدالملک** بن مروان بصرہ میں ایک شخص معبد بن خالد جہنی ظاہر ہوا، جس نے تقدیر کا انکار کیا۔ یہاں سے **قدریوں** کی ابتداء ہوئی۔ بصرہ کے بہت لوگ اس کے تابع ہوگئے، جب فتنہ زائد بڑھا تو ۸۰ھ میں **حجاج** نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے اُس کو سولی دی۔ مگر وہ تو ایک فرقہ قائم ہو چکا تھا، جو باقی رہا۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو جب اِن لوگوں کے عقیدہ کی خبر پہنچی تو بہت کچھ ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کی۔

اسی طرح [۳] اخیر صدی پر ایک شخص بلاد مشرقیہ میں سے جہم بن صفوان نامی ظاہر ہوا، جس نے صفات الٰہی کا انکار کیا۔ یہاں سے مذہب **جہمیہ** قائم کیا اور اسی طرح [۴] ہجرت سے دو صدی بعد مذہب **اعتزال** شروع ہوا۔

غرض اسی طور سے وقتاً فوقتاً یہ تمام **مذاہب** وفرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں، پیدا ہوتے گئے اور ابتداء تو ان کی کسی کی بدباطنی یا چالاکی یا خودغرضی یا تعصب یا غلط فہمی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے ہوئی مگر آہستہ آہستہ اس کو ترقی ہوتی رہی اور تھوڑے بہت لوگ اس میں مبتلا ہوتے رہے۔ حتی کہ رواج نے تھوڑے دنوں کے بعد ایک مستقل مسلک اور پورا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ رواج یافتہ بات کی ابتدائی حالت کچھ ہوتی ہے اور ترقی و رواج کے بعد وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔

--- ہے، ۔فتح المبین کے ضمیمہ میں بھی یہ اور اِس قسم کی اور کئی حدیثیں اور بعض بالکل بے پتے اہل حدیث پر تھوپ دیں ۔افسوس کہ ہم مفصل جواب کی اس مقام پر گنجائش نہیں پاتے۔

(۱) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۴۔

(۲) افتراق الأمم، ص: ۱۲۰۔

(۳) افتراق الأمم، ص: ۱۲۱۔

(۴) افتراق الأمم، ص: ۱۲۱۔

جس سے اصلی حقیقت اس کو نامعلوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کا رسم و رواج اس کے پیروؤں کو دکھاتا ہے کہ یہی مذہب قدیم ہے اور یہی اصلی اور صحیح طریقہ ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بات کسی خاص مصلحت یا کسی مناسب وجہ کی بنا پر شروع ہوتی ہے اور بعد رواج کے اس کی اصل منشا تو نظر انداز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ایک مستقل صورت قائم کر لیتی ہے۔ یہ نئے نئے مذاہب جو پیدا ہوئے، صحابہ (رضی اللہ عنہم) تو ان سے محفوظ رہے۔ مگر بعض بعض بدعات ان کے سامنے شروع ہو گئی تھیں، جس کے رد کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

اہل سنت کا طرز عمل:

اسی طرح تابعین اور تبع تابعین بھی جو قدم بقدم صحابہ (رضی اللہ عنہ) کے اس اصلی وسیدھے راستہ پر چلے آتے تھے، ان کا رد کرتے رہے۔ جو ان مستحدث فرعون کے مقابلے میں [۱] **اهل السّنّة والجماعة** کہلائے۔ باقی ان اہل سنت کا اصول (عقائد) وفروع (اعمال) میں وہی طریقہ تھا جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

چھوٹے [۲] بڑے سب **قرآن وحدیث پر عمل** کا قصد رکھتے تھے، اور جس کو جس عالم سے

---

(۱) شرح عقائد نسفی مطبوعہ نولکشور، ص: ۵ وغیرہ۔ نیز شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی (رحمہ اللہ) غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: فعلى المؤمن إتباع السنة والجماعة فالسنة ما سنة رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) والجماعة ما اتفق عليه أصحاب رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم)۔ (مطبوعہ لاہور، ص: ۱۹۶) یعنی سنت سے مراد سنت رسول ہے اور جماعت سے مراد جماعت صحابہ۔ اور توضیح تلویح میں ہے: أهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة الرسول (صلى الله عليه وآله وسلم)۔ (مطبوعہ نولکشور، ص: ۲۵۴) یعنی اہل سنت والجماعت وہ ہیں جن کا طریقہ طریقۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔

(۲) چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔ علامہ قاضی شوکانی یمانی القول المفید میں تحریر فرماتے ہیں: ''ہر عالم جانتا ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کے نام کے مذہب کی طرف منسوب تھے بلکہ ناواقف لوگ عالم سے حکم شرعی جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہو دریافت کرتے تھے۔ اور علماء حکم شرعی کو لفظاً یا معناً روایت کر کے فتوی دیتے تھے، لہٰذا ان کا عمل روایت پر ہوتا (نہ کسی کی) رائے پر۔'' عبارت یہ ہے : وقد علم---

اتفاق پڑتا مسئلے کی تحقیق کرلیتا۔ نہ کسی کی تخصیص تھی، نہ کسی مولوی، امام [1] کے نام کا مذہب مقرر تھا۔ اور اس زمانے کا علم بھی زبانی تھا، جس کے خزانے انہیں کے سینے تھے۔ مدینہ کے تابعین میں سے [2] سات اماموں نے باعتبار کثرت علم و خدمت افتاء کے بہ زائد شہرت پائی۔ جو فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ائمہ و مجتہدین کی کثرت:

ان کے سوا اور بہت سے انہیں کے وقت میں امام و مجتہد تھے۔ صحابہ اور تابعین، اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے ہم عصر اور ان کے بعد کے زمانہ میں جس قدر امام و مجتہدین طبقةً بعد طبقة (جو مقتدائے وقت اور مرجع خلائق تھے) گزرے ہیں، ان کا شمار تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جس نے تاریخ الإسلام للذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ کامل ابن الأثیر۔ تاریخ ابن خلکان۔ فوات الوفیات۔

---کل عالم أنهم (وأهل القرون الثلاثة) لم يكونوا مقلدين ولا منتسبين إلى فرد من أفراد العلماء، بل كان الجاهل يسأل العالم عن الحكم الشرعي الثابت في كتاب الله وسنة رسوله فيفتيه به ويرويه له لفظا أو معنى فيعمل بذلك من باب العمل بالرواية لا بالرأي، انتهى۔ تبع تابعین کا زمانہ دو صدی ہجری کے بعد تک رہا ہے۔ چنانچہ آگے ان شاء اللہ مفصل آئے گا۔

(۱) لفظ امام کی تحقیق:

امام کے معنی لغت میں پیشوا کے ہیں۔ عرب میں بڑے عالم کو امام بولتے ہیں۔ ہر ملک کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، جیسے: بنگالہ میں بڑے عالم کو مولانا کہتے ہیں اور افغانستان میں ملاّ۔ عرب سے نکل کر امام کا لفظ اور ملکوں میں بھی مستعمل ہوا لیکن عوام کی نظروں میں اب وہ ایک ایسے عہدہ کا نام ہو گیا۔ جس کا محل سوا متقدمین کے چند اشخاص مخصوصہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور ضرور اب کسی پر بولا جا سکتا ہے، گویا وہ ایک ایسے مرتبہ کا نام ہے جو ختم ہو چکا۔

(۲) نامی ان کے یہ ہیں: ۱-سالم بن عبد اللہ۔ ۲-خارجہ بن بن زید۔ ۳-عروہ بن زبیر۔ ۴-سلیمان بن یسار۔ ۵-سعید بن المسیب۔ ۶-قاسم بن محمد۔ ۷-عبید اللہ بن عبد اللہ ہذلی۔ اور بعض نے بجائے سالم کے ابوسلمہ بن عبد الرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف کو۔ اور بعض نے ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث کو شمار کیا ہے۔ دیکھو: ''خلاصة تذهيب تهذيب الكمال''۔

تاریخ ابن الوردی۔ طبقات ابن رجب۔ نفح الطیب للمقری۔ الدرر الکامنۃ لابن حجر۔ کتاب ابن الدباغ۔ کتاب ابن المفضل۔ کتاب الحافظ ابن حجر المسمیٰ بہ انباء الغمر۔ کتاب ابن فہد مکی۔ کتاب الشیخ جلال الدین سیوطی۔ البدر الطالع وغیرہا، دیکھی ہیں وہ جانتا ہے، امتِ محمدیہ میں ایک ایک وقت میں کتنے کتنے مجتہد امام گزرے ہیں، جنہوں نے دین کی خدمتیں کیں اور پیشوا بنے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امام ایسے گزرے ہیں (یہ بھی ہمارے پیغمبر صاحب (ﷺ) کا ایک معجزہ ہے کہ ان کی امت میں اس قدر اور ایسے ایسے عالم ہوئے) جو اجتہاد کے بڑے بڑے پایہ پر پہنچے اور بہت سے صاحب مذہب مستقل کہلائے۔ (مگر جن کا زمانہ مساعد ہوا اور اسباب موافق مہیا ہو گئے اُن کا نام آگے کو بھی چلا اور عوام وخواص سب نے اُن کو جانا، اور جن کو یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں، نہ وہ آگے کے لئے مشہور ہوئے اور نہ سوا خواص کے عموماً لوگ اُن سے واقف ہوئے، بلکہ عام لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سوا ان کے جن کو ہم جانتے ہیں اور کوئی امام نہیں ہوا اور یہی ساری دنیا کے لئے امام کرکے بھیجے گئے) ان اماموں کے اگر ہم صرف نام ہی شمار کرانا چاہیں تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہیئے مگر اس موقع پر ملخص طبقات ذہبی سے اجمالی مضمون اس کے متعلق نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتے۔

امام ذہبی نے طبقات کے پہلے طبقہ میں حفاظ صحابہ کو اور سب سے پہلے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو ذکر کیا، پھر طبقہ ثانیہ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں: اس قرن فاضل میں اہل علم اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کی ایک خلق عظیم تھی اور کیا عجب جن کو ہم نے ذکر کیا اور علماء ان سے بھی زیادہ علم والے اور بڑھ کر ہوں جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ اس وقت اسلام غالب اور زور پر تھا اور تمام روئے زمین پر پھیل گیا تھا۔ اور بلاد ترک اور اقلیم اندلس عرضِ تسعین تک خلافت ولید میں فتح ہو گئے تھے۔ تمام امت انہیں کے زیر حکم تھی۔ ان کی کثرت اموال وجیوش اور قوۃ سلطنت اور فراوانی خزانہ کا حال

لکھ کر **طبقۂ ثالثہ** کا ذکر کیا، یہ طبقہ جماعت وسطی تابعین کا ہے۔ اسی میں ابوالشفاء جابر بن زید کو ذکر کر کے ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔ ان کی حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے طواف میں ملاقات ہوئی۔ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے ان سے کہا: ''اے جابر! تم بصرہ کی جماعت علماء میں سے ہو، تم سے فتوے پوچھے جاتے ہیں تو بغیر قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دیا کرو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تم خود بھی ہلاک ہوگے اور دوسروں کو بھی ہلاک کروگے''۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس وقت مملکت اسلام میں علماء تابعین بہ تعداد کثیر موجود تھے اور اُن کے نام بھی بتائے۔ پھر **طبقۂ رابعہ** کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس طبقہ کے زمانے میں دولت اسلام بنی امیہ سے ۱۳۲ھ میں نکل کر عباسیوں کے ہاتھ میں گئی۔ اس انقلاب میں خون کی ندی نالے بہہ گئے، اور خراسان اور عراق اور شام وغیرہ میں ایک عالم تہ تیغ ہوا، جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے اور فلاں فلاں علماء نے وفات پائی جو حفاظ وقت وفقہائے زمانہ تھے۔

اور لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں بصرہ میں اعتزال اور مذہب قدریہ ظاہر ہوا۔ اور خراسان میں مقاتل بن سلیمان نکلا جس نے صفات الٰہی کے اثبات میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ جسمیت تک نوبت پہنچا دی۔ (یہاں سے مذہب **مجسمہ** کا شروع ہوا) اور ان مبتدعین کے مقابلہ پر علماء تابعین اور ائمہ سلف کھڑے ہوئے اور لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلاء ہونے سے روکا۔

تدوین حدیث کی تاریخ:

اور علماء کبار نے **تدوین سنن** (حدیث) اور جمع فروع (مسائل) اور تصنیف عربیہ (فنون ادب) شروع کی۔ پھر (آگے بڑھ کر) یہ (سلسلہ تالیف وتصنیف) **ہارون رشید** کے زمانہ میں ترقی پکڑ گیا اور لغت کی کتابیں بنیں اور علماء کا حفظ (پر جو مدار تھا) گھٹنے لگا۔ کیونکہ اب کتابوں پر بھروسہ ہونے لگا۔ اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں رہا کرتا تھا۔ اور سینے ہی اُن کے علم کے خزانے

تھے۔ پھر طبقہ خامسہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ صاحب کو ذکر کیا اسی میں ابن جریج، سفیان ثوری کو بھی گنا۔ اس طبقہ میں کچھ اوپر ستر امام شمار کرائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: میں نے اتنے ہی اماموں پر اختصار صرف بغرض تخفیف کیا (ورنہ امام اس طبقہ میں ان کے سوا اور بھی تھے)۔ ذہبی نے جو اس موقعہ پر تدوین کتب کی طرف اشارہ کیا۔ مناسب ہے کہ ہم بھی کچھ او مختصر تفصیل یہاں پر ذکر کر دیں۔

مؤلفین حدیث:

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء [1] میں امام ذہبی کا ایک قول بابت واقعات سنہ ایک سو تینتالیس کے ذکر کرتے ہیں۔ ذہبی فرماتے ہیں: ''اس وقت ۱۴۳ھ میں علماء اسلام نے تدوین حدیث وفقہ وتفسیر شروع کی تو مکہ میں تصنیف کرنے والے ابن جریج تھے اور مدینہ میں (امام مالک صاحب) نے مؤطا تصنیف کیا۔ اور شام میں اوزاعی اور بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہما، اور یمن میں معمر اور کوفہ میں سفیان ثوری اور ابن اسحاق نے مغازی جمع کی اور (امام) ابوحنیفہ نے فقہ ورائے [2] کو جمع کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ہشیم اور لیث اور ابن لہیعہ نے تصنیفات کیں، پھر ابن مبارک اور ابو یوسف اور ابن وہب نے (کتابیں لکھیں) تدوین کتب اور ترتیب ابواب کی کثرت ہوئی، کتب عربیت ولغت وتاریخ جمع کی گئیں، اس سے پہلے ائمہ اپنی

---

(۱) دیکھو ص: ۲۶۳، جلال الدین سیوطی نے کتاب الوسائل إلی معرفة الأوائل میں بھی اس کی شرح لکھی ہے اس میں ابن حجر اور عراقی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لوگ (مالک، اوزاعی، وغیرہ) ایک ہی وقت میں تھے۔ نہیں معلوم سب سے پہلے کس نے تصنیف کی، مگر یہ ایک سو چالیس سے کوئی برس اوپر میں ہوا۔

(۲) رائے سے یہ مطلب نہیں کہ محض اپنی رائے وعقل سے دین بنا دیا۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات ہے، جس کو کوئی مسلمان نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ ان جیسے امام کہ جن کے علم وتقویٰ سے دنیا واقف ہے بلکہ اس کے معنی غالباً وہی مقصود ہیں جو آئندہ ہم اہل الرائے کی تحقیق میں لکھنے والے ہیں۔

اپنی یاد پر کلام کیا کرتے تھے یا غیر مرتب پرچوں سے روایت کرتے تھے۔" حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمہ[1] فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں۔

احادیث نبویہ، پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ اور کبار تابعین کے زمانے میں کتابیں بنا کر مدون و مجتمع نہ کی گئی تھیں دو وجہ سے، اول تو یہ کہ شروع شروع حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس مضمون کی حدیث مذکور ہے۔ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ کہیں قرآن وحدیث میں اختلاط نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ ان لوگوں کی قوت حافظہ اور سیلان ذہن ہے (اس وجہ سے اُن کو لکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ ویسے ہی ان کا کام بآسانی چلتا تھا) اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اکثر وہ لکھنا جانتے بھی نہ تھے۔ پھر اخیر زمانۂ تابعین میں جب کہ علماء دور دراز ممالک میں منتشر ہوئے اور بدعات روافض وخوارج ومنکران تقدیر زائد ہوئیں، تو تدوین آثار اور تبویب اخبار شروع ہوئی۔ پس سب سے اول جمع کرنے والے حدیث کے ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیر ہما ہیں۔ یہ ہر ہر باب کو علیحدہ لکھتے تھے۔ پھر کبار طبقہ ثالثہ[2] (تبع تابعین) اٹھے، انہوں نے احکام کو جمع کیا۔ چنانچہ (مدینہ میں) امام مالک (رحمہ اللہ) نے مؤطا لکھا۔ جس میں اہل حجاز کی قوی قوی حدیثیں لانے کا قصد رکھا۔ اور ان کے ساتھ صحابہ وتابعین اور اُن کے بعد کے لوگوں کے فتوے بھی شامل کئے اور مکہ میں ابن جریج نے کتاب تصنیف کی اور شام میں امام اوزاعی اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ نے پھر ان کے بعد بہت سے اُن کے معاصرین انہیں کی طرز پر تصنیف کرنے لگے۔ حتی کہ بعض ائمہ کی رائے ہوئی کہ حدیث نبوی (بلا اختلاط اور چیز کے) جمع کریں اور یہ دوصدی کے ختم کا ذکر ہے تو **عبید اللہ** بن موسیٰ کوفی نے ایک مسند لکھی اور مسدد

---

(۱) مقدمہ فتح الباری، ۱/۶۔

(۲) یہ اصطلاح ذہبی کے طبقات کی اصطلاح سے علیحدہ ہے، لہذا ذہبی اور ان کے کلام میں کوئی تعارض نہیں۔

بن منیر بصری نے ایک مسند جمع کی اور اسد بن موسیٰ اموی نے ایک مسند تیار کی اور **نعیم** بن حماد نزیل مصر نے ایک مسند تصنیف کی۔ پھر اور ائمہ بھی ان کے بعد انہیں کے نشان قدم پر چلے تو حفاظ میں سے مشکل سے کوئی امام نکلے گا۔ جس نے اپنی احادیث کو مسند کے طور پر جمع نہ کیا ہو۔ منجملہ ان جمع کرنے والوں کے امام **احمد بن حنبل** اور **اسحق بن راہویہ** اور **عثمان بن ابی شیبہ** وغیرہم ہیں۔ اور بعض نے ابواب ومسانید دونوں طرز پر تصنیف کیا جیسے **ابوبکر بن ابی شیبہ** ہیں۔

حالات امام بخاری رحمہ اللہ (مختصر):

(اب آئے فخر المحدثین امام بخاری) امام بخاری صاحب نے جب ان تصانیف کو دیکھا اور ان کو پڑتالا اور ان میں ہر قسم کی صحیح وضعیف حدیث مختلط پائیں، تو ان کا قصد یہ ہوا کہ صرف صحیح صحیح احادیث کو جمع کر دیں، جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ امام بخاری کے استاد امام اسحق بن راہویہ نے بھی ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ بھی بخاری کے اس ارادے کی وجہ پڑی اور معتبر اسناد سے ثابت ہوا ہے کہ امام بخاری نے بیان کیا کہ: ”میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ (ﷺ) کے حضور میں کھڑا ہوا ہوں، اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے جس سے آپ سے (مکھیوں وغیرہ کو) دفع کرتا ہوں۔“ اس کی معبرین نے تعبیر دی کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کی طرف جو جھوٹی احادیث منسوب کی جاتی ہیں تم اُن کو دفع کرو گے۔ اس نے مجھ کو ایسی کتاب لکھنے پر (اور بھی) آمادہ کر دیا۔ بخاری کہتے ہیں: میں نے اس کتاب کو چھ لاکھ احادیث سے چن کر لکھا ہے۔ امام بخاری نے جب یہ کتاب تصنیف کی تو اس کو (بغرض استصواب) **امام احمد** اور **یحییٰ ابن معین** اور **علی بن المدینی** وغیرہ پر (جو اس وقت...... بڑے پائے کے ائمہ حدیث میں سے تھے) پیش کی تو سب ہی نے پسند کی اور اُس کی تمام احادیث کی صحت کی شہادت دی۔ ہاں صرف چار حدیث میں ان کو کلام ہوا، عقیلی کہتے ہیں، (تحقیق کے بعد

ثابت ہوا) کہ ان میں بھی امام بخاری ہی کا پلہ غالب ہے، اور وہ چار حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے امام بخاری کو خواب میں دیکھا کہ ''وہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور جہاں پر سے نبی صاحب (ﷺ) قدم اٹھاتے ہیں وہیں پر یہ قدم رکھتے ہیں۔'' (یہ اُن کی پوری پوری اتباع اور حق رسی کی صورت دکھائی گئی۔ علامہ عبدالواحد طوادیسی [۱] کہتے ہیں میں نے پیغمبر صاحب (ﷺ) کو خواب میں دیکھا کہ حضور مع ایک جماعت صحابہ کے ایک مقام پر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کرنے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)، آپ یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ فرمایا: محمد بن اسماعیل (بخاری) کا منتظر ہوں۔ پھر چند روز کے بعد مجھ کو امام بخاری صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے شمار جو کیا تو اُن کی وفات کا وہی وقت نکلا۔ جس وقت میں نے پیغمبر صاحب کو منتظر کھڑا ہوا دیکھا تھا۔ امام بخاری کو جب قبر میں رکھا تو اس سے مشک کی سی خوشبو اڑنے لگی اور برابر اڑتی رہی۔ لوگوں نے مٹی اُٹھا اُٹھا کر لے جانا شروع کی، آخر بغرض حفاظت اس پر جنگلہ لگا دیا گیا۔ امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

عمل بالحدیث کی سہولت:

اسی [۲] عرصہ میں اور اس کے قریب زمانے میں اکثر کتب حدیث تصنیف ہوئیں اور احادیث جو منتشر تھیں، مدون و مجتمع ہو کر ضبط میں آگئیں (ان پچھلوں کی تالیفات نے ان اگلوں کے اکثر مؤلفات سے جنہوں نے شروع زمانہ تدوین میں تصنیف کی تھیں، مستغنی کر دیا، دو وجہ سے ایک تو یہ کہ مابعد کے زمانے میں تجربہ ہو جانے کی وجہ سے پچھلوں کی مؤلفات جودت اور حسنِ ترتیب میں اگلوں سے زائد مفید واقع ہوئیں۔ دوسرے پچھلوں کو جس قدر معلومات کی فراہمی ہوئی، اگلوں کے

---

(۱) خاتمہ مقدمہ فتح الباری، ص: ۵۸۲۔

(۲) علامہ ابن الجزری جامع الأصول میں لکھتے ہیں: فكان غاية هذا العلم إلى زمان البخاري ومسلم ومن كان في عصرهما۔ انتهى۔

افراد کو اُس کی آدھی تہائی بھی نہ ہوسکی۔ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔) اور آگے بڑھ کر علم حدیث ایک کامل اور وسیع فن ہوگیا اور اس کے فنون اور متعلقات کی تنقیح و توضیح نے بہت کچھ ترقی حاصل کی، جس سے علم حدیث اپنی کمال وضاحت کو پہنچ گیا[۱] کہ ایک معمولی لیاقت کے لئے بھی اس میں کوئی محل دقت اور جائے اشکال باقی نہیں رہی، صرف توجہ صادق اور طلب صحیح کی ضرورت رہ گئی۔ اب ہم پھر امام ذہبی کے سلسلہ کلام کو لیتے ہیں، طبقۂ خامسہ کے بعد ذہبی نے **طبقۂ سادسہ** کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ننانوے امام شمار کرائے منجملہ ان کے۔

حدیث مل جانے پر خلاف حدیث فتاویٰ سے امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کا رجوع:

امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) تک کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے جس قدر فتوے دیے تھے، سوا ان کے جو قرآن و حدیث کے موافق تھے، میں سب سے رجوع کرتا ہوں۔ اسی طبقہ میں یحیٰ بن سعید قطان اور عبداللہ بن وہب فہری[۲] کو جو کہ ایک مجتہد کامل تھے گنا ہے۔ لکھتے ہیں: اُس وقت میں **اصحاب حدیث** کے گروہ کے گروہ موجود تھے۔ مثل (امام) ترمذی وغیرہ کے۔ اسی طرح مشائخ کے بھی گروہ کے گروہ تھے۔ مثل **شقیق بلخی** وغیرہ کے۔ اور سلطنت **ہارون رشید** اور **برامکہ** کے قبضہ میں تھی، ان کے بعد **امین** اور امین کے بعد دو صدی کے ختم پر جب **مامون** خلیفہ ہوئے تو تشیع چمک اُٹھا اور خوب زور پکڑ گیا۔ اور **حکمت اوائل** اور **منطق یونان** کا عربی میں ترجمہ ہوا اور

---

(۱) درمختار میں علوم کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں اور فن حدیث کو اس قسم میں بتایا کہ جس علم کے قواعد مقرر ہو گئے اور قواعد پر فروعات کر دیئے گئے اور اس کے مسائل کی توضیح کر دی گئی۔ اور وہ اپنے نہایت کمال کو پہنچ گیا۔ یعنی اب اس میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔ شیخ ابن عابدین لکھتے ہیں کیونکہ محدثین جزاہم اللہ نے اسماء الرجال میں کتابیں بنائیں اور اُن کے نسب اور اُن کے باہم وجوہ فرق بیان کئے اور روایت میں ثقہ و غیر ثقہ علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیئے۔ کوئی ایک لاکھ کے حافظ تھے۔ کوئی تین لاکھ کے۔ صحابہ رسول کا حصر و شمار کیا۔ احکام احادیث اور اُن سے مرادیں بیان کیں، پس فن حدیث کی حقیقت خوب روشن ہوگئی، انتہی، دیکھو: الرد المختار حاشیہ درمختار مقدمہ، ص: ۳۶ تا ۳۷، مطبوعہ مصر۔ اس مضمون کی توضیح آگے آتی ہے۔

(۲) لکھتے ہیں: كان ثقة حجة حافظا مجتهدا لا يقلد أحدا مات سنة ۱۹۹ هـ۔ انتهى۔

کواکب کے حالات دیکھنے کے لئے آلات رصدیہ بنائے گئے۔اب لوگوں کو ایک نیا علم ہاتھ لگا۔جو تعلیم نبوت اور (پہلے زمانہ کے) مؤمنین کی توحید (وعقائد) سے غیر ہے، اس سے پہلے کے مسلمان عافیت میں تھے۔اس وقت میں روافض ومعتزلہ کی شوکت قوی ہوگئی، اور مامون نے مسلمانوں کو قرآن کے مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور علماء کو اذیتیں پہنچائیں، ذہبی اس کے متعلق کچھ نصیحت اور اظہار افسوس کے بعد **طبقۂ سابعہ** کو ذکر کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اِس طبقہ میں حفاظ حدیث بہت تھے، میں صرف سربرآوردہ لوگوں کا ذکر کرتا ہوں۔چنانچہ سوامام ذکر کئے، انہیں میں شعبی بصری کو بھی ذکر کیا۔

امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کا بہت سے مسائل سے رجوع:

ان سے کسی نے کہا (امام) **ابوحنیفہ** (رحمہ اللہ) نے بہت سے مسائل سے رجوع کیا (یعنی پہلے کچھ فرمایا بعد اُس کے پہلی بات کو چھوڑ کر اس کے خلاف فرمایا) شعبی نے جواب دیا عالم رجوع اسی وقت کرتا ہے کہ اس کا علم وسیع ہو۔انہیں کا قول ہے دین باتوں کا نام نہیں ہے بلکہ دین حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔اسی طبقہ میں امام **شافعی** (رحمہ اللہ) کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ حافظ حدیث تھے، علل حدیث سے خوب واقف تھے اور قاضی **حفص** بن عبداللہ نیشاپوری کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ: کبھی رائے سے فیصلہ نہیں کرتے تھے (بلکہ حدیث کے موافق چلتے تھے) ذہبی نے انہیں کے واسطے سے روایت کیا کہ کسی نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے حج تمتع کی بابت سوال کیا۔ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: حلال ہے۔سائل نے کہا: آپ کے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) تو منع کرتے تھے، ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: گو میرے باپ نے منع کیا۔ مگر جب پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو کیا ہے تو ہم اپنے باپ کی تابعداری کریں یا پیغمبر صاحب کی۔

اس طبقہ کے بعد **طبقہ ثامنہ** کو ذکر کیا۔اس طبقہ میں امام **ابن حبان** کو لکھ کر ان کا مقولہ ذکر کیا کہ دنیا میں کوئی مبتدع نہیں جو **اصحاب حدیث** سے بغض نہ رکھتا ہو۔اور جب آدمی کوئی بدعت کرتا

ہے تو حدیث کا لطف اس کے دل سے نکل جاتا ہے، انہوں نے ۲۵۶ھ انتقال کیا۔

پھر لکھتے ہیں: ''ان مذکورین کے سوا انہیں جیسے غالباً اور نکلیں جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ کیونکہ اس وقت میں ایک مجلس میں دس دس ہزار حدیث لکھنے والے جمع ہوتے تھے، جو فن حدیث کے اندر مشغول رہنے والے تھے، جن میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے، جو لوگوں کو فتوے دینے کے لئے ظاہر ہو کر بیٹھے، اور وہ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔ بعد طبقۂ ثامنہ کے **طبقۂ تاسعہ** کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ایک سو چھ اماموں کو ذکر کیا جن میں **ابو داؤد** ظاہری متوفی ۲۷۰ھ اور **امام ابو داؤد** صاحب سنن متوفی ۲۷۵ھ کو بھی ذکر کیا۔ ابو داؤد کا یہ مقولہ بھی ذکر کیا کہ میں نے پانچ لاکھ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھی ہیں، اُن سے انتخاب کر کے یہ سنن بنائی جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیث ہیں۔ علامہ ذہبی اس طبقہ کے ختم پر لکھتے ہیں، اس وقت اور اس کے قریب قریب کے زمانہ میں ائمۂ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خلق کثیر موجود تھی، جن کا ہم دسواں حصہ بھی ذکر نہ کر سکے، ہاں زیادہ تر میری **تاریخ کبیر** میں مذکور ہیں۔''

تقلید کی ابتداء:

اور اسی طرح اس وقت میں **اهلُ الرائے** وفروع (فقہاء) کی ایک جماعت اور کتنے سرداران معتزلہ اور شیعہ اور اصحاب کلام موجود تھے، جو آرائے معقول پر چلے اور سلف کا جو طریقہ احادیث کے ساتھ تمسک کا تھا اس کو چھوڑ دیا، اس وقت سے فقہاء میں **تقلید** ظاہر ہوئی اور (طریقہ) اجتہاد گھٹنے فسبحان من له الخلق والأمر۔ (۱)

اب اس وقت سے (کہ دو صدی کے بعد کا زمانہ ہے) مذہب تقلید شروع ہوا اس سے

---

(۱) عبارت یہ ہے: **لقد كان في هذا العصر وما قاربه من أئمة الحديث النبوي (صلى الله عليه وآله وسلم) في الدنيا خلق كثير۔ ماذكرنا عشرهم ههنا وأكثرهم المذكورون في تاريخي (الكبير) وكذلك كان في هذا الوقت ---**

پہلے عموماً اہل اسلام اہل سنت کا وہی مذہب تھا جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ ان میں نہ اس طرح خاص خاص اماموں کے نام کا مذہب مقرر تھا اور نہ ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ علامہ سند بن عنان مالکی تحریر فرماتے ہیں:

"(مذہب) تقلید [۱] ایک بدعت ہے (جو بعد کے زمانہ میں) پیدا کیا گیا۔ اس لئے ہم یقینا جانتے ہیں کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے زمانہ میں کسی خاص شخص کے نام کے مذہب نہ تھا جس کو پڑھا پڑھایا جاتا ہو اور اس کی تقلید کی جاتی ہو بلکہ وہ لوگ واقعات میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور قرآن وحدیث سے نہ ملنے کی صورت میں جس طرف اُن کی بصیرت پہنچتی اسی طرح تابعین کرتے رہے یعنی قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر قرآن وحدیث سے نہ ملتا تو اجماع صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف نظر کرتے۔ اگر اجماع بھی نہ ملتا تو خود اجتہاد کرتے اور بعض کسی صحابی کے قول کو قوی سمجھ کر اختیار کر لیتے۔ پھر قرنِ ثالث (تبع تابعین کا زمانہ) آیا۔ اسی

--- حلق من أهل الرأي والفروع وعدد من أساطين المعتزلة والشيعية أصحاب الكلام الذين مشوا آراء المعقول واعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية (صلى الله عليه وآله وسلم) وظهر في الفقهاء والتقليد وتناقص الاجتهاد فسبحان من له الخلق والأمر۔ انتهى۔ یہ عبارت "تذكرة الحفاظ" مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف نظامیہ جلد دوم کے ص: ۲۰۳ میں ہے: ہم جس وقت اس رسالہ کو مرتب کر رہے تھے، اس وقت ہمارے پاس "تذكرة الحفاظ" موجود نہ تھا، ہم نے جو عبارات تذکرے کی نقل کی ہیں، وہ "التاج المكلل" سے لکھی ہیں۔ "التاج المكلل" میں تذکرے کی یہ عبارات نقل ہیں۔

(۱) تعریف تقلید:

عبارت یہ ہے: أما التقليد فهو قبول قول الغير من غير حجة۔ وهو أيضاً في نفسه بدعة محدثة لأنا نعلم بالقطع أن الصحابة (رضوان الله عليهم) لم يكن في زمانهم وعصرهم مذهب لرجل معين يدرس ويقلد وإنما كانوا يرجعون في النوازل إلى الكتاب والسنة أو إلى ما يتمحص بينهم من النظر عند فقد الدليل وكذلك تابعوهم أيضا يرجعون إلى الكتاب والسنة فإن لم يجدوا نظروا وإلى ما أجمع عليه الصحابة فإن لم يجدوا اجتهدوا أو اختار بعضهم قول صحابي فرأه إلا قوي في دين الله تعالى ثم كان القرن الثالث وفيه---

قرن میں (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور (امام) مالک (رحمہ اللہ) اور (امام) شافعی (رحمہ اللہ) اور (امام) احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) ہوئے۔ کیونکہ (امام) مالک (رحمہ اللہ) نے ایک سو اناسی/ ۱۷۹ھ میں وفات پائی، اور (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) ڈیڑھ سو/ ۱۵۰ھ میں، اور اسی سال میں (امام) شافعی (رحمہ اللہ) پیدا ہوئے۔ اور (امام) احمد (رحمہ اللہ) ایک سو چونسٹھ/ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں بھی پہلوں ہی کے طریقے پر تھے۔ ان کے زمانے میں بھی کسی خاص شخص کا مذہب مقرر نہ تھا، جس کو آپس میں درس دیتے ہوں۔ اور انہیں کے طرز عمل کے قریب قریب اُن کے اتباع کا بھی طرزِ عمل تھا۔ بہت سے امام مالک (رحمہ اللہ) اور ان کے ہم پلہ اماموں کے قول ہیں جن میں انہیں کے شاگردوں نے ان کا خلاف کیا۔ اگر ہم ان کو نقل کریں تو اس کتاب سے جو مقصود ہے وہ رہ جائے گا۔ ان شاگردوں نے (اس آزادی کے ساتھ) خلاف اسی واسطے کیا کہ وہ (مقلد نہ تھے) بلکہ آلات اجتہاد کے جامع تھے اور استنباط مسائل کے طریقوں پر قادر تھے، (بہر حال قرون ثلاثہ میں مذہب تقلید پیدا نہ ہوا تھا) اور اللہ نے اپنے نبی کو ان کے اس قول میں سچا کر دیا کہ بہتر سب قرون میں اہل زمانہ میرے ہیں، پھر وہ جو اُن کے بعد آنے والے ہیں، پھر جو اُن کے

--- أبو حنيفة ومالک والشافعي وابن حنبل فإن مالكا توفي سنة تسع وسبعين ومائة وتوفي أبو حنيفة سنة خمسين ومائة وفي هذه السنة ولد الإمام الشافعي وولد ابن حنبل سنة أربع وستين ومائة وكانوا على منهاج من مضى لم يكن في عصرهم مذهب رجل معين يتدارسونه وعلى قريب منهم كان اتباعهم فكم من قولة لمالک ونظرائه خالف فيها أصحابه ولو نقلنا ذلک لخرجنا عن مقصود هذا الكتاب وما ذاک إلا لجمعهم الات الاجتهاد وقدرتهم على ضروب الاستنباطات ولقد صدق الله نبيه (صلى الله عليه واله وسلم) في قوله خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، ذكر بعد قرنه قرنين والحديث في صحيح البخاري۔ فالعجب لأهل التقليد كيف يقولون هذا هو الأمر القديم وعليه أدركنا الشيوخ وهو إنما حدث بعد مائتي سنةمن الهجرةوبعد فناء القرون الذين أثنى عليهم الرسول (صلى الله عليه و اله وسلم)۔ انتهى۔ (منقول از: إيقاظ همم أولي الأبصار ص: ۷۴-۷۵، ع۔ ح۔)۔

بعد والے۔ اپنے زمانے کے بعد صرف دو زمانوں کا ذکر کیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

پس اہل تقلید سے تعجب ہے کہ وہ کیسے کہتے ہیں کہ یہ (تقلید والا مذہب) قدیم ہے اور یہی ہم بزرگوں سے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ ہجرت سے دوسو برس بعد پیدا ہوا۔ بعد گزرنے ان قرون کے جن کی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تعریف کی۔"

اسی طرح شیخ صالح فلانی مدنی استاد شیخ محمد عابد سندی نے بھی إیقاظ ہمم أولی الأبصار [1] میں اور علامہ ابن القیم (رحمہ اللہ) نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، اور اسی کے قریب قریب علامہ ابن حزم اندلسی اور علامہ ابو طالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا۔ چنانچہ ان کے اقوال ہم آگے ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت علماء کے اقوال سے اِس کی تصریح نکلتی ہے۔ غرض اس سے کسی ذی علم کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کرسکتا ہے کہ مذہب تقلید پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تقریباً دوسو برس بعد پیدا ہوا، اس سے پہلے کے مسلمانوں کا جن میں عوام اور خواص، عالم و جاہل، آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ موجود تھے، یہ مذہب نہ تھا جو ان مقلدوں کا مذہب ہے (بلکہ عموماً ان کا طرز عمل وہی تھا جو کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ جو کہ ان اہل حدیث کا طریقہ ہے جن کو مقلدین بہت بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔)

"تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا!"

اب رہی یہ بات کہ یہ پیدا کیوں کر ہوا، اور اس قدر اس نے ترقی کیسے پکڑی؟ ہم اس کو بھی منصفانہ طریقے سے بطور ایک امرِ واقعی کے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ با

(۱) للإقتداء بسيد المهاجرين والأنصار وتحذيرهم عن الإبتداع من تقليد المذاهب بين فقهاء الأعصار (مختصراً) للفلاني المتوفى سنة ۱۲۸۸ھ۔ یہ نفیس کتاب پہلے (متحدہ) ہندوستان میں چھپی تھی۔ بعد ۱۳۵۴ھ میں مطبع منیریہ مصر سے سلطان عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے خرچ پر اعلی طباعت کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔ صفحات: ۱۷۰ (ع۔ح۔)۔

اوقات ایسا ہوا ہے اور ہوتا ہے کہ کوئی طریقہ یا طرزِ عمل کسی اتفاقی وجہ سے یا کسی خاص مصلحت کی بنا پر شروع ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے وہ اتفاقی وجہ اور وہ خاص مصلحت تو بالکل معدوم ہو جاتی ہے، اور وہ طریقہ اور وہ طرزِ عمل اپنی ایک مستقل شکل قائم کر لیتا ہے۔ اس قسم کی باتوں کی ابتدائی حالت تو کچھ ہوتی ہے لیکن بعد کو وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔ یہ بات دینی اُمور کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس بارہ میں دینی و دنیاوی رسوم دونوں ہی یکساں حالت رکھتی ہیں۔ ہماری اس قیمتی اور محقق بات کو وہ شخص کبھی بے قدری کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس نے کبھی اپنے ملک کی رسوم و رواج کے اصل کی تحقیقات کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہے اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ ان رسوم کی ابتداء کیوں کر ہوئی ہے اور ان کی ابتدائی حالت کیا تھی اور اب کیا ہے۔ بہت سے مراسم شادی و غم وغیرہ ہمارے پیش نظر ہیں جو کسی خاص ضرورت یا مصلحت سے یا بمقتضاء وقت عقلاء نے ایجاد کئے تھے۔ لیکن اب اُن کی اصلی وجہ نظر انداز ہے۔ اور بعد کے زمانہ میں ان کی اصلی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ لازم آتا ہو مگر وہ ایک ایسے لازمی امور قرار پا گئے، جو کسی طرح چھوڑے نہیں جا سکتے۔

اسی طرح ہم بہت سی ایسی رسوم پیش کر سکتے ہیں، جو دینی حیثیت سے دیکھی جاتی ہیں کہ وہ ابتداء میں کسی غیر قوم کی صحبت اور مخالطت سے پیدا ہو گئیں یا پہلے زمانہ میں کسی بزرگ یا[1] صاحب رائے نے کسی خاص ضرورت یا مقتضائے وقت یا اس وقت کی کسی مصلحت کی بنا پر یا اپنی رائے میں کسی وجہ سے ویسا ہی مناسب سمجھ کر یا اتفاقی طور پر کیں اور وہ بحسب اتفاق کچھ دنوں جاری رہیں۔ اُن کے بعد چونکہ لوگ ان کی اصلی منشاء سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ لہٰذا ان مراسم کو امور دینی اور شعائر اسلامی سمجھنے لگے۔ حالانکہ دین میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ شارع نے کہیں ان کا حکم

(۱) کیا خوب کسی نے کہا ہے:

کفر گیرد کاملے ملت شود   ہر چہ گیرد علتی علت شود

مگر یہ صرف بطور نظیر و استشہاد سے پیش کیا گیا۔ مبہوت عنہا امور پر کفر کا لفظ بولنا نہیں چاہتے اور نہ انہیں ایسا سمجھتے ہیں۔

دیا۔ چنانچہ مقلدین بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے اور صرف بعض میں باستثناء بعض کے سب ہی ان کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

کیا تم تیجے، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی، سات جمعراتوں، عرس، فاتحہ وغیرہ مروجہ رسوم کو جومیت کے بعد کئے جاتے ہیں، اور محفلِ میلاد شریف اور اس میں تولّد کے ذکر کے وقت قیام اور **مصافحہ** بعد العصر اور معانقہ بعد العید کو نہیں دیکھتے [1] (اسی قسم کی اور اس سے بڑھ کر اور بھی بہت باتیں ہیں جو اسلام میں مثل دیگر ادیان کے وقتاً فوقتاً خاص خاص وجوہ سے رواج پا گئیں اور جن کا رواج پانا ایک شدنی امر اور لازم تھا۔ اس لئے کہ خود پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی بابت پیشین [2] گوئی کر چکے ہیں، جو ٹل نہیں سکتی۔

---

(۱) اہل دیوبند تعجب:

ہندوستان میں مقلد مولویوں میں سے دیوبندی المذہب مولوی بہ نسبت دوسرے فریق کے تعداد کی رو سے زائد ہیں، وہ سب کے سب ان تمام مراسم کا بدعت وخلاف طریقۂ سلف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے فریق کے مولویوں کو ان مراسم میں سے بعض کے بدعت ہونے سے انکار ہے۔ لیکن نظرِ تحقیق سے کام لینے کے بعد دیوبندیوں کی رائے کے اس بارہ میں صحیح ہونے اور فریق مقابل کی رائے کے خطا ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دیوبندی المذہب فریق سے تعجب ہے کہ باوجود یہ کہ ان تمام مراسم کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں، تقلید شخصی کا بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ دونوں ایک ہی حالت رکھتے ہیں۔ ان مراسم کے بدعت ہونے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ان میں ہیہات کذائیہ اور خاص خاص خصوصیات کا بحیثیت دینی التزام کر لیا گیا، جس خصوصیت کے التزام کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ یہی بات تقلید شخصی والے مذہب میں بھی موجود ہے۔ ایک امام کی تمام مسائل میں پابندی اور اُس کی خصوصیت کا التزام کہیں شارع نے اس کا حکم نہیں دیا، پس جو وجہ ان مراسم کی بدعت ہونے کی ہے، وہی بعینہ مذہب تقلید میں بھی موجود ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کا بدعت ہونا تسلیم کیا جائے، اور اس کا نہ کیا جائے۔ زیادہ تفصیل ان شاء اللہ آگے مذکور ہوگی۔

(۲) تقلید، سنت یہود:

چنانچ فرمایا: لتتبعن سنن من قبلکم شبرا شبرا وذراعا وذراعا حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم، قلنا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): الیھود والنصاری۔ قال: فمن ۔صحیح بخاری، پارہ: ۲۹،ص: ۶۷۵، یعنی تم پہلی امتوں کے سارے طریقے اختیار کرلو گے، چونکہ تقلید کا طریقہ یہود میں گزر چکا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: -----

اہل حدیث اور اہل الرائے:

یہی حالت اس مذہب تقلید کی بھی ہے۔تبع تابعین کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے اور زمانہ مابعد میں کچھ علماء ایسے خیال کے ہوئے جو روایت حدیث سے (بخوف کچھ زیادتی کمی ہو جانے یا کسی قدر غلطی میں پڑ جانے کے) ڈرتے اور حدیث کے شغل سے بچتے تھے۔ یہ لوگ مسائل میں ضرورت کے وقت بہ نسبت حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روایت کرنے کے بہتر سمجھتے تھے کہ اپنے سے پہلے کسی عالم یا اپنے وقت کے مشہور عالم کے قول سے سند پکڑ کر سبکدوش ہو جاویں۔ یہ لوگ مسائل میں زیادہ تر اقوال علماء پر اعتماد کرتے تھے۔اگر ان علماء کے اقوال سے جن پر وہ اعتماد کرتے تھے، صریح مسئلہ نہ نکلتا تو اس سے تخریج اور استنباط کرتے۔ یہ لوگ **اہل الرائے** کہلائے۔اور وہ لوگ جنہوں نے تتبع احادیث اور مسائل میں جہاں تک ہو سکا حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی پر اعتماد کیا جو **اصلی طریقہ** ہے ان کے مقابلہ میں **اہل الحدیث** کہلائے۔شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ [1] میں تحریر فرماتے ہیں: ''اہل الرائے سے وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے اجماعی یا اکثروں کے اتفاقی مسائل کے سوا اور مسائل میں کسی پہلے شخص کے قاعدے (اقوال) پر تخریج اختیار کی، تو زیادہ تر ان لوگوں کا یہی شغل رہا۔یعنی ایک مسئلہ کا حکم دوسرے مسئلے کے حکم سے مشابہت کی وجہ سے نکالنا (یعنی قیاس کرنا) اور پھیر پھار کرنا اسی شخص کے قاعدے میں داخل کر دینا بغیر اس کے کہ احادیث اور آثار کا تتبع کریں۔انتہی۔

---اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله۔ اور علامہ شوکانی نے الفتح الرباني میں ثابت کیا ہے کہ تقلید سنت یہود سے ہے، اور تقلید کے طریقہ کی ابتداء یہود سے ہوئی۔لہذا ضروری تھا کہ اس اُمت کے کچھ نہ کچھ لوگ اس مسلک پر ضرور ہوتے۔

(۱) ص: ۱۶۶-۱۶۷، مطبوعہ صدیقی پریس، ۱۲۸۶ھ

اور شاہ صاحب [1] باب الفرق بین أہل الحدیث وأصحاب الرائے میں اہل الحدیث کے بیان کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''اوران اہل الحدیث کے مقابل امام مالک (رحمہ اللہ) اور سفیان اور اُن کے بعد کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جو (قیاس واستنباط سے) مسئلہ بتانے اور فتویٰ دینے سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے فقہ (فروعی مسائل) پر دین کی بنا ہے، لہٰذا اس کی اشاعت ضروری ہے اور یہ لوگ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے روایت کرنے اور رسول اللہ (ﷺ) تک (مسئلہ کی سند) پہنچانے سے ڈرتے تھے۔ شعبی کہتے تھے ہم بات کو رسول (ﷺ) سے نیچے کسی عالم کے قول پر ختم کردیں، یہی زیادہ ہم کو پسند ہے اس لئے کہ نقل میں کچھ زیادتی یا کمی ہو تو رسول اللہ (ﷺ) کی حدیث میں تو نہ ہو، اور ہی کی بات میں ہو۔ ابراہیم [2] کا مقولہ ہے: میں (کسی مسئلہ کے بتانے میں) یہ کہہ دوں، عبداللہ (بن مسعود) نے (اس طرح) کہا۔ یا علقمہ نے کہا۔ یہ ہم کو زیادہ پسند ہے، اس سے کہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) سے استدلال کروں۔'' شاہ صاحب اسی قسم کے کچھ اور اقوال وغیرہ ذکر کرکے لکھتے ہیں [3]: ''ان کے پاس احادیث رسول (ﷺ) اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے، جن سے استنباط مسائل اس طور پر کرسکتے، جس طور پر کہ اہل حدیث (جن کے پاس احادیث وآثار بہت فراہم تھے) کرتے تھے۔ اُن کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول نہ کیا کہ (اپنے شہر کے علماء وفقہاء کے سوا) اور شہروں کے علماء کے اقوال کو دیکھیں، اور اُن کو جمع کریں اور اُن میں (راجح ومرجوح معلوم کرنے کے لئے) بحث کریں، بلکہ انہوں نے (براہ کسرنفسی) اپنے آپ کو اس لائق ہی نہ سمجھا۔ اور اپنے اماموں کے حق میں (جن کے اقوال کو وہ لیتے تھے) معتقد رہے کہ وہ

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ، ۱/ ۲۵۴۔

(۲) یہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے استاذ الأستاذ ہیں۔

(۳) أیضاً باب أیضاً (ع۔ح۔)

تحقیق کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں کا رجحان اپنے ہی اساتذہ کی طرف رہا۔ چنانچہ علقمہ کا قول ہے۔ کیا کوئی عبداللہ (بن مسعود) (رضی اللہ عنہما) سے بڑھ کر ہے۔ اور (امام) ابو حنیفہ صاحب کا مقولہ ہے، ابراہیم (نخعی) سالم سے افقہ ہیں۔ اور صحابیت کے فضل کا اگر خیال نہ ہو تو میں علقمہ کو (حضرت) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے اَفقہ کہہ دوں۔ ان لوگوں کو فطانت وذہانت وسرعت انتقال ذہن ایسا حاصل تھا، جس سے وہ (سارے) مسائل کے جواب اپنے اساتذہ کے اقوال پر تخریج کر کے بتانے پر قادر تھے۔ اور (بات یہ ہے کہ) ہر شخص پر وہ کام جس کے لئے وہ ہے ضرور آسان ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے مسلک کو پسند کرتا ہے، تو ان لوگوں نے (مسائل) فقہ کو تخریج کے قاعدے پر مرتب کیا۔'' تخریج کی مفصل شرح تو ہم ان شاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اماموں کے صریح قول سے مسئلہ نکل آیا تو اسی کو اختیار کیا۔ اگر صریح نہ نکلا تو انہیں کے اقوال سے استنباط کیا۔

الحاصل۔ اہل الرائے کا دستور تھا، حدیث کا شغل کم کرنا اور مسائل میں متقدمین کے اقوال پر اعتماد کرنا اور انہیں کو سند میں لانا۔ اس طرز عمل نے لوگوں کو علماء کے اقوال پر بھروسہ کر لینے اور انہیں کو حجت سمجھ لینے کی تعلیم کی۔ یہیں سے تقلید پیدا ہوئی۔ یہ طرز عمل ابتداءً تو ایک نیک نیتی اور خاص احتیاط پر مبنی تھا، لیکن بعد کو جب کہ احادیث جمع ہو گئیں اور روایت حدیث کا بار گراں اللہ تعالیٰ کے دلیر بندوں کے ایک دوسرے گروہ نے اپنے سر پر لے کر اُس کو انجام وکمال تک پہنچا دیا۔ (اسی کا طفیل ہے کہ آج تک دین محفوظ، اور حق و ناحق ممتاز رہا اور رہے گا) کوئی وجہ نہ تھی کہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محل استدلال سے نظر انداز کیا جاتا اور ہر موقع میں علماء کے اقوال پر اعتماد اور انہیں کو دلیل وسند قرار دیا جاتا، مگر وہ ایک دستور تھا جو پڑ چکا۔ جس نے لوگوں کو علماء کی تقلید اور انہیں کے اقوال پر کاربند رہنے کا طریقہ سکھا دیا۔ اور دلائل شرعیہ کے ساتھ استدلال اور اُن کی طرف توجہ

کے ترک کا عادی بنا دیا۔ پھر تو وہ ایک مستقل مسلک بن گیا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ذی علم جس کے سامنے قرآن وحدیث موجود ہے اور وہ قرآن وحدیث کو سمجھتا بھی ہے، اسی کو بھی یہی چاہیئے کہ کسی نہ[1] کسی اپنے سے پہلے کی تقلید کرے اور جب کوئی واقعہ پیش آئے تو قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اسی پہلے کے قول سے اس کا حکم تلاش کرے اور اس پر کاربند ہو۔

پس اہل الرائے کا وتیرہ تھا، جس نے اس طریقہ کی بناڈالی۔ لیکن پہلے زمانہ کے اہل الرائے اپنی خاص احتیاط کے خیال کی بنا پر معذور تھے مگر مابعد کے لوگوں نے اُن کی اصلی وجہ کو جس کے سبب سے وہ ایسا کرتے تھے نظر انداز کر دیا، اور بلا اصلی منشاء کے لحاظ کیے ہوئے وہی کرنے لگے جو وہ لوگ کرتے تھے، نہیں بلکہ اس سے بھی زائد اور بہت زائد۔ اس لئے کہ اس طرز عمل کو روز بروز جیسا زمانہ گزرتا گیا اور اس کے سالکوں کو ترقی ہوتی گئی (چنانچہ ہم آگے ذکر کریں گے) اس کو بھی ترقی ہوتی گئی، اور اُس کا استحکام بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورا ایک مذہب ہی قائم ہوگیا۔ جس کو تقلید اور اس پر چلنے والوں کو مقلد کہتے ہیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلے زمانہ کے اہل الرائے مقلد نہ تھے اور نہ ان کا مذہب تقلید تھا (تقلید تو اس طرزِ عمل کی ترقی اور استحکام کے بعد ظہور میں آئی) ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جناب امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) بھی مقلد ہوں۔ کیونکہ وہ بھی اسی اہل الرائے کی محتاط جماعت میں تھے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) صاحب کا مقلد ہونا کون تسلیم کرسکتا ہے، اس لئے کہ مسلم ہے کہ مجتہد کو تقلید قطعاً حرام ہے، اور امام صاحب کا اجتہاد میں جو پایہ تھا، معلوم ہے۔[2]

---

(۱) چنانچہ مقلدین میں عملاً عام طور پر یہی ہو رہا ہے۔ گو زبان سے ایسا نہ کہیں یا اس سے انکار کریں مگر کرتے ایسا ہی ہیں اور ایسا ہی کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جب کسی عالم کو اس طرز عمل کے خلاف کرتا ہوا دیکھتے ہیں، تو اُن کے دشمن ہو جاتے ہیں جیسا کہ برابر علماء اہل حدیث کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) رد المختار، ص: ۴۲، اور کتب اصول میں جابجا تصریح موجود ہے۔ من جملہ اُن کے تلویح تحقیق حد فقہ ص: ۳۳، نولکشوری، اور امام صاحب کے اہل الرائے ہونے کا ذکر آگے آتا ہے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کے اقوال، بابت ممانعت تقلید:

نیز امام صاحب تقلید سے منع فرمایا کرتے تھے، تو جس چیز سے منع فرماتے خود اس کو کیوں کرتے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں نے اپنی نور بصیرت سے دیکھ لیا تھا کہ کیا عجب اس طرز عمل سے لوگ مذہب تقلید پیدا کرلیں، لہٰذا وہ سب کے سب بنظر احتیاط اور بطور حفظ ماتقدم اس سے برابر ممانعت کرتے رہے[1] اور صاف صاف ہدایت کر گئے کہ کبھی تقلید نہ اختیار کرلینا مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی لوگوں نے نہ مانا اور نام کو تو اُن کی پیروی کرتے ہیں مگر کرتے وہی ہیں جس سے اُنہوں نے منع کیا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب تقلید بعد کو ظہور پذیر ہوا اور اہل الرائے پہلے سے ہیں۔

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: (امام) ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص میری دلیل نہ معلوم کرے اس کو میرے قول پر فتویٰ دینا لائق نہیں ہے، (یعنی تقلیداً میرے قول کو بلاتحقیق کئے ہوئے نہ لینا چاہئے) اور آپ جب فتویٰ دیتے تھے تو فرمادیتے تھے کہ یہ رائے نعمان کی یعنی میری ہے، اور ہم نے اپنی پہنچ میں اسی کو بہتر پایا۔ اب اگر کسی کو اس سے بھی بہتر ملے تو وہی ٹھیک ہے۔ اور امام مالک (رحمہ اللہ) فرماتے تھے کہ سواء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کوئی نہیں جس کی ساری باتیں واجب التسلیم ہوں۔ (لہٰذا تمام باتوں میں کسی کی پیروی نہیں کی جاسکتی جب تک یہ نہ تحقیق کرلی جائے کہ کون سی بات حق و واجب التسلیم ہے اور کون سی نہیں) اور امام شافعی (رحمہ اللہ) نے مزنی سے کہا کہ میری تقلید نہ کر ساری باتوں میں، اور اپنے لئے خود تحقیق کر، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اور فرماتے تھے سواء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی کا قول حجت نہیں۔ اور امام احمد (رحمہ اللہ) نے فرمایا: نہ میری تقلید کر اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی۔ اور جہاں سے انہوں نے مسائل لئے تم بھی لو۔ یعنی کتاب وسنت سے۔ اور امام ابو یوسف اور (امام) زفر اور ان کے سوا اور اماموں سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کسی کو حلال نہیں کہ ہمارے قولوں پر فتوے دے، جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں (اور کس دلیل سے) کہا (یعنی ہماری تقلید نہ کرے) کیونکہ تقلید کہتے ہیں بلادلیل مان لینے کو۔ امام صاحب کے شاگرد کے شاگرد عصام بن یوسف سے کسی نے کہا کہ تم (امام) ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کا بہت خلاف کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا، اس واسطے (خلاف کرتا ہوں) کہ (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کو جو فہم دی گئی تھی ہم کو نہیں دی گئی۔ انہوں نے اپنی فہم سے جو سمجھا ہم نہیں سمجھ سکتے اور ہم کو جائز نہیں کہ اُن کے قول پر فتویٰ دیں جب تک خود نہ سمجھ لیں۔ یعنی ہم تقلید نہیں کر سکتے۔ (ص: ۱۶۲-۱۶۳) اور حجۃ اللہ البالغۃ میں یہ بھی ہے کہ خلیفہ منصور زمانہ حج میں امام مالک (رحمہ اللہ) سے ملے اور کہا میں نے قصد کرلیا ہے کہ تمہاری تالیفات کو لکھوا کر تمام ممالک اسلام میں بھیج دوں، اور حکم کردوں کہ انہیں پر عمل کیا جاوے۔ اور اُن کے سواء کسی اور کے قول پر عمل نہ ہو۔ امام صاحب (رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ: ---

شیوع و فروغ تقلید کا زمانہ اور اس کے اسباب:

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ [1] میں تحریر فرماتے ہیں: ''جان لینا چاہئے کہ چوتھی صدی سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہب معین کی تقلید پر جمع نہ تھے، **ابو طالب مکی قوت القلوب** میں لکھتے ہیں: ''یہ کتابیں (اور خاص خاص مذہبوں کے نام کے) مجموعے مُحدَث (نئے نکالے ہوئے) ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے سوا لوگوں کے اقوال کے ساتھ قائل ہونا اور کسی ایک معین مذہب پر فتویٰ دینا اور اُسی کے قول کو اختیار کرنا اور اسی کو ہر موقع میں پیش کرنا اور اسی کے مذہب کے موافق فقہ حاصل کرنا (جیسا کہ مقلدین کرتے ہیں) قدیم سے لوگ اس پر نہ تھے نہ پہلے طبقے والے (صحابہ) نہ دوسرے طبقہ والے (تابعین)۔'' انتہی۔ (شاہ صاحب لکھتے ہیں): ''میں کہتا ہوں دونوں طبقوں کے بعد لوگوں میں کچھ تخریج پیدا ہوئی۔ مگر چوتھی صدی والے ایک معین مذہب کی تقلید خالص اور اُسی کے حاصل کرنے اور اُسی کی نقل کرنے پر مجتمع نہ تھے۔ چنانچہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ اُن میں عوام و علماء سب ہی قسم کے لوگ تھے۔ عوام کا دستور تھا کہ اجماعی مسائل میں جن کے اندر کسی

---اے امیر المؤمنین ایسا نہ کرو۔ کیونکہ لوگوں کے پاس اور علماء کے اقوال پہنچے ہیں اور انہوں نے احادیث سنی ہیں اور روایات نقل کی ہیں۔ اور جس گروہ کو جو پہنچ چکا ہے، اُس نے اس کو اختیار کیا ہے تو آپ ہر ایک کو اس کے مختار (اور تحقیق) پر رہنے دیں۔ انتہیٰ۔ (ص: ۱۵۰) دیکھو امام مالک (رحمہ اللہ) صاحب نے اپنی تقلید شخصی کئے جانے سے روکا اور اُس کو پسند نہ کیا۔ ان اقوال کے سوا ممانعت تقلید میں ائمہ اربعہ سے اور بھی بہت اقوال اور ائمہ اربعہ کے سواء دیگر علماء سے بکثرت منقول ہیں (جن کی نقل کی ہم یہاں گنجائش نہیں پاتے) حتیٰ کہ بہت سے محققین نے تقلید کہ نہی پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا۔ جلال الدین سیوطی نے بھی کتاب الرد علی من أخلد إلی الأرض میں امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) و مالک (رحمہ اللہ) و شافعی (رحمہ اللہ) کی نسبت ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کی اجازت نہیں دی بلکہ اس سے منع کیا۔ اس کے متعلق محققین کے کچھ اقوال آگے بھی آتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: إعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه قال أبو طالب المكي، الخ ص: ۱۵۷ تا ص: ۱۵۹، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة، الخ۔

مسلمان کو یا جمہور مجتہدین کو خلاف نہیں، شارع ہی کی تقلید (اتباع) کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوۃ وغیرہ کے طریق اپنے ماں باپ یا اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھ لیتے تھے اور جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا، تو بلا تعیین کسی مذہب کے جو عالم مل گیا اس سے فتوے پوچھ لیتے تھے اور خواص کا دستور تھا کہ **اہل الحدیث** حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ ان کو احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) اتنی پہنچ جاتی تھیں کہ ان کو پھر کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ (اور حدیث بھی کیسی) بہت بہت سی سندوں سے اور صحیح جس پر کوئی نہ کوئی مجتہد عمل بھی کرتے رہے اور (ہم نہیں جانتے) ایسی حدیث پر عمل چھوڑنے والا عند اللہ کیا عذر کرسکتا ہے۔ یا (اگر حدیث نہ ملی تو (جمہور صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال متظاہرہ جن کے ساتھ مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں مل جاتے تھے، اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی نقل ایسی نہ ملی جس سے اطمینان حاصل ہو جائے، تعارض کے ہونے اور کسی وجہ ترجیح کے ظاہر نہ ہونے کے سبب سے، تو پہلے زمانہ کے کسی عالم کا قول اختیار کرلیتے۔ اور اگر مختلف قول ملتے تو جس کو زیادہ مضبوط خیال کرتے لے لیتے۔ خواہ وہ قول مدینہ کے عالموں سے کسی کا ہو یا کوفہ کے عالموں کا (غرض کسی کی تعیین وتخصیص نہ تھی)۔ اور تخریج والے (**اہل الرائے**) اس مسئلہ میں صریح نص سے نہیں پاتے تھے، اس کو (اپنے پہلوں کے اقوال سے) تخریج کرتے تھے اور ان کے مذہب (کے نکالنے اور پیدا کرنے) میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اساتذہ کے مذہب کی طرف نسبت کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا تھا، فلاں شافعی ہے (یعنی امام شافعی کے اقوال پر تخریج کرتا ہے) اور فلاں حنفی ہے، بلکہ بعض وقت اہل حدیث کو بھی کسی پہلے کے ساتھ زیادہ مسائل میں بطور توارد کے) موافق ہو جانے کی وجہ سے نسبت کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ نسائی اور بیہقی، امام شافعی کی طرف نسبت کر دیئے جاتے تھے۔ اس وقت میں قاضی و مفتی وہی بنایا جاتا تھا جو مجتہد ہو، اور فقیہ بھی مجتہد ہی کو بولتے تھے۔ (الحاصل اس وقت تک تقلید شخصی کا رواج نہ عوام میں تھا نہ خواص میں۔)

ان طبقوں کے بعد ایک دوسری قسم کے لوگ ہوئے، جو (سیدھے راستے کو چھوڑ کر) دائیں بائیں نکل گئے اور اُن میں چند نئی باتیں پیدا ہوگئیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ وہ **تقلید** پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور (صورت اُس کی یہ ہوئی کہ) تقلید اُن کے دلوں میں چیونٹی کی سی ہلکی چال سے گھسی اور ایسی آہستہ آہستہ گھسی کہ) خود ان کو بھی نہ معلوم ہوا۔ اور سبب اس کا ہوا فقہاء کی باہمی نزاع اور مجادلے۔ کیونکہ فقہاء کی جب آپس میں فتووں کے اندر نزاعیں واقع ہوئیں، تو جو کوئی فتوے دیتا دوسرا اس کارد کرتا۔ پس یہ بحث کسی طرح ختم نہ ہوتی جب تک کہ متقدمین میں سے کسی عالم کا صریح قول نہ پیش کیا جائے (اس وجہ سے علماء سابقین کے اقوال وآراء پر اعتماد کرنے اور اُن سے سند پکڑنے اور انہیں پر عمل درآمد کرنے کی عادت پڑگئی اور پھر یہی اصل طریقۂ اسلام نظر آنے لگا) اور ایک سبب تقلید کے جاری ہونے کا، قاضیوں کی بے انصافی بھی واقع ہوئی۔ کیونکہ اکثر قاضی جب ظلم کرنے لگے اور خود اعتماد کے لائق نہ رہے (کہ اُن کے بتائے ہوئے مسائل کو منصفانہ نظر سے مستنبط سمجھا جائے) تو خود اُن کے بتائے ہوئے مسائل قبول نہیں کیے جاتے تھے، جب تک کسی پہلے عالم کا قول پیش نہ کریں کہ جس میں کسی کو تردد باقی نہ رہے (لہذا ضروری ہوگیا کہ پہلے عالموں کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ اور جب اس کا رواج پڑ گیا تو پھر کوئی قابل اعتماد ہو یا نہ ہو طریقہ ہی یہ قائم ہوگیا کہ پہلے زمانہ کے عالم کا قول پیش کیا جایا کرے، اور وہی مدار کار ٹھیرا، پس طریقۂ تقلید چل نکلا)۔ اور ایک سبب واقع ہوا لوگوں کی بے علمی اور فتویٰ پوچھنا ایسوں سے جن کو نہ حدیث کا علم، نہ طریقۂ تخریج کا جیسا کہ اکثر متاخرین میں شائع ہے۔ چنانچہ ابن الہمام وغیرہ نے اس کو بیان کیا۔ اس وقت میں غیر مجتہد کو فقیہ بولنے لگے۔'' تمام ہوا قول شاہ صاحب کا۔ پھر شاہ صاحب ان لوگوں کے فقہی وغیرہ علوم کے اشتغال کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ان کے بعد قرون **خالص تقلید** پر بڑھے چلے جو حق کو باطل سے اور جدال کو استنباط سے علیحدہ تمیز نہیں کر سکتے تھے۔'' انتہیٰ۔ پھر شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اس

کے بعد جو زمانہ آتا گیا وہ پہلے کی نسبت فتنہ میں زائد اور تقلید (کے رواج) میں بڑھ کر اور لوگوں کے دلوں سے (اللہ کی) امانت (یعنی اس اصلی طریقہ) کو نکالنے والا ہوتا گیا حتیٰ کہ لوگ امور دین کو (شرعی دلائل سے نکالنے) کی بحث چھوڑنے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور کہنے لگے: {إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقْتَدُونَ} (ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہیں کے طریقے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔)[1] اور ہم (افسوس کرتے ہیں کہ) اِس کی شکایت سوا اللہ تعالیٰ کے اور کس سے کریں"۔ انتہیٰ۔ شاہ صاحب نے تقلید کے پھیلنے کے سوا اس سبب سے جو ہم نے لکھا ہے اور بھی کئی سبب بیان کیے۔

حدوث تقلید، خیر القرون کے بعد:

بہر حال کوئی بھی وجہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا رواج پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت زمانے کے بعد ہوا اور جیسا کہ دین میں وقتاً فوقتاً اور نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں، اسی طرح یہ بھی ایک نیا طریقہ نکل کر قائم ہوا۔ اس سے پہلے ابتداء میں تقریباً ایک سو برس تک تو کل ہی مسلمان اور اس کے بعد بھی مدت تک اکثر مسلمان[2] وہی طریقہ رکھتے تھے، جو اہل حدیث کا ہے جن کو آج کل غیر مقلد کہتے ہیں۔ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشین گوئی[3] کے موافق قرون ثلاثہ تو (جو تقریباً دو سو بیس[4] ہجری تک باقی رہے، اس طریقے (مذہب تقلید) سے محفوظ رہے۔ بعد کو یہ رنگ شروع ہوا اور

---

(۱) الزخرف: ۲۳۔

(۲) اکثر اس واسطے کہا کہ اس وقت میں کچھ کچھ اہل الرائے بھی ہو گئے تھے۔

(۳) یعنی وہ جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بہ نسبت آئندہ زمانہ کے قرون ثلاثہ کی خیریت کی بابت ارشاد فرمایا ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہم نے روایت کیا۔

(۴) دیکھو: فتح الباری، پارہ: ۱۴، باب فضائل أصحاب النبي (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ص: ۳۵۳، عبارت یہ ہے: واتفقوا أن آخر من أتباع التابعين ممن يقبل قوله من عاش إلى حدود العشرين ومائتين وفي هذا الوقت ----

ترقی کرنے لگا، مگر چوتھی صدی میں بھی عام رواج اس کا نہ ہونے پایا تھا۔ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چارسو برس بعد اس کو پوری ترقی ہوگئی۔

تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی کی کیوں؟

اب رہی یہ بات کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ)، اور امام شافعی (رحمہ اللہ) اور امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) کی تقلید کی جاتی ہے۔ سوا اُن کے اور جو ہزاروں لاکھوں مجتہد و امام گزرے اور کسی کی تقلید نہیں کی جاتی، اور نیز ان چار مذہبوں کے مقرر ہونے کی کیا وجہ ہوئی۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو عالم، مجتہد جہاں کہیں ہوئے وہ اپنے قرب وجوار (اور بعض دور دراز) کے لوگوں کے (بھی) مرجع [1] بنے کہ لوگ ان کی طرف مشکلات مسائل میں رجوع کرتے اور ضرورت کے وقت ان سے مسائل دریافت کرتے، وہ جب تک زندہ موجود رہے، لوگوں کی حاجات ان سے پوری ہوتی رہیں۔ اور لوگ اُن کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور جب وفات پائی اور انتقال کر گئے، لوگوں کی حاجت روائی کے لئے کوئی نہ کوئی اللہ کے بندے مستعد رہتے ہی تھے۔ ایک ایک مقام پر کئی کئی عالم بھی ہوتے تھے۔ وہ لوگ جیسا کہ اُن کی طرف رجوع کرتے تھے، اِن کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اور ان گزرے ہوؤں کا کچھ دنوں تک ذکر و تذکرہ رہ کر تھوڑے عرصے کے بعد سوائے خواص کے اور اُن کے جن کو فن تاریخ سے دلچسپی ہے یا اُن کے ساتھ اُن کا کوئی سلسلہ قائم ہے، جاننے والا یا اُن کا ذکر و تذکرہ کرنے والا بھی نہ رہتا تھا۔ مگر بعض علماء کے لئے ایسے اسباب مہیا ہوئے اور زمانے نے موافقت کی کہ ان کا نام نامی پیچھے بھی

----ظهرت البدع ظهوراً فاشيا إلى قوله وتغيرت الأحوال تغيرا شديداً۔ یعنی تبع تابعین دوسو بیس برس تک زندہ رہے۔ بس اسی وقت سے بدعتیں پھیلنے لگیں اور دین میں بہت کچھ تغیر (وتبدل) واقع ہوگیا۔

(۱) مگر یہ رجوع بطور تقلید شخصی نہ تھا۔ چنانچہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مشہور رہا اور علیٰ قدر شہرت وموافقت اسباب عوام وخواص میں اُن کا ذکر وتذکرہ جاری رہا اور بعد کو بھی بہت سے لوگ اُن کے نام لینے والے اور اُن کے بتائے ہوئے مسائل پر چلنے والے باقی رہے، اور بعض کو ایسی ترقی ہوئی کہ وہ صاحبِ مذہب کہلائے، اور اُن کے نام کا مذہب چلا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب اُن کی زائد شہرت ہوئی اور اُن کے بہت سے معتقد اور پیرو ہوئے۔ بکثرت اُن کی طرف مسائل میں رجوع ہوا اور اُن کو مسائل صریح نصوص یا اجتہاد واستنباط سے بتانے پڑے، اور اُن کے معتقدین نے وہ مسائل محفوظ کیئے اور ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ پس اس قسم کے مسائل ان مجتہدوں کا مذہب شمار ہوئے اور وہ مجتہد، امام وصاحبِ مذہب کہلائے۔ اس طرح کے بھی عالم اس امت میں سینکڑوں ہزاروں گزرے ہیں۔ علماء کے طبقات اور تذکرے دیکھو۔

دوسرے اصحاب مذاہب:

چنانچہ جن ائمہ کا ذکر ہم ذہبی کے کلام سے پہلے کر آئے ہیں، بہت سے ان میں کے اسی وصف کے تھے۔ تاہم بعض کے نام نامی ہم پھر اس جگہ ذکر کیئے دیتے ہیں۔ ان مشہور چاروں اماموں کے نام تو معلوم ہی ہیں۔ ان کے سوا امام زہری (رحمہ اللہ)[1]، امام شعبی (رحمہ اللہ)، امام عطاء بن ابی رباح قرشی (رحمہ اللہ)، طاؤس (رحمہ اللہ)، حسن بصری (رحمہ اللہ)، محمد بن سیرین (رحمہ اللہ)، قتادہ (رحمہ اللہ)، ضحاک (رحمہ اللہ)، لیث (رحمہ اللہ)، مکحول شامی (رحمہ اللہ)، سلیمان (رحمہ اللہ)، اعمش (رحمہ اللہ)، ابو عبیدہ (رحمہ اللہ)، ابن وہب (رحمہ اللہ)، ابراہیم (رحمہ اللہ)، نخعی (رحمہ اللہ)، حماد (رحمہ اللہ)، سفیان ثوری (رحمہ اللہ)، اوزاعی (رحمہ اللہ)، ابن مبارک (رحمہ اللہ)، ابن ابی لیلیٰ (رحمہ اللہ)، اسحاق بن راہویہ (رحمہ اللہ)، محمد بن جریر طبری (رحمہ اللہ)، داؤد بن علی ظاہری (رحمہ

---

(۱) ہم چاہتے تھے کہ کتب تواریخ وتراجم سے ان بزرگوں کے کچھ کچھ حالات لکھتے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوتا کہ یہ لوگ کیسے کیسے بڑے مجتہد وامام اور صاحب مذہب مستقل اور لوگوں کے مقتداء تھے مگر بخوف طوالت اس سے باز رہے۔

اللہ)، ابوثور (رحمہ اللہ)، وغیرہم ان کے اور ان کے بعد کے زمانہ میں انہیں کے وصف کے اور بھی بہت سے علماء ہوئے۔ ان علماء وائمہ میں سے علیٰ حسب موافقت اسباب ومساعدت وقت کسی کا نام زیادہ مشہور ہوا، اور کسی کا ان کی نسبت سے کم۔ کسی کا نام زیادہ دنوں چلا اور ان کا نام لینے والے اور ان کے اجتہاد پر چلنے والے مدتوں رہے۔ یا اب تک چلا جاتا ہے اور کسی کا نام تھوڑے دنوں چل کر اُن کا نام اور اُن کا مذہب اور اُن کے مذہب کے نام لینے والے اور اس پر چلنے والے صفحۂ روزگار سے مٹ گئے اور سوائے خاص آدمیوں کے کوئی جاننے والا نہ رہا۔

وہ اسباب جو، ان ائمہ کی شہرت وعروج وبقاء نام اور اُن کے مذہب کے قیام کے باعث ہیں، اگرچہ بہت ہیں، مثلاً اُن کی نیک نیتی، ذاتی خوبیاں، کثرت تلامذہ، عمدہ تصانیف۔ مگر سب سے زیادہ مؤثر، اور سب سے بڑا قوی سبب اس کا اپنے معتقدوں اور مخلص [۱] شاگردوں کا (وہ جن کا قصد ہو اپنے استاذ کا نام روشن کرنا اور ان کے نام کے مذہب کو فروغ دینا) ملکی خدمات اور معزز عہدوں کے ساتھ ممتاز ہونا اور سلطنت کے ساتھ رسوخ حاصل کرنا اور ملک میں بااختیار ہونا ہے۔ چنانچہ جس امام ومجتہد کے لئے یہ بات مہیا ہوگئی، ان کے نام ومذہب نے خوب فروغ پایا اور برابر پھیلتا گیا اور حسب قوت وبقاء سبب سلسلہ اس کا آئندہ کے لئے قائم ہوگیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”تو [۲] جس مذہب کے اصحاب مشہور ہوئے اور خدمت قضاء اور افتاء ان کے سپرد ہوئی

---

(۱) مثل مشہور ہے پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند۔ مگر واضح رہے کہ یہ مثل تھوڑی مناسبت سے استشہاد کے طور پر پیش کی گئی۔ عموماً اور بعینہ ایسا ہوتا مراد نہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: فأي مذهب كان أصحابه مشهورين ووسد إليهم القضاء والإفتاء واشتهر تصانيفهم في الناس ودرسوا درساً ظاهراً انتشر في أقطار الأرض ولم يزل ينتشر كل حين وأي مذهب كان أصحابه خاملين ولم يولوا القضاء والإفتاء ولم يرغب فيهم الناس اندرس بعد حين۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۱۵۷، باب الفرق بين أهل الحديث الخ)۔

اوران کی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور لوگوں نے اُن کو پڑھا پڑھایا تو وہ اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ روز بروز پھیلتا رہا۔ اور جس مذہب کے اصحاب غیر مشہور ہوئے اور قاضی و مفتی نہ بنائے گئے اور لوگ اُن کی طرف نہ متوجہ ہوئے، وہ مذہب کچھ دنوں کے بعد مٹ مٹا گیا۔"

حنفی مذہب کے پھیلنے کے اسباب و وجوہ:

ان چار اماموں اور اُن کے مذہبوں کے لئے اتفاق سے یہی قوی و مؤثر سبب مہیا ہو گیا۔ جس سے اُن کے مذہب چل نکلے اور آئندہ کے لئے ان کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "(امام) **ابوحنیفہ** (رحمہ اللہ)[1] کے شاگردوں میں سب سے زائد مشہور (امام) ابو یوسف (رحمہ اللہ) تھے، وہ (خلیفہ) **ہارون رشید** کے وقت میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ یہ سبب ہو گیا (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے مذہب کے پھیلنے اور اسی کے موافق فیصلہ جات ہونے کا اضلاع عراق وخراسان وماوراء النہر میں"۔ علامہ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں: "ابو یوسف (رحمہ اللہ)[2] نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شہرت نہ ہوتی۔" امام ابو یوسف[3] قضاء کے

(۱) عبارت یہ ہے: وكان أشهر أصحابه (أبي حنيفة رحمه الله) ذكرا أبو يوسف (رحمه الله) لولي قضاء القضاة أيام هارون الرشيد۔ فكان سببا لظهور مذهبه والقضاء به في أقطار العراق والخراسان وماوراء النهر۔ (حجۃ اللہ، ص: ۱۵۱، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء)۔

(۲) عبارت یہ ہے: لولا أبو يوسف ما ذكر أبو حنيفة (رحمه الله)۔

(۳) شبلی نعمانی صاحب امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے تذکرے میں لکھتے ہیں: "خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قضا کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی اِن کو اسی عہدے پر بحال رکھا، لیکن ہارون رشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا، جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سر رشتہ قضاء میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل خود ان کی لائف لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔" (سیرۃ النعمان، ص: ۲۹۶) اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "قاضی ابو یوسف (رحمہ اللہ) قاضی القضاۃ تھے اور قضاء کے تمام سر رشتہ ان کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون رشید نے قاضی صاحب کی بغیر اطلاع حفص کو (جو ابو یوسف کے استاذ بھائی اور امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں----

سبب سے اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوئے۔خلیفہ ہارون رشید کے تمام ممالک محروسہ کی (جو ایک نہایت وسیع سلطنت تھی) قضاء کا کل سر رشتہ ان کے ہاتھ میں تھا۔یہی جس کو چاہتے قاضی و مفتی مقرر کرتے اور کچھ ایسے [1] واقعات پیش آئے تھے، جس سے خلیفہ کو اُن سے بے حد اُنس ہو گیا تھا۔اور ان کو سلطنت کے ساتھ نہایت رسوخ حاصل تھا۔امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے بڑے مخلص شاگرد تھے (اور اُن کو ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔اس لئے کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) نے ان کو نہ صرف تعلیم دی تھی، بلکہ [2] وہ ان کی برابر اعانت و دستگیری فرمایا کرتے تھے۔اگر امام صاحب (رحمہ اللہ) ان کی مالی مدد نہ فرماتے، تو امام ابو یوسف علم نہ حاصل کر سکتے) لہذا انہوں نے اپنے استاذ کا نام روشن کرنا چاہا، اور کیا، اور اُن کے نام کا مذہب تمام ممالک مشرق میں پھیلا دیا اور اس کو گویا قانون [3] سلطنت

---سے تھے) مقرر کر دیا۔اس لئے ان کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُن کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے''۔(سیرۃ النعمان، ص: ۲۹۰)۔

(۱) انہوں نے چند مسائل خلیفہ کی خواہش کے موافق جن میں ویسا ہی ہونے کی خلیفہ کو بہت خواہش تھی بتا دیے تھے۔ دیکھو: تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ۔اس وجہ سے خلیفہ ان کی بہت خاطر کرتے تھے۔بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ کبھی معزول نہ ہوں گے۔(دیکھو تاریخ ابن خلکان)۔

(۲) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ''اِن کو (ابو یوسف کو) اگر چہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں، تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ایک دن امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے حلقۂ درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آ کر سمجھایا کہ بیٹا! ابوحنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے، تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو۔قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا۔اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔امام ابوحنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ ''یعقوب (امام ابو یوسف کا نام) اب نہیں آتے''۔ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی۔گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے۔امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔اسی طرح برابر اُن کو مدد دیتے رہے۔یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاذ وقت بن گئے''۔(سیرۃ النعمان، ص: ۲۹۵)

(۳) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ''یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں، نہایت تیزی سے تمام ملک میں-----

قرار دے دیا۔ چنانچہ برابر نظام سلطنت بیشتر انہیں اصول پر قائم رہا۔ جس کے سبب سے اس مذہب کو نہایت شہرت ہوئی اور آگے کے لئے اس کا سلسلہ بڑے استحکام کے ساتھ قائم ہوگیا، اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کے بعد اکثر سلاطین اسی مذہب کے نام لیوا اور اسی کے حامی رہے۔ وہ مذہب وطریقہ جو چل نکلا اور لوگ اس سے مانوس ہو گئے یا کچھ عرصہ تک نظام سلطنت اس کے اوپر قائم رہا۔ پچھلے سلاطین کا اسی پر کاربند ہونا اور اسی کی طرف منسوب ومائل رہنا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ اس لئے کہ عموماً سلاطین کو

---پھیل گئے۔ عرب میں تو ان کے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا۔ کیونکہ مدینہ میں امام مالک (رحمہ اللہ) اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی، عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہوگیا۔ ہندوستان، سندھ، کابل، بخارا وغیرہ میں تو ان کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم بھی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی وحنبلی فقہ کا رواج ہوا، لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا۔ البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہوگیا۔ اور اس کے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقہ میں ۴۰۵ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام اور طریقوں پر غالب تھا۔ لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۶ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی، تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ جو آج تک قائم ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ عنانِ حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی، وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے۔ یعنی ان کو خود دعوائے اجتہاد تھا، اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم اِن میں اگر کسی نے تقلید کو گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعز جو فن بدیع کا موجد تھا، اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ حنفی المذہب تھا۔" (سیرۃ النعمان، ص: ۲۰۴-۲۰۵) اور لکھتے ہیں: "عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا، اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوقی جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرے حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت القدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خرز تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا۔ نورالدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگرچہ وہ شافعی ومالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا، لیکن وہ خود اور اس کا خاندان مذہباً حنفی تھا، صلاح الدین خود شافعی تھا۔ لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسیٰ بن عبدالملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا، علامہ ابن خلکان اس کے حالات میں لکھتے ہیں: حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا۔" (ص: ۲۰۵ تا ۲۰۶ ملخصاً)

اسی کے قریب قریب علامہ شامی (رحمہ اللہ) نے بھی ردالمختار حاشیہ درمختار میں لکھا ہے۔ دیکھو ص: ۴۲، جلد اول مقدمہ۔

انتظام ملکی اور حفظِ دولت کے سوا ایسے امور کی تحقیق و بحث نہیں ہوا کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ ۔

مذاہب اربعہ پھیلنے کے دیگر اسباب:

امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے سوا امام صاحب (رحمہ اللہ) کے اور [1] شاگرد بھی

---

(۱) مذہب حنفی پھیلنے کی وجہ کے بیان میں شبلی نعمانی کی غلطی:

نعمانی صاحب لکھتے ہیں: تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا، وہ صرف چار ہیں۔ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ)۔ مالک (رحمہ اللہ)۔ شافعی (رحمہ اللہ)۔ احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) ص: ۲۰۸۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا، جس کے طلباء نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے، ص: ۲۰۱ اور ایک جگہ امام صاحب کے سینکڑوں شاگردوں کا عہدۂ قضا پر مامور ہونا ظاہر کیا ہے، ص: ۲۰۷، جیسا کہ ہم نے بزور حکومت ان مذاہب کے زور پکڑنے اور جاری ہونے کی بابت لکھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی ایسا تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتداء ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کا مذہب، کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک (رحمہ اللہ) کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک (رحمہ اللہ) کے شاگرد یحیٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص اُن کا مشورہ کے بغیر عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔ (دیکھو: تاریخ ابن خلکان ترجمہ یحیٰ مصمودی)۔ شبلی صاحب اس کو ابن حزم کی ظاہر بینی بتا کر اس سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا، جس میں امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے مذہب نے قبول عام حاصل کرلیا تھا۔ اور اُن کے سینکڑوں شاگرد قضاء کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ (ص: ۲۰۷) لیکن باریک بین مولوی شبلی صاحب کی اس نکتہ چینی کو سوائے کسی ظاہر بین کے کوئی دقیق نظر سے دیکھنے والا پسند نہیں کرسکتا۔ چند وجوہ سے۔ اول: قبل قاضی ابو یوسف کے ایسا قبول ہونا مسلم نہیں۔ جس کو دعویٰ ہے ثبوت دینا چاہئے۔ دوسرے: کلام اس رواج عام میں ہے، جس کا اثر آگے کے لئے بھی پڑے اور آئندہ کے واسطے اُس کا استحکام ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رواج اسی ذریعہ سے ہوا ورنہ ویسی شہرت و قبول، تو اور مجتہدوں اور عالموں کو بھی حاصل ہوئی کہ ان کے زمانے میں اور کچھ عرصے تک ان کے بعد بھی اُن کا مذہب چلا مگر اس قسم کے اسباب جن کو مہیا نہ ہوئے کچھ دنوں کے بعد اُن کا مذہب مندرس ہوگیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ پس قاضی صاحب سے پہلے مذہب کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہوئی (اگر حاصل ہوئی تو) وہ مقصود ابن حزم کے منافی نہیں۔ تیسرے: ابن حزم کے اصل مقصود کے اندر امام ابو یوسف کی کوئی تخصیص نہیں، مقصود تو یہ ہے کہ شاگردوں کے معزز عہدوں پر مامور ہونے اور ملک میں بااختیار ہونے اور سلطنت کی تائید نے مذہب کو رواج عام دیا تو ابو یوسف سے پہلے اگر رواج عام حاصل تھا تو ان سینکڑوں شاگردوں کے عہدۂ قضاء پر مامور ہونے کی وجہ سے تھا۔ جن کا نعمانی صاحب کو خود اقرار ہے جو ابن حزم کا عین مقصود ہے۔

معز زمعز زعہدوں پر مامور ہوئے، جنہوں نے اپنے استاذ کے نام اور مذہب کی اشاعت وحمایت کی اسی طرح **امام مالک** (رحمہ اللہ) کا مذہب بھی جاری ہوا، حکم [1] بن ہشام اموی جن کا لقب تھا منتصر ۱۸۰ھ میں **اندلس** کے خلیفہ ہوئے، انہوں نے یحیٰ بن یحیٰ اندلسی کو نہایت بااختیار عہدہ پر ممتاز کیا۔ خلیفہ ان سے بہت ہی تخصیصی برتاؤ برتتے تھے، اور خود ان کے دروازے پر آتے تھے۔ ملک میں اُن کو وہ عزت حاصل تھی جو کسی کو نہ تھی۔ تمام محکمہ قضاء وافتاء کا انہیں کے اختیار میں تھا۔ سارے بلاد اندلس میں بغیر ان کی رائے کے کہیں کوئی قاضی مفتی مقرر نہ ہوتا تھا۔ امام یحیٰ بن یحیٰ، امام مالک صاحب کے مخلص شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے استاذ کے نام ومذہب کو فروغ دینا چاہا اور اس کو جاری کیا۔ لہذا لوگ امام مالک کے مذہب کو اختیار کرنے لگے۔ اور بلاد اندلس میں امام مالک کا نام اور اُن کا مذہب پھیل گیا۔ اس سے پہلے اندلس کے لوگ زیادہ **امام اوزاعی** کو مانتے تھے۔ اب سلطنت کے زور سے اوزاعی کا مذہب اُٹھ گیا اور امام مالک کا مذہب پھیل گیا۔

افریقہ [2] میں پہلے اصلی دستور کے موافق عموماً **عمل بالحدیث** جاری تھا۔ عبداللہ بن فروج فارسی نے **امام ابوحنیفہ** (رحمہ اللہ) کا مذہب وہاں پہنچایا۔ اور بعض قضاۃ کے ذریعہ سے اُس کو فروغ ہوگیا۔ پھر قضاء علامہ سحنون بن سعید تنوخی کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی حتی کہ معز بن بادیس جبکہ ۴۰۶ھ میں افریقہ کے حاکم ہوئے۔ بزور حکومت انہوں نے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ غرض حکومت کا زور تھا، جس نے تمام ممالک اندلس وافریقہ میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ ان ممالک میں کوئی مفتی قاضی نہیں ہوسکتا تھا، جب تک مالکی فقہ کا نام لینے والا نہ ہو۔ اور عوام کو بھی بمجبوری زیادہ تر اُسی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس لئے

---

(۱) دیکھو: افتراق الأمم یعنی خبیئۃ الأکوان وغیرہ، ص: ۱۰۳۔ اور تاریخ ابن خلکان ترجمہ یحیٰ مصمودی مذکور الصدر۔

(۲) خبیئۃ الأکوان، ص: ۱۰۴۔

تمام بلاد مغربیہ (افریقہ واندلس) میں **امام مالک** کا نام اور اُن کا مذہب پھیل گیا اور اس کی بنیاد خوب مستحکم ہوگئی جیسا کہ بلاد مشرقیہ (خراسان وغیرہ افغانستان وہندوستان) میں امام ابوحنیفہ کا نام اوران کا مذہب پھیلا، اوراس کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

کم وبیش یہی اسباب **امام شافعی** (رحمہ اللہ) اور **امام احمد** (رحمہ اللہ) کے لئے بھی بہم ہوئے، جن سے ان کے نام اوران کے مذہب نے شہرت پائی اور آئندہ کے لئے اس کا سلسلہ قائم ہوا، یہ سبب جس سے یہ چار امام اوران کے مذہب عام طور پر قائم ہوئے اوران کا سلسلہ آگے کے لئے چل نکلا۔ اور دیگر ائمہ اور اُن کے مذہبوں اور اُن کے اصحاب کو بہم نہ ہوا۔ لہذا وہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے اور کچھ دنوں کے بعد معدوم یا گمنام ہوگئے۔

ان چاروں مذہبوں کی روز بروز ترقی اور عام مقبولیت اوران کے سوا کی کمی اور نابود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ابتداء میں جب حکام وقت کی توجہ اور حمایت سے عوام وخواص کو اپنے حوادث وواقعات میں زیادہ تر انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑا تو ان مذہبوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ کیونکہ جب روزمرہ نئے نئے حوادث ان مذہبوں کے سامنے پیش ہوتے رہے اوران کا حکم اُن مذاہب کے اصحاب کو بتانا پڑا تو انہوں نے جب ان نئے حوادث کے احکام صاحب مذہب کے صریح قول میں نہ پائے تو ان کے اقوال سے تخریج کرکے ان کے احکام پیدا کئے اور استنباط کرکرکے ان کے جواب دیئے اور وقتاً فوقتاً جو جو احکام مستخرج ومستنبط ہوتے گئے وہ جمع ہوتے گئے اور ضبط میں آتے رہے تو دن بدن ان مذہبوں کی ترقی وتکمیل ہوتی رہی اور بہ نسبت دیگر مذاہب کے یہ مذاہب اکثر حوادث کے احکام بتانے کے لئے کافی ثابت [1] ہوتے گئے۔ کیونکہ ان میں بہت سے مختلف واقعات کے احکام مستخرج ہوکر ضبط ہوچکے تھے۔ لہذا انہیں کی طرف رجوع ورغبت

---

(۱) لیکن اندورنی حالات ان مسائل کے آگے آئیں گے۔

اور دیگر مذہبوں سے استغناء اور بے رغبتی ہوتی گئی۔ اور نیز جب یہ مذاہب ایک زمانہ تک مرجع اور معمول بہ رہے تو اب وہ مانوس ہو گئے اور طبعی اور اصلی مذہب معلوم ہونے لگے اور لوگ ان کے عادی بن گئے۔ اور یہ ایک مستقل وجہ مقبولیت اور عام طور پر مروج رہنے کی ہے۔ غرض کہ منجملہ اور بہت سے اماموں، مجتہدوں اور ان کے مذہبوں کے صرف ان چار اماموں کے نام اور ان کے مذہب کے باقی رہنے اور عام طور پر مروج ہو جانے اور اوروں کے گمنام اور نا معلوم ہو جانے کی بڑی وجہیں یہ ہوئیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ سارے امام و مجتہد تقریباً یکساں ہی تھے اور کم و بیش سب ہی نے استنباط احکام اور تحقیق مسائل میں ویسی ہی کوششیں کیں جیسے [۱] ان ائمہ اربعہ نے کیں۔

فقہاء کی تصریحات، تقلید ضروری نہیں:

اور کہیں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی حکم نہ دیا تھا کہ فلاں وفلاں چار امام ہوں گے، انہیں کی پیروی کی جائے اور انہیں کے مذہبوں کو اختیار کیا جائے اور ان کے سواء اور کسی امام و مجتہد کے بتائے ہوئے مسائل کا اعتبار نہ کیا جائے (یہ کچھ نہ تھا صرف زمانہ کا دور تھا جس نے ان چار کو باقی رکھا اور ان کے ساتھ موافقت کی اور باقی کے ناموں کو فنا کر دیا) اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے جس میں ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی شک نہیں کر سکتا، تاہم علماء نے اس خیال سے کہ صرف ائمہ کی تقلید کے مروج ہو جانے کے سبب سے عوام غلطی میں پڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چاروں مذہب اللہ نے مقرر کیے ہیں اور ہر ایک مسلمان پر ان میں سے کسی ایک کا پابند رہنا ضرور ہے، اُس کی بھی تصریح کر دی [۲]۔ ملا علی قاری مکی شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) چنانچہ بحر العلوم کے قول میں آگے آ رہا ہے۔

(۲) حقیقت میں یہ بات ان لوگوں کی تصریح کی محتاج نہیں۔ اور اگر وہ نہ لکھتے یا اس کے خلاف لکھ دیتے تاہم وہ ایک نفس الامری بات ہے۔

''یہ [۱] تو ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے بلکہ سب کو اسی کا مکلف کیا کہ اگر خود علم ہو تو (اپنے علم کے موافق) حدیث پر عمل کرے اور اگر بے علم ہو تو عالموں کی تقلید کرے (خواہ کوئی عالم ہو)۔''

اور علامہ ابن حزم [۲] اندلسی فرماتے ہیں:

''وہ کون سی بات ہے جس نے (امام) ابوحنیفہ اور (امام) مالک اور (امام) شافعی کو خاص کر دیا کہ انہیں کی تقلید کی جائے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) وعمر (رضی اللہ عنہ) وعثمان (رضی اللہ عنہ) وعلی (رضی اللہ عنہ) وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) وابن عباس (رضی اللہ عنہما) وعائشہ (رضی اللہ عنہا) اور سعید بن المسیب (رحمہ اللہ) اور زہری (رحمہ اللہ) اور نخعی (رحمہ اللہ) اور طاؤس (رحمہ اللہ) اور حسن بصری (رحمہ اللہ) کی نہ کی جائے۔''

اور مولانا عبد العلی بحر العلوم [۳] لکھنوی شرح مسلّم الثبوت میں اس قول کے جواب میں کہ: ''صحابہ کی تقلید نہ چاہیئے، اس لئے کہ ان کے اقوال خود شرح کے محتاج ہیں۔ بلکہ تقلید ائمہ اربعہ کی چاہیئے۔ جنہوں نے مسائل کو چھانٹا اور شرح وتفصیل کی اور مسائل کے علیحدہ علیحدہ ابواب

(۱) عبارت یہ ہے: من المعلوم أن الله سبحانه وتعالىٰ ما كلف أحدا أن يكون حنيفاً أو مالكياً أو شافعيا أو حنبليا بل كلفهم أن يعملوا بالسنة إن كانوا علماء أو يقلدوا العلماء أن كانوا جهلاء۔

(۲) دیکھو حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۱۶۰۔

(۳) چنانچہ عبارت شرح مسلم بحر العلوم کی مع مسلم کے یہ ہے: قال الإمام أجمع المحققون على منع العوام من تقليد أعيان الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين۔ فإن أقوالهم قد يحتاج في استخراج الحكم منها إلى تنقية كما في السنة ولا يقدر العوام عليه بل يجب عليهم إتباع الذين سيروا أي تعمقوا وبوبوا أي أوردوا أبواباً لكل مسئلة علٰحدة۔ فهذبوا مسئلة كل باب ونقحوا كل مسئلة من غيرها وجمعوا بينها بجامع وفرقوا بفارق وعللوا أي أردوا لكل مسئلة مسئلة علة وفصلوا تفصيلا يعني يجب على العوام تقليد من تصدى بعلم الفقه لا لأعيان الصحابة وعليه ابتني ابن الصلاح منع تقليد غير الأئمة الأربعة هم الإمام الهمام إمام الأئمة أبو حنيفة الكوفي والإمام مالك والإمام الشافعي والإمام أحمد رحمهم الله تعالىٰ---

مقرر کئے۔ ایسا سوائے ائمہ اربعہ کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا لہذا انہیں کی تقلید کرنا چاہیئے۔'' تحریر فرماتے ہیں۔

(محب اللہ بہاری مؤلف مسلّم الثبوت) حاشیہ مسلّم الثبوت پر لکھتے ہیں:

''عراقی نے کہا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو کوئی مسلمان ہوا علماء میں سے جس کی چاہے تقلید (تابعداری) کرے، کوئی ممانعت نہیں۔ (اس اجماع سے ائمہ اربعہ کی تخصیص کا دعویٰ باطل ہو گیا) اور صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا کہ جس نے امیر المؤمنین حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) یا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے فتویٰ لیا، اُس کو اختیار ہے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) یا معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے فتویٰ لے اور ان کے قول پر عمل کرے، کوئی ممانعت نہیں۔ (اس سے تقلید شخصی اور تخصیص مذہب کی باطل ہوئی) اور جس کو ان دونوں اجماعوں کے رفع ہو جانے کا دعویٰ ہو اس کو ثبوت دینا چاہیئے۔''

غرض ان دونوں اجماعوں سے ائمہ اربعہ کی تخصیص اور صحابہ کی تقلید کی ممانعت والا قول

---وجزاهم الله عنا أحسن الجزاء لأن ذلك المذكور لم يدر في غيرهم وفيه ما فيه في الحاشية. قال العراقي: انعقد الإجماع على أن من أسلم فله أن يقلد من شاء من العلماء من غير حجر، وأجمع الصحابة على أن من استفتى أبا بكر وعمر أميري المؤمنين فله أن يستفتي أبا هريرة ومعاذ بن جبل وغيرهما ويعمل بقولهم من غير نكير فمن ادعى برفع هذين الإجماعين فعليه البيان. فقد بطل بهذين الإجماعين قول الإمام وقوله أجمع المحققون لا يفهم منه الإجماع الذي هو الحجة حتى يقال يلزم تعارض الإجماعين بل الذي يكون مختارا عند أحد ويكون الجماعة متفقين عليه يقال أجمع المحققون على كذا ثم في كلامه خلل آخر وهو أن التبويب لا دخل له في التقليد وكذا التفصيل. فإن المقلد إن فهم مراد الصحابي عمل وإلا سأل عن مجتهد آخر، فافهم وبطل بهذا قول ابن الصلاح أيضا. ثم في كلامه خلل آخر. إذا المجتهدون الآخرون أيضا بذلوا جهدهم مثل الأئمة الأربعة وإنكار هذا مكابرة وسوء أدب بل الحق أنه إنما منع من منع من تقليد غيرهم، لأنه لم يبق رواية مذهبهم محفوظة حتى لو وجد رواية صحيحة من مجتهد آخر يجوز العمل بها ألا ترى أن المتأخرين افتوا بتحليف الشهود إقامة له موقع التزكية على مذهب ابن أبي ليلى فافهم. (ص: ۶۳۰ طبع نولکشور)۔

باطل ہوگیا۔ اور اس قول میں ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ (ائمہ اربعہ کے سوا اور کی تقلید کی ممانعت کی بناء جو تبویب وتفصیل پر رکھی ہے تو) تبویب وتفصیل کو تقلید میں کیا دخل۔ اس لئے کہ صحابی کی تقلید کرنے والا اگر مراد صحابی کی سمجھ لے گا اس پر عمل کرے گا۔ ورنہ کسی دوسرے مجتہد سے دریافت کر لے گا۔

ائمہ اربعہ کے سواء دیگر ائمہ کی مساعی اجتہاد:

اور ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی طرح دوسرے مجتہدوں نے بھی (تبویب وتفصیل مسائل میں) کوششیں کی ہیں، جس کا انکار مکابرہ اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ جس نے ائمہ اربعہ کے سواء اور کی تقلید کو منع کیا تو اس خیال سے منع کیا کہ اور مجتہدوں کے مذہب کی روایت محفوظ نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کسی مجتہد سے کوئی روایت صحیح مل جائے تو برابر اس پر عمل درست ہوگا۔ چنانچہ متاخرین (حنفیہ) نے (ایک مسئلہ میں) ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کو قبول لیا۔ ختم ہوا کلام بحر العلوم کا ملخصاً۔

ائمہ اربعہ کے سوا بیسیوں مجتہد ہیں، جن کے مذہب کے مسائل صحیح روایتوں کے ساتھ بکثرت منقول ہیں۔ محدثین کی کتابوں [1] کو دیکھو، جنہوں نے مجتہدین کے مذاہب اور ان کے اختلافات کو بیان کیا۔ محدثین نے جو مذہب کسی کے ذکر کئے تو بلا معتبر اسناد کے نہیں ذکر کئے۔ ترمذی نے جس قدر مذاہب لکھے ہیں، آخر کتاب میں سب کی اسناد بتادیں، اسی طرح اور محدثین کا بھی حال ہے۔ پس یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ اور مذاہب کی روایتیں محفوظ نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ائمہ

(۱) <u>بعض ان کتابوں کے نام جن میں مذاہب علماء مذکور ہیں:</u>

دیکھو جامع ترمذی شرح ترمذی للحافظ العراقی۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ استذکار۔ تمہید لابن عبد البر۔ کتاب المغنی لابن قدامہ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نیل الاوطار۔ وغیرہا۔ ان کتابوں میں صحابہ وتابعین و دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب واختلافات اور ان کے مجتہدات بہت وضاحت کے ساتھ اور معتبر ذریعوں سے لکھے ہیں۔ (آخر الذکر تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ وللہ الحمد۔ ع۔ ح۔)

اربعہ کے مذاہب کی طرح اور مذاہب میں صاحب مذہب کے اقوال پر برابر اضافے اور تخریجیں نہیں ہوئیں۔ جس کی وجہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مذاہب اربعہ من عند اللہ نہیں:

بہر حال ہم کو جو یہاں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی طور پر ان چار اماموں اور ان کے مذاہب کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اور جیسا کہ عوام کا خیال وطرز عمل ہے کہ ان چاروں اماموں اور اُن کے مذہبوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا اور ہر مسلمان پر واجب الاتباع سمجھتے ہیں، صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا صرف رواج اور وجوہ مذکور بالا کے سبب سے ہوا۔

اصحاب مذاہب اربعہ کی باہم چشمک:

ان چار مذاہب کے اصحاب آپس میں چشمک (۱) بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے مذہب کے فروغ دینے اور دوسرے کے زیر کرنے کی تدبیریں وکوششیں کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمارا ہی مذہب منظور نظر سلاطین رہے۔ اور اِسی کے موافق نظام سلطنت ہو۔

مذاہب اربعہ، ظل حکومت ہیں:

چنانچہ (۲) استاذ ابو حامد اسفرائینی نے جب خلیفہ ابو العباس القادر باللہ کے دربار میں رسوخ پایا تو خلیفہ سے اس بات کی منظوری حاصل کرالی کہ ابو محمد بن اکفانی حنفی قاضی بغداد کو معزول کرکے بجائے اُن کے ابو العباس خامل یا مازری شافعی کو قاضی مقرر کیا جائے۔ بیچارے قاضی ابو محمد صاحب کو خبر بھی نہیں۔ آخر وہ معزول ہوئے اور مازری قاضی مقرر کئے گئے اور ابو حامد اسفرائینی نے

---

(۱) چنانچہ اِس کے متعلق بیانات آگے آتے ہیں۔

(۲) خبیۃ الاکوان، ص: ۱۰۴، مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۹۱ھ۔

ادھر سلطان **محمود** بن سبکتگین کو (جو اس وقت اعظم السلاطین تھے) لکھ بھیجا کہ خلیفہ نے محکمہ قضاء کا حنفیوں سے نکال کر شافعیوں کو دیا ہے (لہٰذا تم کو بھی اپنے ممالک میں اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔) اس انقلاب سے خراسان میں بھی شور اُٹھا[1] اور بغداد (دار الخلافہ) کے لوگ بھی مختلف ہو کر دو فریق ہو گئے اور ملک میں فساد و فتنہ پھیل گیا۔ آخر خلیفہ کو سابق دستور کے موافق بدلنا پڑا اور مازری کو معزول کر کے افغانی کو قضا دی، یہ ۳۹۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی طرح برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ کبھی کوئی غالب ہو جاتا تھا کبھی کوئی۔ اور جھگڑے قضیے ہوتے رہتے تھے۔ آخر[2] ۶۶۵ھ شاہ بیبرس بندقداری نے چاروں مذہب کے چار قاضی مقرر کئے۔ اس سے پہلے مصر میں سوائے شافعی المذہب کے کوئی قاضی مقرر نہ کیا جاتا تھا۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ مصر میں پہلے تو تشیع غالب تھا۔ سلطان صلاح الدین نے جب دولت شیعیہ کا ازالہ کر کے مصر میں اہل سنت کا قدم جمایا، تو چونکہ سلطان صلاح الدین شافعی المذہب تھے۔ لہٰذا انہوں نے محکمہ قضا صدر الدین مارانی شافعی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پس اقلیم مصر میں سوا شافعی المذہب کے کوئی قاضی نہ ہو سکتا تھا۔ سلطان مذکور اگرچہ امام شافعی کے مذہب کے معتقد تھے۔ مگر انہوں نے جہاں فقہائے شافعیہ کے لئے مصر میں مدرسہ کھولا۔ ایک مدرسہ فقہائے مالکیہ کے لئے بھی کھول دیا تھا۔ اس وجہ سے مصر میں مالکی مذہب بھی چل نکلا تھا۔ اُدھر سلطان نور الدین **محمود زنگی** حنفی مذہب کے بڑے حامی تھے۔ اِن کے سبب سے بلاد شام میں حنفی مذہب خوب زوروں پر تھا۔ اُنہیں کے اثر سے مصر میں بھی حنفی مذہب پھیلنے لگا۔ مگر قضا مصر میں شافعیوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ حتی کہ جب سلطنت مَلِک بیبرس کے ہاتھ آئی، تو انہوں نے ہر مذہب کا ایک ایک قاضی مقرر کیا۔ ایک شافعی، ایک مالکی، ایک حنفی، ایک حنبلی۔ اُس وقت سے آئندہ کے لئے یہی دستور جاری ہو گیا۔ اور اب سے گویا **سرکاری طور پر چاروں**

---

(۱) کیونکہ حنفی کب چاہتے تھے کہ شافعی المذہب قاضی مقرر ہو۔

(۲) خبیۃ الاکوان، ص: ۱۰۵، رد المختار حاشیہ در مختار میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھو مقدمہ، ص: ۴۲۔

مذہب تسلیم کر لئے گئے اور ان چاروں مذہبوں کی سلطنت حامی ہوگئی (اُن کے سوا اگر کوئی تھا، اُن کا کوئی پرسان حال نہ تھا) لہٰذا اُن کو ترقی نہ ہوتی تو کس کو ہوتی اور دوسرے بیچارے گمنام اور نابود نہ ہوتے تو کیا ہوتے)۔

چار مصلوں کا حرمین میں قیام اور اس کے اثرات:

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور برابر اُن کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ آخر سلطان **فرح بن برقوق** نے جو کہ اشر ملوک چراکسہ کہے جاتے ہیں، اوائل نویں صدی [1] میں مسجد کعبہ شریف کے اندر چاروں مذہب کے چار مصلے بھی قائم کر دیے۔ اور اچھی طرح سے دین محمدی کو چار حصوں اور چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ اگرچہ اس احداث پر اس وقت کے حق شناس [2] علماء نے مخالفت بھی کی۔ مگر جس بات کی اتنے دنوں سے تمہید جم رہی ہو اور اب ایک بااختیار بادشاہ کے ذہن میں ٹھن گئی ہو، وہ کیسے ٹل سکتی

---

(۱) دیکھو: إرشاد السائل إلى دليل المسائل للعلامة الشوكاني۔ عبارت یہ ہے: عمارة المقامات بمكة المكرمة بدعة بإجماع المسلمين أحدثنا أشر ملوك الجراكسة فرح بن برقوق في أوائل المائة التاسعة من الهجرة وأنكر ذلك أهل العلم في ذلك العصر ووضعوا فيه مؤلفات۔ (ص: ۹۵، مطبوعہ در مجموعۃ الرسائل المنیریۃ، ج: ۳۔ ع۔ ح۔)۔

(۲) کسی کام کا مکہ میں ہونا اُس کی صحت کی دلیل نہیں:

زمانہ مابعد کے علماء نے بھی اِن مصلوں کے قائم کرنے کو امر زبون اور بدعت کہا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں تحت آیت: {وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ} [البقرة: ۷۴] کے اس کو بدعت لکھتے اور مخالف فریق کو بھی اس کے اقرار سے چارہ نہیں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب سرگروہِ احناف دیوبند سبیل الرشاد میں تحریر فرماتے ہیں: ''البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں، لاریب یہ امر زبون ہے کہ تکرار جماعات وافتراق اِس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت کے ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی۔ اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں۔ مگر یہ تفرقہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے نہ علماء متقدمین سے بلکہ کسی وقت میں سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل علم اہل حق پسند نہیں کرتا۔ پس یہ طعن نہ علماء اہل حق مذاہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے۔ انتہیٰ۔ دیکھو، ص: ۳۳۔ اسؔ سے ثابت ہوا کہ مخالف فریق کو بھی تسلیم ہے کہ---

تھی۔ چنانچہ نہ ٹلی۔

اور اس کا اثر ان مذہبوں کے استحکام اور اُن کی تقلید کی بابت عموماً لوگوں پر ایسا پڑا جو کسی دوسرے ذریعہ سے بمشکل پڑ سکتا تھا۔ اور عوام کے ذہنوں میں یہ بات اچھے طور پر قائم ہوگئی کہ یہ چاروں مذہب اور اُن کی تقلید اصلی طریقہ اسلام اور عین حکم الٰہی ہے، جس کی مخالفت کسی مسلمان کو جائز نہیں اور جس نے اُس کا خلاف کیا، اُس نے اسلام اور اصل طریقۂ اسلام کا خلاف کیا، حالانکہ اُس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے جو معلوم ہو چکی ہے۔ اور چونکہ ان چاروں مذاہب کا سلسلہ مجموعی ہیئت سے کہ چاروں مل کر ایک سمجھے جاویں جاری نہیں ہوا جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا۔ اگر ایسا ہوتا تو چار کہلاتے ہی کیوں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے علیحدہ اور دوسرے کا حریف و مقابل تھا اور ہر ایک کے پیرو اور معتقدین اور اصحاب علیحدہ علیحدہ تھے۔ لہٰذا جس طرح جدا جدا ان مذاہب کو استحکام ہوا،

---کسی بات کا مکہ میں ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ عند اللہ بھی صحیح ہو، پس عوام کا یہ خیال کہ تقلید شخصی عند اللہ حق نہ ہوتی تو مکہ مدینہ میں کیوں کی جاتی۔ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا۔ حرمین شریفین کی بزرگی اور وہاں کے ذاتی فضائل سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا بلکہ ہم تو مدینہ کے بھی حرم ہونے کے قائل ہیں کیونکہ حدیث میں اس کا حرم ہونا آیا ہے۔ اور حنفیہ اس کو حرم نہیں مانتے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا وہاں کے سب باشندے خطا سے معصوم اور غلطی سے پاک ہیں یا وہاں کوئی ناجائز بات نہیں ہو سکتی۔ ملا علی قاری مکی حنفی مرقات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: اگر متقدمین ان متاخرین کو دیکھتے جس پر ہمارے زمانہ کے غفلت کرنے والے لوگ ہیں تو وہ حرمین شریفین کی مجاورت کی حرمت کا حکم لگا دیتے۔ (حرمین میں) ظلم کے شائع ہو جانے اور جہل کی کثرت ہو جانے اور بری باتوں اور بدعات کے پھیل جانے اور اکل حرام وشبہات کی وجہ سے ملا علی قاری نے خاص بدعات حرمین کے بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ عینی (جن پر حنفیہ کو بہت ناز ہے) شرح صحیح بخاری میں اُس حدیث کی شرح میں جس میں ایمان کا مدینہ کی طرف سمٹنے کا ذکر ہے، لکھتے ہیں: ''یہ بات پیغمبر صاحب (ﷺ) کے وقت میں اور اُن کی قریب کے زمانوں میں تھی قرون ثلاثہ تک۔ اور اس کے بعد تو احوال بگڑ گئے اور بدعات کی کثرت ہوگئی، خصوصا ہمارے زمانے میں''۔ انتہیٰ۔ بہر حال کسی عمل یا کسی مسلک کا حرمین شریفین میں ہونا اُس کے حق ہونے کے لئے سند نہیں ہو سکتا۔ ایک زمانہ میں تمام شرفاء مکہ زیدی شیعہ ہو گئے تھے اور وہاں کی امارت بھی انہیں کے ہاتھ تھی۔ دیکھو: صواقع علامہ نصر اللہ کابلی۔ چنانچہ رسالہ غاية الكلام في إبطال عمل أمور القيام میں اس کو مفصل لکھا ہے، ہم نے بھی اُسی سے نقل کیا۔ مؤلفہ مولانا بشیر الدین قنوجی ص: ۱۱۱ طبع ۱۲۸۰ھ۔ ع۔ ح۔

اسی طرح اِن مذاہب اوران کے اماموں کی تقلید شخصی بھی قائم ہوئی۔جو شخص جس امام کا معتقد و پیرو وطرفدار تھا، اسی امام کی طرف منسوب ہوا اور اُن کا مقلد کہلایا اور ہر موقعے وحادثے میں اُسی امام کے فرمودے اور عندیے کو تلاش کرنے لگا۔اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ہر ایک کو اپنے منسوب الیہ کی حمایت اور اُس کے مذہب کی پاسداری اور اُس کی محبت وطرفداری بڑھتی گئی، یوں تقلید شخصی قائم و مستحکم ہوگئی۔

پہلے زمانے میں تقلید شخصی کا عدم التزام:

اگر چہ پہلے زمانے میں جب کہ اُن مذاہب کے فروغ کا ابتدائی زمانہ تھا اوران کے سواء اور مجتہدوں کے مذاہب پر بھی عمل درآمد ہوتا تھا۔لوگوں کو کسی خاص امام یا مجتہد کی تخصیص ملحوظ نہ تھی بلکہ ہر مجتہد و امام اپنے قرب وجوار یا دور دراز کے لوگوں کا مقتداء ہوتا تھا۔ایک ایک شہر میں کئی کئی امام و مجتہد بھی ہوتے تھے اورلوگ ان کی طرف بلاتعیین وتخصیص رجوع کرتے تھے اور جس عالم سے چاہتے تھے، مسئلہ معلوم کرلیتے تھے، اگر کہیں سفر میں جانے کا اتفاق پڑتا، تو وہاں کے اہل علم سے اپنے حوائج رفع کرتے۔غرض اُن کو کسی امام و مجتہد اور اُس کے مذہب کی خصوصیت مدنظر نہ[1]

---

(۱) شیخ ابن عبد السلام فرماتے ہیں: ”ہمیشہ لوگوں کا دستور یہی رہا ہے کہ بلاتقیید کسی مذہب کے جس عالم سے اتفاق پڑ جاتا تھا، مسئلہ دریافت کرتے تھے اور پوچھنے والا کسی سے پوچھے کوئی اس پر اعتراض نہ کرتا (برابر یہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ یہ مذاہب اوران مذاہب پر تعصب کے ساتھ تقلید کرنے والے ظاہر ہوئے، تو پھر یہ بات جاری رہے۔“ (حجۃ اللہ، ص: ۱۶۰، فصل مسائل متفرقہ۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید، ص: ۹۸ میں فرماتے ہیں: ”شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتوی دیتے اور عمل کرتے تھے اور) یہ ایسے طور پر نقل کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ بات ہے جس پر اگلے پچھلے علماء کا برابر عمل درآمد رہا ہے حتی کہ وہ بات ایک ایسی متفق علیہ ہوگئی جس کو سبیل المؤمنین کہہ سکتے ہیں، شی جس کا خلاف جائز نہیں۔انتہی۔اس کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اسی طرح بلاتعیین مذہب کے عمل وفتویٰ کا ہونا ان تمام قرون اولیٰ کے اندر حنفیہ کو بھی مسلم ہے، چنانچہ ان کے اقوال معیار الحق میں ذکر کئے گئے ہیں۔

تھی بلکہ ان کو صرف حکم شرعی معلوم کرنا ہوتا تھا اور اللہ اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان، خواہ کسی رہبر سے ہاتھ لگے۔ مگر جب ان مذاہب اربعہ نے برخلاف دیگر مذاہب کے خاص ترقی حاصل کی، اور آئندہ کے لئے اپنا استحکام پیدا کیا، تو جس طریق اور جس طرز عمل سے ان کا سلسلہ مستحکم ہوا اُس کے لئے اس طرح تقلید شخصی کا قائم ہو جانا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اسی طرح ہوا بھی۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں جس مذہب نے رواج پایا، اُس کو رواج دیا گیا۔ دیگر طریقے وہاں سے اگر بالکل رخصت نہیں ہوئے تو کمزور اور مضمحل تو ضرور ہی ہو گئے اور وہاں کے لوگ عموماً اُسی رواج یافتہ مذہب کی پیروی کرنے لگے اور اپنے تمام حوادث وواقعات میں اسی مذہب کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور وہی ان کا مذہب قائم ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ تک اسی طرح رہنے کے بعد اس کے ساتھ مانوسیت اور اُس کی موروثیت کی وجہ سے اُس کی محبت اور اُس کی پاسداری اور اُسی کی تخصیص بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ ہونے لگا کہ ہمارے امام کے نزدیک یہ ہے اور ہمارے مذہب میں اس طرح ہے۔ اور ہر امام کا مذہب اس کے پیرووں میں دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بطور مستقل شریعت کے قائم ہو گیا اور ہر ایک کو دوسرے کا مذہب اپنے سے غیر اور خلاف معلوم ہونے لگا اور پھر ہر ایک مذہب والا بمقابلہ دوسرے کے اپنے مذہب کی افضلیت واولیت کے وجوہ دلائل قائم کرنے لگا۔

مقلدین کی بحثوں میں افراط وتفریط:

اور اس قسم کے بحث مباحثوں کو بہت کچھ ترقی ہو گئی۔ خصوصاً جب کہ بعض سلاطین [1] کو اس قسم کے

---

(۱) دیکھو: حجۃ اللہ البالغۃ، ص:۱۵۸، امام شافعی (رحمہ اللہ) وامام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے مسائل پر بحث و باہم وجوہ ترجیح جو زیادہ تر کتب فقہ واصول میں مذکور ہیں اور امام مالک (رحمہ اللہ) اور امام احمد (رحمہ اللہ) کے مسائل سے اس قدر تعرض نہیں۔ اُس کی بھی وجہ یہی کہ سلاطین کو اسی طرف زیادہ تر توجہ پیدا ہوئی تھی، جیسا کہ شاہ صاحب نے ذکر کیا۔ میزان شعرانی میں علماء شافعیہ وحنفیہ کی ایک جماعت کا حال لکھا ہے کہ وہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے تھے، اس لئے کہ قوی رہیں۔---

مباحث کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو ہر ایک مذہب کے لوگوں نے اپنے مذہب کے کچھ نہ کچھ وجوہات عقلی یا نقلی پیدا کر کے اس کو راجح ثابت کیا اور بعض نے تو اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے یہاں تک افراط وتفریط سے کام لیا کہ اپنے امام کی مدح وغیرہ اور دوسرے مذہب کے امام کی مذمت میں حدیثیں بنا کر مشہور کیں [1]۔ کسی نے اپنے امام کے ایسے مبالغہ آمیز محامد [2] اور دوسرے مذہب کے امام نسبت

---تا کہ ایک دوسرے سے مناظرہ کرے، اور ایک دوسرے فریق کا جواب دے۔ اور اس کو زیر کرے۔ اگر روزے رکھیں گے تو کمزور ہو جائیں گے اور مناظرے ومباحثے میں ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ دیکھو ص:۳۹، مطبوعہ مصر۔

(۱) <u>مدح وقدح ائمہ میں موضوع روایتیں:</u>

کسی نے یہ حدیث بنائی: يكون في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج أمتي۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: إن سائر الأنبياء يفتخرون بي وأنا أفتخر بأبي حنيفة من أحبه فقد أحبني ومن أبغضه فقد أبغضني۔ کسی نے یہ بنائی: لو كان في أمتي موسىٰ وعيسىٰ مثل أبي حنيفة لماتهودوا ولما تنصروا۔ کسی نے یہ بنائی: سيأتي بعدي رجل يقال له النعمان بن ثابت الكوفي ويكنى بأبي حنيفة ليحسن دين الله وسنتي على يده۔ کسی نے یہ بنائی: يخرج في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة وبين كتفيه خال الخ۔ کسی نے یہ بنائی: ألا أنبئكم برجل من كوفتكم هذه يكنى بأبي حنيفة قد ملئى قلبه علماً وحكماً ويملك قوم في آخر الزمان الغاية عليهم التنافر يقال لهم البنانية كما هلكت الرافضة بأبي بكر وعمر۔ کسی نے یہ بنائی: يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن ادريس أضر على أمتي من إبليس۔ یہ وہ احادیث ہیں جو حنیفہ نے امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کی مدح اور امام شافعی صاحب کی مذمت میں بنائیں۔ اسی طرح شافعیہ نے اس کے مقابلے میں اپنے امام کی تعریف اور دوسرے کی مذمت میں بنائی ہوں گی۔ یہ اپنے امام کی حد درجہ کی پیچ وحمیت تھی، جو ایسا کراتی تھی۔ لیکن بعد ازاں پھر انہیں کے ہم مشرب علماء کو بجز اس بات کے تسلیم کرنے اور کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا کہ یہ احادیث موضوع اور جھوٹی ہیں۔ دیکھو مؤلفات شیخ قاسم حنفی وملا علی قاری وشیخ عبد الحق دہلوی ومولانا عبد الحیٔ لکھنوی (رحمہم اللہ)۔ ہمارے زمانے کے جن لوگوں کو اس قسم کی حدیثوں اور جھوٹی دلیلوں کے ساتھ اپنے مخالف فریق کو زیر کرنے کی دلچسپی ہے وہ اگر مذکور الصدر حدیث میں بجائے البنانیہ کے الوہابیۃ ترمیم کر دیں تو ان کو زیادہ مفید ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جہاں اسباب وضع حدیث کے بیان کیے۔ وہاں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ مقلدین نے بھی شدت تعصب کی وجہ سے حدیثیں بنائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: والحامل للواضع على الوضع إما عدم الدين أو فرط العصبية المقلدين۔ ملخصاً۔ نزہۃ النظر، صفحہ:۴۱۔ مطبوعہ فاروقی پریس۔

(۲) کوئی کہتا ہے امام ابوحنیفہ صاحب کا وہ مرتبہ ہے کہ خضر (علیہ السلام) بھی ان سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں روزمرہ صبح کو حاضر ہو کر امام صاحب سے علم حاصل کرتے رہے۔ جب امام صاحب کی وفات ہوگئی، تو خضر نے بارگاہ الٰہی میں بڑی تضرع کی۔ آخر اجازت ملی کہ قبر پر جا کر سیکھ آیا کریں تو پچیس برس تک امام صاحب کی---

ایسے ناشائستہ (۱) الفاظ بولے جوکسی طرح زیبا نہ تھے۔کسی نے اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے عمداً اصول (۲) کے ایسے قواعد ممہَّد کئے، جس سے اپنے مذہب کے مسائل چسپاں ہو جائیں

---قبر شریف پر حاضر ہو کر تحصیل علم کرتے رہے۔بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ خضر نے جو امام صاحب سے علم شرح محمدی حاصل کیا تھا۔وہ اُنہوں نے امام قشیری کو سکھا دیا۔امام قشیری نے کتابیں تصنیف کر کے ایک صندوق میں بند کرا کر دریائے جیحون میں ڈال دیں۔جب عیسیٰ (علیہ السلام) نزول فرمائیں گے۔تو انہیں کتابوں کو نکال کر ان پر عمل درآمد کریں گے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مہدی بھی حنفی مذہب کے مقلد ہوں گے۔کوئی لکھتا ہے مسجد کوفہ میں مسند افادہ پر جب آپ بیٹھتے تھے،تو ہزار شاگرد ان کے گرد ہوتے تھے اور ۴۰ مستعد مجتہد پاس موجود رہتے تھے۔جب کوئی مسئلہ استخراج کرتے تو ان سے مشورہ ومباحثہ کرتے۔بعد مہینے دو مہینے کے جب خوب ٹھیک درست ہو جاتا تب حکم نفاذ کا جاری کرتے۔اس طرح پر تدوین فقہ کی مدت تیس برس بتائی جاتی ہے۔ہم نہیں کہہ سکتے اس مجلس شوریٰ کا بیان کہاں تک صحیح ہے۔لیکن اِس کی کچھ حقیقت ہمارے استاذ بھائی مولانا **عبدالعزیز صاحب** رحیم آبادی مدظلہ نے کتاب حسن البیان میں کی ہے۔امام صاحب کی عبادت کے بیان میں مبالغہ کے ساتھ انواع عبادت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عادۃً ان کا جمع کرنا خصوصاً ایسے شخص کو جس کو اتنا بڑا مشغلہ علمی ہو۔ایک غیر ممکن الوقوع امر ہے۔یہ تمام باتیں اور حدیثیں جو ہم نے لکھیں کتب فقہ ومناقب میں دیکھو۔اگرچہ امام صاحب یا کسی دوسرے امام کے واقعی فضائل سے کسی سمجھ دار کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کی وجہ ہے بلکہ ان کا ایسا ہونا اسلام کی زینت کا باعث ہے۔مگر مقصود یہاں پر صرف اس قدر ہے کہ مقلدین نے کیسے خلاف واقع بیانات سے کام نکالنا چاہا۔

(۱) امام شافعی صاحب کی نسبت ابلیس سے بھی زائد بد ہونے کا جو لفظ بولا گیا، وہ تم ابھی دیکھ چکے اور بعض نے جہل کے اقسام بیان کر کے جہل کی اس قسم میں جس میں بندہ آخرت میں معذور نہیں رکھا جا سکتا (بلکہ عذاب دیا جائے گا) کافروں و باغیوں ومعتزلہ ومتبدعہ کے ساتھ امام شافعی صاحب کو بھی شریک کر دیا۔دیکھو: نور الأنوار،ص: ۳۰۰، انوار محمدی پریس۔انہوں نے اس موقع پر امام شافعی کو نہ صرف جاہل کہا بلکہ ایسا جاہل ٹھہرایا جو مواخذہ اخروی سے بری نہیں۔

اہل حدیث پر ائمہ کو برا کہنے کا بیجا الزام اور اس کی اصل وجہ:

افسوس آپ جو چاہیں سو کہیں کچھ حرج نہیں اور سب جائز ہے۔اور **اہل حدیث** بے چاروں پر مفت میں الزام ہے کہ وہ ائمہ کو برا کہتے ہیں۔اصل بات یہ ہے جو بات یا لفظ اپنے مرکوز خاطر کے خلاف سنتے ہیں، وہ بری ہی معلوم ہوتی ہے، گو نفس الامر میں وہ کوئی بری بات نہ ہو۔اور چونکہ اہل حدیث سے بدظنی ہے اس وجہ سے یہ لوگ اگر کوئی اچھی بات بھی کہیں یا کوئی تحقیقی امر لکھیں وہ بھی برا ہی لگتا ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کی توہین کی غرض سے کہا اور ان کو برا کہہ دیا۔ **وإلی اللہ المشتکی**۔

(۲) قواعد اصول فقہ اور دلائل کتب فقہ کا کچھ حال:

اصول فقہ کی کتابوں میں باستثناء خاص خاص اصول وقواعد کے اکثر قواعد (خصوصاً مناظرات ومجادلات کے موقعوں پر)--

اور مخالف کی بات کارد ہو جائے۔گو اِن قواعد سے کوئی دوسرا محذور ہی لازم آتا ہو۔الغرض اس طور پر ان مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی قائم ہوئی اور ہر ایک مذہب کے پیرو اس مذہب کے مقلد ٹھیرے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ تخصیص کے ساتھ ایک امام کے پابند نہ ہوتے بلکہ دیگر ائمہ کے اقوال پر بھی بلالحاظ خصوصیت عمل کرتے رہتے یا براہ راست خود قرآن وحدیث سے استدلال کر کے عمل کیا کرتے تو وہ پیرو یا مقلد اس امام اور اس مذہب کے کیوں کہلاتے۔بجائے اس کے وہاں تو ہر مذہب علیحدہ علیحدہ تخصیص کے ساتھ قائم ہو گیا اور ہر فریق خصوصیت کے ساتھ اپنے امام کی تقلید کرنے لگا اور دن بدن اس کو ترقی اور پختگی ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ تعصب بھی بڑھتا گیا۔اور یہ ایک مستقل وجہ ہے مذہب تقلید کے شروع ہونے اور پھیلنے کی۔

حکومتوں کا عمل دخل،شیوع مذاہب میں:

اور زمانہ مابعد میں مذہب تقلید کے عام طور پر پھیلنے اور اُس کے استحکام وترقی پانے کی

---اسی قسم کے ہیں کہ اپنی موافقت ومخالف کے رد کی رعایت سے لکھے گئے ہیں۔گو بعض ناظرین اس بات کو جن کے کان پہلے اُس سے آشنا نہیں ہوئے ہیں۔تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے،مگر وہ شخص جن کو ان کتب پر تحقیقی اور غائر نگاہ ہے۔ کبھی اس بات میں تعجب نہیں کرے گا۔ہم کو اگر فرصت ہوئی تو ان شاء اللہ ہم ایک مستقل تصنیف میں اسباب کو مفصل بیان کریں گے اور کچھ بیان اس کے متعلق آگے بھی آتا ہے۔کتنی جگہ ہدایہ وغیرہ کی طرزِ استدلال وجواب کی بھی یہی حالت ہے۔مخالف کے دلائل اپنی طرف سے قائم کر کے اپنے اصول کے موافق اس کے جواب دیتے ہیں۔مخالف کی کتاب میں دیکھا جائے تو کہیں اُس دلیل کا جو اُس کی طرف سے قائم کر کے جواب دیا ہے۔پتہ نہیں بلکہ وہاں اور ہی دلائل مذکور ہوتے ہیں۔اصل یہ ہے کہ یہ مناقشات ودلائل پچھلوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور حقیقت میں بنا مذہب کی ان پر نہیں۔شاہ ولی اللہ صاحب ''حجۃ اللہ'' میں لکھتے ہیں:''بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ مذہب کی بنا اِن مناقشات جدلیہ پر ہے،جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں سب سے پہلے معتزلہ نے پیدا کیں (جو عقائد میں معتزلہ تھے اور فروعات میں حنفی) پھر متاخرین نے اسی کو پسند رکھا۔'' عبارت یہ ہے: وبعضهم يزعم أن بناء المذهب على هذه المحاورات الجدلية المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذلك ولا يعلم أن أول من أظهر ذلك فيهم المعتزلة وليس عليه بناء مذهبهم۔اھ۔ملخصاً۔ص:۱۶۵

ایک قوی وجہ یہ ہوئی کہ اکثر سلطنت کا مذہب تقلید رہا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور چونکہ زیادہ سلاطین حنفی ہوئے، اس وجہ سے حنفی مذہب کی تقلید کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی۔ اور جب سلطنت کا مذہب تقلید رہا تو رعایا کا زیادہ تر اسی مذہب پر ہونا اور اُسی پر مائل رہنا ایک لا بدی اور ضروری الوقوع امر تھا۔ کیونکہ اول تو بادشاہ وسلطنت کا کسی وضع یا مسلک پر ہونا قطع نظر دوسری باتوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کافی ہے۔ کیا تم اپنے زمانے کے میلانِ طبع کو نہیں دیکھتے۔ باوجود شرعی مزاحمت اور علماء کے روکنے کے کس قدر لوگ انگریزی وضع قطع۔ چال ڈھال۔ طرز معاشرت۔ آداب اکل وشرب۔ اقسام کھانوں وغیرہ کی طرف جھکے چلے جاتے ہیں اور بلا کسی ضرورت یا معتد بہ نفع کے اُسی کی طرف مائل ہیں۔

دوسرے ظاہر ہے کہ سرکاری مذہب کے اختیار کرنے میں ملکی خدمت۔ معزز عہدے عزوجاہ۔ رجوع خلائق۔ وغیرہ، جو ہاتھ آسکتے ہیں خلاف میں نہیں آسکتے۔ تیسرے سرکاری طریقہ اور مروج مسلک عموماً باعث امن وعافیت ہوتا ہے۔ اُس کے خلاف میں ذلت ومصائب وآفات کا سامنا ہوتا ہے۔ چوتھے جس نے اس وسطی زمانہ کے سلاطین کی تواریخ دیکھی ہے، وہ جانتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان بادشاہ کی کسی امر میں مذہباً مخالفت کیسی دشوار تھی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنت کا مذہب ومسلک رعایا میں بہت زور کے ساتھ اشاعت پاتا ہے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے ''الناس علی دین ملوکھم''۔ شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ دیکھو۔ سلطنت کے پلٹنے سے عام رعایا کا رنگ کس قدر بدل جاتا تھا، اسی طرح کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عموماً سرزمین ایران پر جتنے پیدا ہوتے ہیں، وہ سب ہی کج رائے اور بے سمجھ پیدا ہوتے ہیں کہ وہاں جو پیدا ہوتا ہے، وہ شیعہ ہی ہو جاتا ہے اور وہاں سب شیعہ ہی شیعہ نظر آتے ہیں اور دوسرے ممالک کی سرزمین پر سب مستقیم الرائی اور صحیح ذہن کے پیدا ہوتے ہیں کہ جو اس کے خلاف حق مذہب کو نہیں اختیار کرتے بلکہ سنی ہی

ہوا کرتے ہیں۔ و قس علی ھذا۔ اصل میں یہ کچھ نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے۔ الحاصل۔ ان چاروں مذہبوں اور ان کی تقلید شخصی کے شروع ہونے اور پھیلنے کی یہ اصلی وجوہ واسباب ہیں اور یہ اس کی اصلیت ہے۔

تقلید شخصی پر کوئی دلیل نہیں:

مگر مدت سے اس طرح پر رواج چلے آنے اور زمانہ دراز کے گزرنے سے لوگوں کو اس کی اصلی حالت سے بالکل بے خبر کر دیا اور وہ سمجھتے رہے کہ مذہب تقلید اور ان چار مذہبوں سے کسی ایک کی جملہ مسائل میں پابندی کرنا اصلی وقدیمی مذہب اور عین حکم اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور اُس سے ذرا سا بھی علیحدہ ہونا الحاد و بے دینی ہے۔ حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نہ کہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے ان چاروں اماموں کی تقلید کو واجب کیا اور نہ اُن کو نبیوں کی طرح تقلید کیے جانے کے لئے بنا کر بھیجا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ اور طوالع الأنوار حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں کہ "ایک (۱) مجتہد معین کی تقلید کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں، نہ شریعت کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔ چنانچہ اس (بات) کو (کہ تقلید شخصی کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں) حنفیہ میں سے شیخ ابن الہمام نے (شرح ہدایہ) فتح القدیر میں اور اپنی اصول کی کتاب میں جس کا نام تحریر الأصول ہے ذکر کیا اور اسی عدم وجوب کی (بابت) مالکیہ میں سے شیخ ابن عبد السلام نے مختصر منتہی الأصول میں تصریح کی اور شافعیہ میں سے محقق عضد الدین نے اور ابن امیر الحاج نے تجبیر شرح تحریر میں ذکر کیا کہ پہلے زمانے کے علماء

---

(۱) عبارت یہ ہے: و وجوب تقلید مجتهد معین لا حجة علیه لا من جهة الشریعة و لا من جهة العقل کما ذکره الشیخ ابن الهمام من الحنفیة في فتح القدیر و في کتابه المسمی بتحریر الأصول و بعدم وجوبه صرح الشیخ ابن عبد السلام في مختصر منتهی الأصول من المالکیة و المحقق عضد الدین من الشافعیة و ذکره ابن أمیر الحاج في التحبیر شرح التحریر أن القرون الماضیة من العلماء أجمعوا علی أنه لا یحل لحاکم و لا مُفتٍ تقلید رجل واحد بحیث لا یحکم و لا یفتي في شيء من الأحکام إلا بقوله۔

نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کسی حاکم یا مفتی کو کسی خاص ایک شخص کی تقلید حلال نہیں کہ جب فیصلہ کرے یا کسی حکم میں فتویٰ دے تو اُسی کے قول کے مطابق دے۔''

اسی طرح سید باشا شرح تحریر میں، اور ملا حسن شر بنلالی رسالہ العقد الفرید میں، اور محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں، اور بحر العلوم شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں، اور ملا حبیب اللہ قندھاری مغتنم الحصول میں، اور مولانا اکمل صاحب عنایہ شرح ہدایہ تقریر الاصول میں، تحریر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اور ان کے سوا اور بھی کتنے محققین کی عبارتیں لفظ بلفظ ہمارے اُستاذ حضرتنا وشیخنا وشیخ الکل جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مدظلہ العالی نے **معیار الحق** (۱) میں نقل فرمائی ہیں۔ یہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کی تقلید شخصی واجب نہیں فرمائی اور کسی پر لازم نہیں کیا کہ وہ ایک ہی امام کا تمام مسائل میں مقلد ہو رہے بلکہ تقلید شخصی کو واجب ٹھہرانا نئی شرح اپنی طرف سے پیدا کرنا ہے۔ غرض اس سے کوئی دیدہ ور انکار نہیں کرسکتا کہ شرع نے کہیں ہدایت نہیں کی کہ تقلید شخصی یا ان چاروں مذہب میں سے کسی نہ کسی ایک کی پابندی کی جائے اور نہ ایسا کرنے کے جواز کی شرعاً کوئی وجہ ہے۔ لیکن زمانے کے دَورنے اور رسم کے چل نکلنے نے ایسا کرا دیا۔

تقلید وجمود کے لازمی ونتائج، فرقہ وارانہ تعصب:

اور جب اس کی رسم چل نکلی اور ایک عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا تو لوگوں کو یہی صحیح وحق معلوم ہونے لگا۔ اور پھر یہ ہونے لگا کہ کوئی تو کہتا (۲) کہ اہل سنت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں۔ جو

(۱) تقلید شخصی وغیرہ کے مباحث میں یہ کتاب بہت ہی خوب اور قابل دید ہے۔ فریق مخالف نے بہت مدتوں کے بعد برسوں کی محنت میں (جو تقریباً سات آٹھ برس ہوتے ہیں) ایک جواب انتصار الحق شائع کیا۔ اہل حدیث کی طرف سے تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کے کئی جواب شائع ہوئے۔ (۱) اختیار الحق۔ (۲) البحر الزخار۔ یہ دونوں مفصل جواب ہیں۔ (۳) تلخیص الأنظار۔ (۴) براہین اثنا عشریہ۔ دونوں مجمل ہیں۔ ہم نے نہیں سنا کہ مؤلف انتصار یا ان کے کسی مددگار نے آج تک ان جوابوں کا جواب دیا ہے۔

(۲) یہ اقوال علماء احناف کی فقہ کی کتابوں سے رسالہ تنویر الحق میں نقل کیے ہیں، جس کا جواب معیار الحق ہے اور---

ان سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے۔کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مذہب کے اوپر عمل کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوگیا ہے۔کوئی کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید منع ہے۔کوئی کہتا ہے مقلدین امام ابوحنیفہ پر واجب ہے کہ اُنہیں کے قول پر عمل کریں۔اُن کو امام صاحب کے سوا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کوئی کہنے لگا، جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرے، اگرچہ اجتہاد اور دلیل کی وجہ سے انتقال کرے، تاہم موجب تعزیر ہے۔تو اگر بلا اجتہاد اور بلا دلیل انتقال کرے تب تو بدرجۂ اولیٰ قابل تعزیر ہے۔کوئی[1] لکھتا ہے، ہم حنفیوں کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ نہ فتویٰ دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے بجز امام اعظم[2] کے قول کے۔ اور بلا کسی ضرورت کے ان کے قول کو چھوڑ کر صاحبین وغیرہما کا قول نہ لیا جائے۔اور کوئی صاف صاف[3] یہ بھی کہہ رہا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ واجب ہے اگرچہ نہ یہ معلوم ہو کہ کس دلیل سے انہوں نے کہا۔کوئی کہتا[4] ہے علی الاطلاق فتویٰ امام صاحب کے قول

--- کچھ اقوال انتصار الحق میں بھی ذکر کیے ہیں۔

(۱) یہ فتاویٰ خیریہ میں خیر الدین ملی استاذ مؤلف درمختار نے لکھا ہے اور شامی نے حاشیہ درمختار میں نقل کیا ہے۔

(۲) **لفظ امام اعظم کی تحقیق:**

مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم میں الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں لکھا ہے: ''ہم حنفیوں کی کتابوں میں امام اعظم سے مراد امام ابوحنیفہ ہوتے ہیں۔انتہیٰ۔امام صاحب کو حنفی جو امام اعظم بولتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کا مدار زیادہ تر ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال پر ہے۔مگر چونکہ امام صاحب ان دونوں کے استاذ ہیں اور یہ ان کے شاگرد ہیں اس وجہ سے وہ امام اعظم کہلائے۔اور یہ دونوں ان کے مقابلہ میں صاحبین کہلاتے ہیں۔اور چونکہ امام محمد صاحب، امام ابو یوسف صاحب کے بھی شاگرد ہیں، اس وجہ سے امام محمد کے مقابلہ میں دونوں جو ان کے استاذ ہیں، شیخین کہلاتے ہیں۔ غالباً یوں ہی یہ لقب شروع ہوا اور جب زائد مشہور ہوگیا تو بعض دوسری کتابوں میں بھی ذکر کیا جانے لگا۔'' واللہ اعلم۔

(۳) یہ صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے اور شامی نے بیان رسم المفتی میں نقل کیا ہے۔

(۴) درمختار میں اسی کو سچ کہا ہے۔

پر دیا جاوے۔ اِن کے بعد امام صاحب کے قول پر۔ ان کے بعد امام محمد کے قول پر۔ ان کے بعد زفر کے قول پر۔ ان کے بعد حسن بن زیاد کے قول پر۔ اور بعض نے باہم اختلاف کی صورت میں قوت دلیل کا اعتبار کیا۔

فقہاء کا قواعد افتاء میں اختلاف:

کسی [1] نے فقہاء کا عمل درآمد یہ بتایا کہ جمیع مسائل ذوی الأرحام میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور قضاء اور شہادت کے مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے پر اور عبادات کے تمام مسائل میں امام صاحب کے قول پر۔ اور بھی کتنے مختلف قول کتب فقہ مثل رد المختار اور بحر الرائق اور الأشباہ والنظائر وغیرہ میں لکھے ہیں۔ فقہاء نے ان قواعد میں جو انہوں نے مقلد عالم کے لئے تجویز کیے ہیں، جن کی پابندی اس کو فتوے دیتے وقت اور نیز سب کو ان فقہی مسائل پر عمل کرتے وقت لازم ہے، عجیب اختلاف ہے۔ رد المختار [2] میں ان کا حاصل بصورت تطبیق کے یوں بتایا ہے۔ جس مسئلہ میں ہمارے اصحاب (یعنی امام صاحب اور ان کے شاگرد) متفق ہوں تو قطعاً اس پر فتویٰ دیا جائے اور اگر باہم مختلف ہوں تو اگر مشائخ نے ان میں سے صرف ایک کی تصحیح کی ہے اور صیغہ أفعل [3] کے ساتھ کی ہے تو مفتی کو اختیار ہے، جس پر چاہے فتویٰ دے اور صیغہ أفعل کے ساتھ نہیں ہے، تو جس کی تصحیح کی اس پر فتوی ہونا چاہئے، اور اگر دونوں کی تصحیح کی ہے تو اگر احد الجانبین میں سے کسی ایک میں صیغۂ أفعل ہے تو بعض نے کہا، أفعل والے پر فتوے ہونا چاہئے اور بعض نے کہا کہ جانب ثانی پر۔ اور اگر صیغہ أفعل نہیں ہے تو مفتی کو اختیار ہے۔ اور اگر کسی کی تصحیح نہیں ہے تو اگر مفتی

---

(۱) دیکھو ردالمختار رسم المفتی۔

(۲) دیکھو: بیان رسم المفتی ص: ۵۵، جلد اول مقدمہ۔

(۳) یعنی بلفظ أصح۔

اہلیتِ نظر اور لیاقت دلیل کے سمجھنے اور ترجیح دینے کی رکھتا ہے تو ان میں جونسا قول دلیل کے رو سے قوی ہو اس پر فتویٰ دے۔ اور اگر لیاقت ترجیح کی نہیں رکھتا تو ترتیب مذکور کے موافق فتویٰ دے۔ یعنی اول امام صاحب کے قول پر، پھر ابو یوسف کے الخ۔ فقہاء کے ان اقوال وقواعد پر نظر کرنے سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ پہلے زمانہ اور اصل طریقہ کے رنگ سے پچھلے زمانہ کے خیالات کس قدر غیر ہو گئے۔ صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی کیسے کیسے دعوے اور کیسی کیسی باتیں کرنے لگے، جن کی شرع میں کوئی اصلیت نہیں اور عموماً عمل درآمد جو ہے، وہ اس (۱) سے بھی زائد۔

بینا بھی نابینا؟

ان قواعد کو (جو انہوں نے مفتی کے لئے تجویز کیے) دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو بھی جس کو اہلیت نظر واستدلال وترجیح کی ہے درصورت اتفاق اصحاب مذہب (یعنی امام صاحب اوران کے شاگرد) ونیز درصورت باہم خلاف برتقدیر تصحیح مشائخ اجازت نہیں ہے کہ اپنے علم وتحقیق سے کام لے یا دیکھے کہ دیگر پیشوایان امت محمدیہ اور مجتہدین کاملین اور ائمہ دین اور علم نبوی (ﷺ) کے حاملین کیا کہتے ہیں، بلکہ وہ آنکھ میچ کر وہی کہتا رہے جو کہہ دیا گیا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھول کر ذرا دیکھنے کی اجازت ہے تو صرف اسی صورت میں کہ اصحاب میں اختلاف ہو اور مشائخ نے اپنا اظہار رائے نہ کیا ہو۔ اور وہ بھی اس شرط سے کہ اسی احاطہ کے اندر رہے اور انہیں میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دے۔

---

(۱) حتیٰ کہ بعض صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم حدیث کو عمل کے لئے تھوڑی پڑھتے ہیں۔ برکت کے لئے پڑھتے ہیں۔ عمل تو ہم اسی پر کریں گے جو فقہاء نے کہا۔ اور حقیقت میں کرتے بھی ویسا ہی ہیں۔

ہدایاتِ ائمہ کی خلاف ورزی:

افسوس اصحابِ مذہب کا تو ارشاد ہے کہ بلا دلیل معلوم کئے ہمارے قول پر فتویٰ نہ دینا یا عمل نہ کرنا' اور یہاں اس کے بالکل خلاف ہدایت ہو رہی ہے اور ان کے صریح منشاء کے خلاف [1] محکمہ افتاء کا ضابطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ باتیں خلاف واقعہ کہہ رہے ہیں اور فقہاء سب صورتوں میں نظر و استدلال کے قائل ہیں، تو ہم اپنے اس اعتراض کو واپس لیتے ہیں، مگر نہایت مشکل سے یہ بات فقہاء سے کوئی ثابت کر سکے تو کر سکے۔ تاہم اگر کسی سے قولاً ثابت ہو بھی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملاً ایسا نہیں ہوا یا نہ ایسا ہو سکا۔ اور نہ اب ایسا ہوتا ہے جس کے وجوہ ہم ان شاء اللہ آگے لکھیں گے اور اگر فرضاً عمل بھی ایسا ہوتا ہے تو پھر ہم کو کیا اعتراض ہے۔

طبقات فقہاء:

فقہاء حنفیہ نے علماء کو سات طبقات پر تقسیم کیا، جس کی تفصیل ان کے بیان [2] کے موافق یہ ہے۔ طبقۂ اولیٰ مجتہدین فی الشرع۔ جن کا کام ہے قائم کرنا اصول و قواعد کا (اور بلا کسی کی تقلید کے نہ اصول میں نہ فروع میں استنباط کرنا احکام کا ادلہ اربعہ یعنی قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے) اس طبقہ میں ائمہ اربعہ ہیں اور جس نے اُن کا سا کام کیا۔

طبقۂ ثانیہ مجتہدین فی المذہب۔ جن کا کام ہے، استخراج احکام کا ادلہ مذکورہ سے بمقتضی ان

---

(۱) کسی امام نے تقلید کا حکم نہیں دیا:

چنانچہ ائمہ کا تقلید سے ممانعت کرنے کا بیان اوپر ہو چکا، امام عبدالبر فرماتے ہیں ہم کو کسی امام سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو مذہب معین کے التزام کا حکم دیا بلکہ ان سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے لوگوں کو (بلا تعیین) بعض کو بعض کے فتویٰ پر عمل کرنے کے اوپر برقرار رکھا اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی امت سے کسی کو التزام مذہب معین کا حکم دیا ہو۔ دیکھو: میزان شعرانی، ص: ۳۳، مطبوعہ میمنیہ مصر۔

(۲) دیکھو: رد المختار حاشیہ در مختار، ص: ۵۷، مطبوعہ مصر اور نافع کبیر وغیرہ میں بھی اس کا مفصل ذکر ہے۔

قواعد کے جو مجتہد فی الشرع نے قائم کر دیے۔ یہ لوگ گو بعض فروع میں اپنے مجتہد فی الشرع کا خلاف کرتے ہیں، مگر اصول میں اُس کے مقلد ہوتے ہیں۔ اس طبقہ میں [1] امام ابو یوسف رحمہ اللہ و دیگر شاگردان امام صاحب ہیں، جو اصول میں تو ان کے مقلد تھے، مگر استخراج فروع کا ادلّہ سے کرتے تھے۔

طبقۂ ثالثہ مجتہدین فی المسائل۔ جن کا کام ہے ان مسائل کا استنباط کرنا، جن میں امام سے کوئی تصریح ثابت نہیں ہوئی۔ انہیں امام کے اصول وقواعد کے موافق۔ یہ لوگ امام کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ صرف ایسے مسائل کو جو امام سے ثابت نہیں، امام کے قواعد کے موافق اجتہاد کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں۔ خصّاف۔ طحاوی۔ کرخی۔ شمس الائمہ حلوانی۔ شمس الائمہ سرخسی۔ فخر الاسلام بزودی۔ قاضی خاں وغیرہم ہیں۔

طبقۂ رابعہ اصحاب التخریج۔ جو اجتہاد تو کسی طرح کا نہیں کر سکتے۔ لیکن اصول کے ساتھ اچھی طرح واقفیت اور دلائل کے یاد ہونے کی وجہ سے کسی ایسے مجمل قول اور مبہم حکم کی جو امام صاحب یا ان کے کسی شاگرد سے منقول ہے اور کئی احتمال رکھتا ہے۔ اس کے امثال ونظائر پر قیاس کر کے اور اصول میں نظر کر کے تفصیل کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں رازی وغیرہ ہیں۔

طبقۂ خامسہ مقلدین اصحاب الترجیح۔ جن کا کام صرف یہ ہے کہ (اپنے اصحابِ مذہب سے جو مسائل کی بابت) روایات (ہیں اُن) میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا۔ مثلاً: یہ کہہ دینا: هٰذا أولى۔ هٰذا أصح۔ هٰذا أرفق للناس۔ (اس کے سوا یہ لوگ اور کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔) اس طبقہ میں قدوری اور مصنف ہدایہ وغیرہما ہیں۔

طبقۂ سادسہ مقلدین قادرین علی التمیز۔ جو صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ (اپنے اصحاب

---

(۱) یعنی حنفی مذہب میں۔

مذہب کی جو روایات ہیں اُن میں سے) اقویٰ اور قوی اور ضعیف اور ظاہر روایت اور نادرہ کو تمیز کر کے اقوال مردودہ اور (مذہب کی) روایاتِ ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے ۔ اس طبقہ میں متاخرین اصحاب متون مثل صاحب کنز اور صاحب درمختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع ہیں ۔

طبقۂ سابعہ وہ مقلدین جو اُس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور دبلی موٹی میں کچھ تمیز نہیں کر سکتے ۔ انتہیٰ ۔

عمل بالحدیث کی راہ میں متاخرین فقہاء کی رکاوٹیں :

فقہاء نے جس طرز سے ان طبقات کو بیان کیا اور اس کا لوگوں پر اعلان کیا، اس نے لوگوں کی اور بھی ہمتیں توڑ دیں ۔ وہ بیچارے اگر کچھ تحقیق و عمل بالحدیث یا کتاب و سنت سے استخراج مسائل کا ارادہ کرتے بھی تو ان کے ارادوں کو پست کر دیا کہ جب ایسے بڑے بڑے علماء جو کہ امام و شمس الائمہ اور فخر الاسلام کہلائے جاتے ہیں اور ایسے بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے لوگ عالم ہو جاتے ہیں اور جن کا سمجھنا بجائے خود ایک کمال ہے ۔ چھٹے و پانچویں و چوتھے طبقے میں پڑے ہوئے ہیں، جو بیچارے بجز نقل کے کچھ دم مارنے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان سے اعلیٰ طبقے والے بھی امام کا اصول و فروع میں کسی طرح کا خلاف نہیں کر سکتے تو پھر اور کسی کا کیا منہ جو دم مارے یا کچھ ہمت کرے ۔ پس وہ ڈر کر بیٹھ رہے اور بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکے تاکہ آنکھ میچ کر تقلید کیے چلے جائیں ۔

طبقات میں بھی غلطی :

حالانکہ یہ تقسیم و تفصیل طبقات کی خود تقلید کے احاطے کے اندر بیٹھ کر کی گئی اور تقلید کا پورا سایہ پڑنے کے بعد اور انہیں کی بابت جو تقلیدی ٹھیر چکے ۔ اور تقلیدی خیال کے موافق ۔ اور اسی وجہ سے ان علماء کے جو منازل بتائے گئے اس میں سخت غلطی کی گئی ۔ اور ان کو اُن کے مرتبے سے گھٹا کر

دکھایا گیا۔ جس کی شرح کی ہم یہاں گنجائش نہیں (۱) پاتے مگر جو ہم اس جگہ دکھانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ان فقہاء کے خیالات جنہوں نے یہ طبقات مرتب کئے اور وہ جو اس پر یقین رکھتے ہیں، پہلے زمانہ کے طرزعمل سے کس قدر غیر ہو گئے اور یہ لوگ اہل علم کو کس طرح دائرہ تقلید میں محصور رکھنا چاہتے ہیں اور محصور کرتے ہیں۔

(۱) لیکن ہم صرف علامہ بہاء الدین مرجانی حنفی کا قول ملخصاً نقل کرتے ہیں: جو مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم نے نافع کبیر میں ذکر کیا۔ اس سے ہمارے اس دعوے کی سچائی کا کسی قدر تم کو ظہور ہو جائے گا وہ لکھتے ہیں: ''کاش ہم سمجھتے اِس کے کیا معنی ہیں کہ ابو یوسف ومحمد وزفر نے بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ کا خلاف کیا لیکن وہ اصول میں ان کے مقلد ہیں۔ اصول سے مراد اگر وہ احکام اجمالیہ ہیں، جن سے کتب اصول میں بحث ہوتی ہے تو وہ تو عقلی قواعد ہیں، اُن کو جو صاحب عقل ونظر ہے سمجھتا ہے، خواہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد، اور ان کو اجتہاد سے کچھ تعلق نہیں۔ اور اِن تینوں اماموں کی شان اس سے بہت زائد ہے کہ وہ اُن قواعد کو نہ سمجھتے ہوں جیسا کہ تقلید کے حکم سے لازم آتا ہے اور ایسا ان اماموں کی شان میں کہنا بڑی گستاخی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اصول وقواعد ہیں جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ کا خلاف کیا (پھر اصول میں تقلید کیسی)۔ اور غزالی نے تو یہاں تک کہا کہ ابو یوسف ومحمد امام ابوحنیفہ کے دوتہائی مذہب میں خلاف ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے استاذ کی حسن تعظیم وکمال بزرگی کرنے اور ان کے حق کی رعایت کرنے کی وجہ سے انہیں کی شان بلند کرنے میں سرگرم رہے اور ان کی طرف سے مدد کرتے رہے اور انہیں کے اقوال کو لوگوں کے سامنے نقل کرتے اور اُن سے حجت پکڑتے اور ان کی طرح طرح سے خدمت کرتے رہے۔ اس وجہ سے ائمہ ثلاثہ اور سفیان وغیرہ کی طرح علیحدہ امام نہ مشہور ہوئے نہ یہ کہ وہ اجتہاد مطلق فی الشرع کے مرتبہ کو نہ پہنچے تھے۔ اگر وہ اپنے اقوال کے پھیلانے کی کوشش کرتے تو ان کا مذہب امام ابوحنیفہ صاحب کے مذہب سے علیحدہ قائم ہو جاتا اور اگر اصول سے مراد ادلّہ اربعہ ہیں تو ادلّہ اربعہ کے ساتھ سب ہی استثناء کرتے ہیں (اس میں تقلید کے کیا معنی)۔ پھر جو خصاف وطحاوی وکرخی کی بابت کہا کہ ''وہ امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہ اصول میں کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔'' یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں، اس لئے کہ اِن لوگوں نے امام صاحب کا جس قدر مسائل میں خلاف کیا وہ گنتی سے باہر ہیں اور ان کے اصول وفروع دونوں میں (امام سے علیحدہ کتنے مسائل میں) اپنے مختار ہیں اور ان کے اقوال میں جو قیاس وغیرہ سے استنباط کئے اور ان کے استدلالات ہیں، عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ۔ چنانچہ کتب فِقہ وخلافیات سے واقف پر مخفی نہیں (پھر خلاف نہ کرسکنے کے کیا معنی)۔ پھر جو رازی کو ایسی جماعت میں داخل کیا جو بالکل اجتہاد نہیں کر سکتے، یہ بھی ان کے حق میں بڑا ہی ظلم کیا اور ان کے شان کی بڑی منقصت کی۔ پھر علامہ مرجانی نے رازی کی بہت کچھ تعریف کرنے کے بعد قدوری واصحاب ہدایہ کے اصحاب ترجیح میں داخل کرنے پر بھی اعتراض کیا اور ظاہر کیا کہ ان کا مرتبہ اس سے عالی ہے۔

ختم اجتہاد کا دعویٰ بلا دلیل:

اور طرہ اس پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کر دیا گیا کہ **اجتہاد مطلق** ائمہ اربعہ پر اور **اجتہاد فی المذہب** علامہ نسفی پر ختم ہوگیا۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم کیا خوب فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ شرح تحریر الأصول (۱) میں لکھتے ہیں:

"بعض متعصبین نے کہا کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا۔ اُن کے بعد کوئی مجتہد مطلق نہیں پایا گیا۔ اور اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی صاحب کنز پر تمام ہوگیا، ان کے بعد کوئی مجتہد فی المذہب نہیں پایا گیا۔ حالانکہ یہ بات غلط اور رجم بالغیب ہے۔ اگر کوئی ان سے اس کی دلیل پوچھے کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہوا تو کچھ دلیل نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ یہ بات کہنا اللہ کی قدرت پر بلا دلیل حکم لگانا ہے۔ یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی کو فضیلت اجتہاد کی نہیں عنایت فرمانے کا۔ پس چاہئے کہ ایسے تعصبات سے پرہیز کیا جائے۔"

اور شرح مسلم الثبوت (۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے علامہ نسفی کے بعد زمانہ کا مجتہد فی المذہب سے خالی ہونے کا حکم لگا دیا

---

(۱) عبارت یہ ہے: إعلم أن بعض المتعصبين قالوا اختتم الاجتهاد المطلق على الأئمة الأربعة ولم يوجد مجتهد مطلق بعدهم والاجتهاد في المذهب اختتم على العلامة النسفي صاحب الكنز ولم يوجد مجتهد في المذهب وهذا خلاف ورجم بالغيب فإن سئل من أين علمتم هذا لا يقدرون على إبداء دليل أصلا ثم هو تحكم على قدرة الله تعالىٰ فمن أين يحصل علم أن لا يوجد إلى يوم القيامة أحد يتفضل الله عليه بمقام الاجتهاد فاجتنب عن مثل هذه التعصبات۔ اس کے متعلق کچھ تحقیق آگے بھی آتی ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: من الناس من حكم بوجوب خلو الزمان عن المجتهد بعد العلامة النسفي وعنوا به الإجتهاد في المذهب وإما الإجتهاد المطلق فقالوا أنه اختتم بالأئمة الأربعة حتى أوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على الأمة وهٰذا كله هوس من هوساتهم لم يأتوا بدليل ولا يعبأ بكلامهم وإنما هم من الذين حكم الحديث عليهم أنهم أفتوا بغير علم فضَلُّوا وأضلوا ولم يفهموا أن هذا إخبار بالغيب في خمس لا يعلمهن إلا الله۔

اور اجتہادِ مطلق کی بابت کہہ دیا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا۔ حتی کہ انہیں میں سے کسی ایک کی تقلید امت پر واجب ٹھہرادی ۔ یہ سب اپنی من مانی باتیں ہیں جن پر وہ کوئی دلیل قائم نہ کرسکے اور (سچ تو یہ ہے کہ) ان لوگوں کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں ۔ یہ لوگ انہیں میں سے ہیں، جن کی بابت حدیث میں وارد ہے کہ فتویٰ دیا بغیر علم کے ۔ پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔'' الحاصل مذہب تقلید ہی یہ سب کچھ کھلا رہا ہے ۔

مذہب اربعہ میں انحصارِ حق کے ''دلائل''؟

جہاں مقلدین نے یہ تمام دعوے کئے اور مذاہب اربعہ میں انحصار اور تقلید شخصی کے وجوب کے قائل ہوئے ضرور تھا کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ دلائل بھی قائم کرتے گو وہ دلائل ایسے نہ ہوں کہ مناظرے کے وقت کام آسکیں ۔ اور نہ ایسے ہو سکتے ہیں مگر کم سے کم اتنے تو ہوں کہ اپنا دل خوش ہو جائے اور اپنے معتقدین کے عقائد مستحکم ہو جائیں تو کسی [۱] نے منشاء مذاہب اربعہ میں انحصار کا اجماع مرکب قرار دیا۔ لیکن جب اُس کی تقریر ہوئی اور دلیل مدعا پر منطبق کرنا چاہا تو تسلیم کرنا پڑا کہ دلیل مناقشہ سے خالی نہیں اور اُس کی توجیہ میں باوجودیکہ اپنی تمام کوشش و طاقت صرف کردی مگر خود بھی جانتے رہے کہ کچھ بات بنتی نہیں ۔ آخر یہی کہتے بنی کہ انصاف [۲] یہ ہے کہ مذہب اربعہ انحصار فضل الٰہی ہے ۔ اس میں توجیہات و دلائل کو دخل نہیں ۔

---

(۱) دیکھو: نور الأنوار ص: ۲۲۳ مطبوعہ انوار محمدی پریس ۔

(۲) دیکھو: تفسیر احمدی ۔ آیت ثالث از سورۂ انبیاء ۔ (ص: ۵۲۷ طبع کریمی، بمبئی) مگر اس کے فضل الٰہی و مقبول من اللہ ہونے کے لئے یہی تو دلیل کی ضرورت ہے ۔ بلا دلیل کے دعویٰ کیوں کر مخالف تسلیم کر سکتا ہے ۔ اور اگر محض کسی طریقہ کا چل نکلنا ہی اُس کی مقبولیت کی دلیل ہے تو ان تمام مذاہب باطلہ کے لئے جو اسلام سے بھی پہلے مدت سے چلے آتے ہیں ۔ اور جن کے افراد مردم شماری کی رو سے مسلمانوں سے بہت زائد ہیں اور نیز ان مبتدعین کے لئے جن کی بدعات عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہ بہت اچھی دلیل ہے ۔

کسی نے اُس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ مذہب اربعہ کے سوا اور مذاہب کی روایت موجود نہیں۔کسی نے یہ کہہ دیا کہ ائمہ اربعہ کے سوا اور کسی نے تبویب و تفصیل مسائل نہیں کی ان سب کا جواب تم پہلے ہی سن چکے ہو۔وجوب تقلید شخصی کی بعض نے یہ وجہ تجویز کی چونکہ ہم لوگوں کو مرتبہ اجتہاد حاصل نہیں یا حاصل نہیں ہوسکتا،لہٰذا کسی کی تقلید کیے بغیر چارہ نہیں۔پس اگر بلاتعیین تقلید کریں تو ممکن ہے کہ ہم سے ایسے اعمال صادر ہوں جو بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہوں۔مثلاً وضو ایسا کیا جو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح نہیں ہوا۔گو امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح ہوگیا' اور پھر اُس سے نماز ایسی پڑھی جو امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح نہیں گو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح ہوگئی،تو وہ نماز بالاتفاق ناجائز اور غیر صحیح ہوگی۔امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک تو صحیح ہوئی ہی نہ تھی،امام شافعی صاحب کے نزدیک اس لئے صحیح نہ ہوئی کہ وضو جو نماز کے لئے شرط تھا وہی صحیح نہ ہوا تھا۔پس ضرور ہوا کہ ایک ہی کی جملہ مسائل میں پابندی اختیار کی جاوے۔

کسی نے تقلید کی ضرورت کے بعد شخصی کے ضروری ہونے کی یہ وجہ قائم کی کہ اگر بلاتعیین تقلید کی اجازت دیں تو لوگ مطلق العنان ہوجائیں گے۔ہر مذاہب سے جو جو آسان باتیں ہوں گی ان کو اختیار کرلیں گے۔

کسی نے یہ کہا کہ اگر پابندی نہ ہو تو حلال وحرام کی قید اُٹھ جاوے گی۔ایک شخص جو ایک ایسا فعل کررہا ہے،جس کو امام ابوحنیفہ نے منع فرمایا ہے اور امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے۔اگر ہم بموافقت امام ابوحنیفہ صاحب اس کو اس فعل سے منع کریں تو وہ کہہ دے گا کہ امام شافعی (رحمہ اللہ) کے نزدیک تو جائز ہے۔پھر ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں۔

کسی نے یہ وجہ پیدا کی کہ اگر پابندی لازم نہ ٹھیرائی جائے تو ایک ہی چیز ایک وقت میں ایک شخص کے لئے حلال ہوگی اور دوسرے وقت میں وہی چیز اس کے لئے حرام ہوگی۔جس بھی

وقت اس امام کے قول کو لے گا جو اُس کو حلال کہتا ہے تو وہ اُس کے لئے حلال ہوگی، اور جب اس امام کے قول کو لے گا جو اُس کو حرام کہتا ہے تو اُس وقت اُس کے لئے حرام ہوگی۔

اسی قسم کے اور بھی کئی وجوہ ہیں، جن کو اہل تقلید اپنے طرز عمل کے صحیح رکھنے کے واسطے پیش کرتے ہیں، جو نکات بعد الوقوع سے کسی طرح زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، جن میں سے بعض بعض ہم آگے بھی لکھیں گے۔

"دلائل" مزعومہ کے جوابات:

اس قسم کے دلائل پر تفصیلی اور بہت کافی بحث علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ شوکانی نے القول المفید میں اور شیخ صالح فلانی استاذ شیخ محمد عابد سندھی نے إیقاظ همم أولي الأبصار میں اور شیخ الکل[1] مدظلہ العالی نے معیار الحق میں اور کتنے ہمارے ہمعصر محققین نے اپنی اپنی مؤلفات میں کی ہے۔لہذا ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اس بحث کو زیادہ طول دے کر اپنے رسالہ کو بہت طول دیں۔تاہم کچھ تھوڑا سا عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سارے وجوہ جو ذکر کئے گئے، اس بات پر مبنی ہیں کہ تقلید کی ضرورت ہے اور درصورت تقلید کے تقلید بلاتعیین پر ان سارے مفاسد کا مرتب ہونا بیان کیا گیا ہے اور تقلید کی ضرورت اجتہاد کے مفقود ہونے پر بتائی گئی ہے۔تو اول تو اجتہاد کا مفقود ہونا مسلم نہیں۔دوسرے یہ بھی ضروری نہیں کہ جو رتبہ اجتہاد کا نہ رکھتا ہو وہ تقلید ہی کرے۔چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کو بالتفصیل مع دلائل کے ان شاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔جب عموماً تقلید کا ضروری ہونا ثابت نہ ہوا تو یہ سارے مفاسد جو اسی پر مبنی تھے کالعدم ہو گئے۔

دوسرا جواب ان سب وجوہ کا یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت

---

(۱) زندگی کا واقعہ ہے۔مصحح (تبع امرتسر)۔

سے لے کر چارسو برس تک جب کہ تقلید شخصی پر عمل درآمد نہ تھا، ان سارے مفاسد کے تدارک کی کیا صورت تھی۔ یہ سارے نقصانات جو درصورت عدم تقلید شخصی دکھلائے گئے، کوئی ان میں کا ایسا نہیں ہے جو اِس وقت پایا جاسکے اور اُس وقت نہ پایا جاسکتا ہو۔ پس جو صورت ان کے تدارک کی اس وقت تھی وہی اب بھی ہوگی۔ اور اگر اس وقت ان کے تدارک کی کوئی ضرورت نہ تھی تو اب [1] بھی نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان اعتراضات میں سے ہم پر حقیقت میں کوئی بھی وارد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ہم تو عمل بالحدیث کے قائل ہیں نہ تقلید کے۔ اور یہ اعتراضات اگر پڑ سکتے ہیں تو اسی پر پڑتے ہیں جو تقلید کا قائل ہو اور پھر بلا تعیین مذہب کے عمل درآمد کرے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ وہی کام کرنا اور ہونا چاہیئے جو قرآن وحدیث کے موافق یا قرآن وحدیث کی رو سے راجح ثابت ہو۔ پھر خواہ وہ خود کسی امام کے قول کے مطابق پڑے یا مخالف، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں اور نہ اس سے غرض کہ فلاں امام کے نزدیک یہ عمل صحیح ہوا یا نہیں یا دو مختلف الرائے اماموں میں سے ایک کے نزدیک یا دونوں کے نزدیک درست ٹھیرا یا نہیں اور ہم کو مطلق العنان ہونے اور آسان آسان باتوں کی تلاش یا حلال وحرام کی قید اُٹھ جانے یا ایک وقت میں ایک شے کے حلال ہونے اور دوسرے وقت میں حرام ہونے سے کیا تعلق ہم کو تو جو قرآن وحدیث سے راجح ثابت ہوگیا وہی ہمارا مذہب ہے۔ مشکل ہو یا آسان۔ اور جب تک کسی دوسرے دلیل سے اس کا خلاف ہم کو ثابت نہ ہو جائے وہ کسی طرح نہیں بدل سکتا۔ پس ان سارے مفاسد کو ہمارے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ وجہ اول میں جو درصورت تقلید بلا تعیین کے بعض بعض مجموعہ عمل کا

---

(۱) چونکہ اِن وجوہ کو زمانہ کے اچھے برے ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ ساری خرابیاں جو درصورت تقلید بلا تعیین دکھائی گئیں جیسا کہ ایک بدترین زمانہ میں لازم آسکتی ہیں۔ ایک بہتر زمانہ میں بھی ویسے ہی لازم آسکتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے پس یہ کہنا کوئی موقع نہیں رکھتا کہ وہ زمانہ خیریت کا تھا اور یہ زمانہ فساد کا ہے، لہذا اِس زمانہ کو اُس زمانہ پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ اور مشکل سے وجہ دوم کا اگر کوئی تعلق زمانہ بد کے ساتھ تسلیم کیا جائے تو اس کے اور جواب جو مذکور ہوئے وہی کافی ہیں۔

بالاتفاق ناجائز ہونا دکھایا گیا وہ دو وجہ سے صحیح نہیں۔ اول تو اہل اصول (جو ان اہل تقلید کے مقتدا و مستند ہیں) اس قسم کے عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں اور علامہ بحر العلوم اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہر مذہب [۱] سے لینے کے جواز کی صورت پر جو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں اجماعی خلاف کے واقع ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس واسطے کہ بعض وقت مجموعہ عمل ایسا ہوگا جس کا کوئی بھی قائل نہ ہو، تو وہ بالاجماع باطل ہوگا۔ مثلاً کسی نے نکاح کیا بلا مہر کے بموافقت امام ابوحنیفہ و امام شافعی کے اور بلا گواہوں کے باتباع امام مالک کے اور بلا ولی کے بتقلید امام ابوحنیفہ کے، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو بہ سبب گواہ نہ ہونے کے اور اوروں کے نزدیک بہ سبب ولی نہ ہونے کے۔ تو اس اعتراض کا جواب ہم یہ دیں گے کہ (بالاجماع اس عمل کو باطل کہنا) صحیح نہیں۔ کیونکہ مسئلہ ایک نہیں۔ اور بطلان تو اتحاد مسئلہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اس واسطے کہ اگر یہ صحیح ہو تو لازم ٹھیرے گا کہ ایک ہی مفتی سے فتویٰ پوچھا جایا کرے۔ ورنہ اس قسم کے خلاف میں واقع ہو جانے کا احتمال رہے گا (حالانکہ التزام ایک مفتی کا بالاجماع باطل ہے)۔''

دیکھو تقلید بلاتعیین کے فساد ظاہر کرنے کے لئے جو اس وجہ کو پیش کیا جاتا ہے، اہل اصول اِس کو کس طرح رد کرتے ہیں۔ اول تو اتحاد مسئلہ نہ ہونے کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی

---

(۱) عبارت یہ ہے: وما أورد أنّه علٰى تقدير جواز الأخذ بكل مذهب احتمال وقوع الخلاف المجمع عليه، إذ ربما يكون المجموع الذي يعمل مما لم يقل به أحد فيكون باطلاً إجماعاً كمن تزوج بلا صداق للاتباع بقول الإمامين أبي حنيفة والشافعي ولا شهودٍ اتباعاً بقول الإمام مالك ولا ولي علىٰ قول إمامنا أبي حنيفة، فهذا النكاح باطل اتفاقا۔ أما عندنا فلانتقاء الشهود أما عند غيرنا فلانتفاء الولي فأقول مندفع بعدم اتحاد المسئلة وقد مرّ أن الإجماع على بطلان القول الثالث إنما يكون إذا اتحدت المسئلة ولأنه لو تم لزم استفتاء مفت بعينه وإلا لاحتمل الوقوع۔ (مسلم الثبوت مع شرح، ص: ۲۲۹)

مشکل سے اتحاد مسئلہ کی صورت پیدا کرے تو دوسرا جواب ایسا دیتے ہیں جو سب صورتوں کو شامل ہے۔یعنی یہ کہ اس قسم کا بطلان کا اگر خیال کیا جائے خواہ اتحاد مسئلہ کی صورت ہو یا ترکیب کی تو لازم ٹھیرے گا کہ ہمیشہ ایک ہی مفتی سے سوال کیا جائے حالانکہ یہ التزام بالاجماع باطل ہے اور مستلزم باطل کا باطل ہوتا ہے۔پس اس قسم سے بطلان کا خیال باطل ٹھیرا۔لہٰذا یہ وجہ کس طرح سے قابل التفات نہیں۔

وجہ دوسری ایسے عمل کو بالاتفاق ناجائز کہنے کے نہ صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اہل اصول یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ایک امام کے مقلد کا عمل دوسرے امام کے نزدیک چاہے وہ اُس کے خلاف ہی ہو باطل نہیں ہے۔جیسا کہ علامہ اکمل تقریر میں اور سید پاشا[1] شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔پس نماز مذکور کسی کے نزدیک غیر صحیح نہیں اور نہ وہ وضو کسی کے نزدیک غیر صحیح ہے۔اور وجہ دوم میں جو آسان آسان باتوں کا اختیار کر لینا برا بتایا گیا یہ بھی صحیح نہیں۔چنانچہ بحرالعلوم شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”ہم[2] نے جو ذکر کیا کہ ایک مذہب پر جما رہنا واجب نہیں،اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ مذہبوں میں سے آسان آسان باتیں لے لینا جائز ہے۔“

فتح القدیر[3] میں لکھتے ہیں:

”غالباً جو لوگ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرنے کو منع کرتے

---

(۱) عبارت یہ ہے: فإن مالكاً مثلاً لم يقل إنّ من قلّد الشافعي في عدم الصداق أن نكاحه باطل و لم يقل الشافعي من قلد مالكاً في عدم الشهود أنّ نكاحه باطل۔

(۲) عبارت یہ ہے: ويتخرج منه أي مما ذكر أن لا يجب الاستمرار على مذهب جواز اتباعه رخص المذاهب قال في فتح القدير لعل المانعين للانتقال إنما منعوا لئلا يتتبع أحد رخص المذاهب وقال هو ابن حجر رحمة الله و لا يمنع منه مانع شرعي إذ للإنسان أن يسلك الأخف عليه أي إذا كان له إليه سبيل۔

(۳) ہدایہ کی شرح جو حنفی مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے۔

ہیں، تو وہ اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ کوئی آسان آسان باتیں مذہبوں کی نہ ڈھونڈے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ کرنا ہے اور کوئی مانع شرعی اس سے منع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ انسان کو اختیار ہے کہ گنجائش ہو تو جو آسان تر بات ہو اُس کو اختیار کرے۔ الخ۔"

اور جب ایسا ہے تو جو شخص ایک کام بتقلید امام شافعی کر رہا ہے کوئی وجہ نہیں کہ بتقلید امام ابوحنیفہ اُس کو اُس سے روکا جائے۔ پس وجہ سوم بھی بے معنیٰ ہے۔ اور وجہ چہارم میں جو ایک چیز کا ایک شخص کے لئے مختلف وقتوں میں حلال وحرام ہونا ممنوع سمجھا گیا، اُس کو بھی فقہاء غیر صحیح کہتے ہیں۔ بلکہ خود امام اعظم صاحب اور ان کے دونوں شاگرد اس قسم کے تغیر کی اجازت دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری (۱) میں ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ:

"ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ایک عورت کے بارے میں اُس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اُس نے کسی فقیہ سے اُس کا مسئلہ دریافت کیا۔ فقیہ نے اُس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم دیا۔ اُس نے اُس فتویٰ پر عمل کرنے کا عزم کیا اور ویسا ہی کر لیا۔ پھر اُس کو یہی واقعہ کسی دوسری عورت کے ساتھ پیش آیا اور اس نے اسی فقیہ یا کسی دوسرے فقیہ سے دریافت کیا اور اُس نے پہلے کے خلاف فتویٰ دیا (یعنی اُس نے حلت کا فتویٰ دیا تھا تو اُس نے حرمت کا دیا۔ یا بالعکس) اور اُس نے اُس حکم کو لیا اور اس پر عزم کیا تو اب اُس شخص کو گنجائش ہے جس حکم پر چاہے عمل کرے۔ الخ۔"

امام محمد کہتے ہیں: "یہ قول (امام) ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا اور ہمارا ہے۔"

دیکھو ائمہ ثلاثہ اجازت دیتے ہیں تو ایک ہی مسئلہ میں جو پہلے اُس کے لئے حرام ٹھہر چکا

---

(۱) عبارت یہ ہے: عن محمد (رحمه الله) في رجل ليس بفقيه ابتلي بنازلة في المرأة فسأل عنها فقيهاً فأفتاه بأمر من تحريم أو تحليل فعزم عليه وأمضاه ثم أفتاه ذلک الفقيه بعينه أو غيره من الفقهاء في امرأة أخرى له في عين تلک النازلة بخلاف ذلک فأخذ به وعزم عليه وسعه الأمران جميعاً قال محمد هذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف وقولنا۔

ہے، اب اس کے لئے حلال ہے و برعکس۔ پس چوتھی وجہ بھی صحیح نہ رہی، لہذا یہ سارے دلائل جو ضرورت تقلید شخصی کے ذکر کیے گئے ہیں، کوئی ان میں کا اپنا مطلوب ثابت نہ کر سکا۔

پانچواں جواب یہ سارے وجوہ ایسے شخص کے حق میں کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے، جو تقلید شخصی تو نہیں کرتا مگر وہ ایک مسئلہ میں جو عمل کرتا ہے، اس کے تمام ارکان وشرائط کو ایک ہی امام کے رائے کے موافق کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے مسئلہ میں بجمیع ارکان وشرائط دوسرے امام کی رائے کے موافق ایسا نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کا بعض حصہ ایک کی رائے کے موافق کرے اور بعض دوسرا حصہ کسی دوسرے کی رائے کے موافق کرے کہ جس سے بالاتفاق بطلان کا مظنہ ہو۔ اور وہ شخص مذاہب کی آسان آسان باتوں کو بھی نہیں ڈھونڈتا اور ایسا بھی نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کو ایک وقت میں ایک امام کی رائے پر عمل کرے اور دوسرے وقت میں دوسرے امام کی رائے پر عمل کرنے لگے۔ بلکہ جس مسئلہ میں جس امام کی رائے پر چلتا ہے پھر اُسی پر قائم رہتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ ایسے شخص کو جب کہ وہ ایک امام کے قول پر عمل کر رہا ہے، اہل تقلید کے اصول کے موافق کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے امام کا مقلد اس کو اس سے روکے۔ پس یہ سارے وجوہ جو تقلید شخصی نہ کریں گے، فساد پر قائم کئے گئے ایسے شخص کے سامنے کیا کام آسکتا ہیں۔ حالانکہ ضرورت تقلید شخصی کا دعویٰ عام تھا۔ تو دعویٰ تو عام ہوا اور دلائل خاص۔ **ایسے دلائل بھی کس کام کے۔** بہر حال کوئی دیدہ ور منصف مزاج تھوڑے سے غور کے بعد اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سارے وجوہ جو وجوب تقلید شخصی کے لئے بیان کئے گئے، کوئی بھی لائق التفات نہیں۔

کیا ائمہ حدیث اور علماء سلف مقلد تھے؟

بعض بیچارے جب اُن سے کچھ نہیں بنتی تو تقلید سے تقلید کو ثابت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے کتنے مشاہیر علماء کے نام لکھ کر اخیر میں لکھ دیا۔ دیکھو یہ سب لوگ مقلد تھے۔ کوئی حنفی ہے،

کوئی شافعی ہے، کوئی مالکی کوئی حنبلی۔ اگر مذہب تقلید حق نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے علماء کیوں مقلد ہوتے۔ حالانکہ دراصل ان تمام مشہور اور مستند علماء میں سے (جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں) کوئی بھی مقلد نہ تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ جب مذہب تقلید عام طور پر پھیل گیا اور وہی سلطنت کا مذہب ٹھہرا اور عالم میں یہی چار مشہور مذہب شہرت کے ساتھ عام لوگوں کی نظروں میں باقی رہ گئے۔ تو اب عموماً ہر کوئی انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گو وہ ان میں سے کسی کا بھی مقلد نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہل حدیث بھی کثرت موافقت کی وجہ سے کبھی کسی مذہب کی طرف نسبت کر دیے جاتے تھے۔ جیسے نسائی اور بیہقی کہ شافعی کی طرف نسبت کیے جاتے تھے۔ اور بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کو پچھلے لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ خود اُن کو تقلید سے انکار ہے۔

مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی (۱) النافع الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ابوبکر قفال اور ابوعلی اور قاضی حسین سے جو کہ شافعیہ سے گنے جاتے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے اُن کی رائے ان کی رائے سے موافق پڑگئی۔''

مولانا عبد الحیٔ صاحب کی رائے بابت امام طحاوی کے بھی یہی ہے کہ وہ مقلد امام **ابوحنیفہ** صاحب کے نہیں جیسا کہ انہوں نے اسی عبارت کے بعد لکھا ہے۔ مولانا مرحوم کا ایک قول اور ان تمام زمانوں میں برابر ایسے علماء کے ہونے کی بابت جو گو ظاہر میں مقلد تھے مگر اصل میں وہ مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد تھے۔ آگے ان شاء اللہ آئے گا۔ علامہ ابن عقیل فرماتے ہیں:

''گو حنبلی مذہب کو اُس کے اصحاب نے مشہور نہ ہونے دیا اس لئے کہ اصحاب ابوحنیفہ اور

---

(۱) عبارت یہ ہے: وقد نقل عن أبي بكر القفال وأبي علي والقاضي حسين من الشافعية أنهم قالوا لسنا مقلدين للشافعي بل وافق رأينا رأيه وهو الظاهر من حال الإمام أبي جعفر الطحاوي في أخذه بمذهب أبي حنيفة۔

شافعی میں سے جو علم میں فائق ہوا کہیں کی قضا یا اور کسی حکومت پر مقرر ہو گیا۔ اس حکومت کی وجہ سے اُس کے علم کا شغل جاری رہا، بخلاف اصحاب احمد کے کہ اُن میں سے جس نے علم میں سے تھوڑا بھی تعلق پیدا کیا، زہد و عبادت اس پر غالب ہو گئی پس وہ علمی مشاغل سے الگ ہو رہے اُس کے علاوہ اُن کے اصحاب نے زیادہ تر اجتہاد و ترجیح اور اتباع دلیل کا طریقہ اختیار کیا جس کو جو دلیل ملی اُس پر عمل کرنے لگا اور کہنے لگا (ہمارے اوپر) واجب [1] اتباع دلیل کی ہے نہ اتباع احمد کی۔"

علامہ ابن عقیل سے کسی نے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ اصحاب احمد کا حال ٹھیک ٹھیک بیان فرمایئے۔ انہوں نے جو اُن کے حالات لکھے اُس میں یہ بھی تھا۔ رائے سے بھاگ کر روایات (احادیث) کے لینے والے، تاویل سے بچ کر ظاہر (قرآن وحدیث) کے ساتھ تمسک کرنے والے۔ علامہ ابن عقیل کے ان اقوال سے ظاہر ہے کہ امام احمد صاحب کی طرف منتسب جو علماء گزرے ہیں، اکثر اُن میں کے متبع ظاہر قرآن وحدیث اور پابند دلیل کے تھے۔ امام احمد کے مقلد

---

(۱) یہاں پر کی عبارت یہ ہے: والواجب إتباع الدلیل لا إتباع أحمد۔ (التاج المکلل، ص: ۱۲۵، مطبوعہ بھوپال) تاج مکلل میں ابن عقیل کے یہ اقوال حافظ سلفی کی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ اسی طرح آگے جو ہم نے مضامین تاج مکلل سے لئے ہیں وہ بھی اصل میں انہیں مستند و معتمد کتابوں مثل البدایة والنهایة لإبن کثیر، وفیات الأعیان لابن خلکان، فوات الوفیات للصلاح الکتبی، ریحانة الألباء للخفاجي، طبقات کبریٰ للشعراني، طبقات ابن رجب حنبلي، الضوء اللامع للسخاوي، مسالک الأبصار لابن فضل الله العمري، الوافي للصلاح الصفدي، نفخ الطیب للمقري، طبقات الحفاظ للذهبي، نسیم الریاض شرح شفا قاضي عیاض للخفاجي، قلائد العقیان للفتح بن خاقان، البدر الطالع للعلامة الشوکاني الیماني، تاریخ ابن الجوزي، تاریخ ابن النجار، کتاب ابن الزملکانی، کتاب البرزالي، کتاب ابن عطاء الله، آثار الأزهار، أنساب ابن السمعانی، الدیباج الخسرواني للسید حسن بن أحمد بهکلي، النفس الیماني للسید عبدالرحمن بن سلیمان بن الاهدل وغیرہ سے منقول ہیں۔ مگر چونکہ اس وقت ہمارے پاس یہ کتابیں موجود نہیں ہیں، لہذا ہم نے تاج مکلل سے جو کہ اکثر انہیں کتابوں سے ماخوذ ہے لے کر اُسی کے صفحوں کا حوالہ دے دیا۔

نہ تھے بلکہ وہ اہل حدیث تھے۔ دارکی کو لوگ شافعی جانتے ہیں حالانکہ وہ حدیث [1] کے موافق فتوے دیا کرتے تھے نہ شافعی مذہب پر۔ اسی طرح ہم اور بھی بہت سے علماء کو نام بنام آگے ذکر کریں گے، جن کو لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مقلد نہ تھے۔

اور حقیقت میں کوئی ذی علم جو حقیقۃً ذی علم ہونے کا مصداق ہے کبھی مقلد نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ سب سے بڑی [2] جو اثبات تقلید میں پیش کی جاتی ہے وہ آیت {فَسْـَٔلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} ہے۔ یہ آیت اگر تقلید پر دلالت کرتی ہے تو وہ تقلید کو مشروط کرتی ہے ساتھ عدم علم کے۔ پس صحیح طور پر کوئی ذی علم مقلد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مقلد ذی علم ہو سکتا ہے۔ دوسرے جب کہ مذہب تقلید کی صحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ اُس کی بنا محض ایک رواج پڑ جانے پر ہے۔ جیسا کہ تم کو ہمارے سابق بیان سے اچھی طرح معلوم ہو چکا۔ پس کیسے ہو سکتا تھا کہ کوئی ذی علم اس کو اختیار کرتا۔ پس یہ خیال کہ اگر تقلید شخصی حق نہ ہوتی تو اس قدر علماء اس کو کیسے اختیار کرتے کیسا غلط خیال ہے۔

---

(۱) خطیب نقل کرتے ہیں: إن الدارکي من الشافعية کان یستفتي وربما یفتي بغیر مذهب الشافعي وأبي حنیفة۔ فیقال له فیقول ویلکم حدیث فلان عن فلان عن النبي (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) هکذا۔ (عقد الجید، ص: ٦٧)

(۲) چنانچہ اصولی لکھتے ہیں: هي الأصل في اعتماد التقلید۔

حنفیت، شافعیت وغیرہ

انتساب کی حقیقت اور اسباب ووجوہ

اب رہی یہ بات کہ کتنے مشاہیر علماء جو ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی طرف منسوب نظر آتے ہیں، اِس کی کیا وجہ ہے تو وجہ اُس کی یہ ہے کہ جب تقلید کا رنگ عام ہوگیا اور عموماً خیالات میں یہ بات جم گئی کہ ہر کوئی انہیں میں سے ایک نہ ایک کا مقلد ہوتا ہے اور کوئی اہل سنت ان چار سے باہر نہیں تو لوگوں نے ہر ایک کو انہیں میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب کرنا چاہا تو جس کو جس کے ساتھ زیادہ ملتا ہوا پایا اُسی کی طرف نسبت کر دیا۔ حالانکہ وہ اُس کا مقلد نہیں بلکہ اگر موافقت کلی یا جزئی کسی امام کے ساتھ ہے تو وہ صرف بطور توارد کے ہے جیسا کہ پہلے ہو چکا۔ اور چونکہ امام شافعی (رحمہ اللہ) اور امام احمد (رحمہ اللہ) کا مذہب جن میں خود بھی باہم بہت زائد اختلاف نہیں، حدیث کے ساتھ زیادہ تر موافق ہے۔ اس وجہ سے پچھلے محدثین وعلماء محققین بیشتر انہیں دونوں مذہبوں کے موافق ہوتے رہے۔ لہذا اکثر انہیں دونوں مذہبوں میں سے نسبتاً جس کے ساتھ زیادہ مناسب تھے اُسی کی طرف نسبت کر دیئے گئے۔

امام بخاری و دیگر فقہاء حدیث بھی مقلد؟

ہم کو تو ہنسی اُس وقت آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ **امام بخاری** و دیگر اصحاب صحاح ستہ کو امام شافعی یا امام احمد کے مذہب کا مقلد بنایا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ امام احمد یا امام شافعی کی موافقت یا مخالفت اُسی آزادی کے ساتھ کرتے ہیں جیسے اور ائمہ کی کرتے ہیں۔ اور نیز وہ خود مجتہد [1]

---

(۱) مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نافع کبیر میں لکھتے ہیں: **فقد وجد بعدهم أيضاً أرباب الاجتهاد---**

واہل استدلال ہیں وہ کسی کے مقلد کیسے ہوسکتے ہیں۔ مگر وہ تو وہی عام رواج تھا جس نے یہ سب کہلایا۔

اور اس نسبت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کوئی شخص ایسے شہر یا ملک یا قوم یا خاندان میں پیدا ہو جو عموماً کسی امام کے مقلد اور اس کی طرف منسوب تھے۔ لہٰذا وہ بھی بحسب مقتضیٰ ظاہر اسی امام کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گو فی الحقیقت وہ کسی کا مقلد نہ ہو یا یہ کہ ایک شخص ابتداء میں کسی امام کا مقلد اور اُن کی طرف منسوب تھا۔ لیکن تحصیل علم وتحقیقات کے بعد مقلد نہ رہا مگر وہ نسبت انہیں امام کی طرف کیا جاتا رہا۔ حالانکہ وہ اب مقلد نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید [1] میں انوار سے نقل فرماتے ہیں:

''کہ جو لوگ (امام) شافعی و (امام) ابوحنیفہ و (امام) مالک و (امام) احمد کے مذہب کی طرف منسوب ہیں۔ اُن کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو عوام۔ دوسرے جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں اور (اُن کے مقلد ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ) ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوسکتا۔ تو یہ لوگ جو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوئے تو اُس کے ساتھ طریقۂ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے (نہ تقلید کی وجہ سے۔)''

اور شیخ [2] عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر تو کہے کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ علم اسی چشمہ سے لیتا

---المستقل كأبي ثور البغدادي وداؤد الظاهري ومحمد بن اسماعيل البخاري وغيرهم على ما لا يخفى على من طالع كتب الطبقات۔ یعنی ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مستقل ہوئے جیسے ابوثور بغدادی اور داؤد ظاہری اور محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کے سوا اور ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: وفي الأنوار أيضا المنتسبون إلى مذهب الشافعي وأبي حنيفة ومالک وأحمد أصناف، أحدها العوام والثاني البالغون إلي رتبة الإجتهاد والمجتهد لا يقلد مجتهداً وإنما ينتسبون إليه لجريهم على طريقه في الإجتهاد واستعمال الأدلة وترتيب بعضها على بعض۔ ملخصاً۔

(۲) عبارت یہ ہے: فإن قلت قد تقدم أن الولي الكامل لا يكون مقلداً وإنما يأخذ علمه من العين------

ہے، جس سے مجتہدوں نے لیا اور ہم بعض اولیاء کو بعض ائمہ کا مقلد پاتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی تو یہ ولی مقام کمال کو پہنچا ہی ہوا نہیں ہوتا یا پہنچا ہوا ہوتا ہے (تو دراصل وہ کس کا مقلد نہیں ہوتا) لیکن وہ جو بعض ائمہ کی تقلید مسئلہ میں ظاہر کرتا ہے تو ادباً کرتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ امام اس ولی سے پہلے اس مسئلہ کا قائل ہو چکا ہے اور اللہ نے اُس کو امام و پیشوا بنا رکھا ہے اور وہ مشہور ہو رہا ہے اور یہ ولی ویسا مشہور نہیں (لہذا وہ ادب کی وجہ سے اسی امام کی طرف نسبت کر دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس امام کا مقلد نہیں) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ ولی جو اس امام کے قول پر (جس کی طرف وہ نسبت کیا جاتا ہے) عمل کرتا ہے تو دلیل سے واقف ہو کر کرتا ہے نہ تقلید کے طور پر بلکہ توارد کے طور پر تو یہ ولی شارع ہی کا مقلد رہا نہ کسی اور کا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے پیشوا علی خواص سے عرض کیا کہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمہ اللہ) کو تقلید امام احمد کی اور جناب محمد شاذلی (رحمہ اللہ) حنفی کو تقلید امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کی کیسی صحیح ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبے کے ساتھ مشہور ہیں اور اس مرتبہ والا سوا شارع کے کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ تقلید اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے ہوگی۔ پھر جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ گئے تب بھی لوگ اس نام کو اُن کے حق میں استعمال کرتے رہے

---التي أخذ منها المجتهدون مذاهبم ونرى بعض الأولياء مقلداً لبعض الأئمة فالجواب قد يكون ذلک الولي لم يبلغ إلى مقام الكمال أو بلغه ولكن أظهر تقيده في تلک المسئلة بمذهب بعض الأئمة أدباً۔ بحيث سبقه إلى القول بها وجعله الله تعالىٰ إماما يقتدى به واشتهر في الأرض دونه وقد يكون عمل ذلک الولي بما قال به ذلک المجتهد لإطلاعه على دليله لا عملا بقول ذلک المجتهد على وجه التقليد له بل لموافقته لما أدى إليه كشف فرجع تقليد هذا الولي للشارع لا لغيره وقد قلت مرة لسيدي عليّ الخواص رضى الله عنه كيف صح تقليد سيدي الشيخ عبدالقادر الجيلانی للإمام أحمد بن حنبل رحمه الله وسيدي محمد الحنفي الشاذلي للإمام أبيحنيفة مع اشتهارهما بالقطبة الكبري وصاحب هذا المقام لا يكون مقلدا لا للشارع وحده فقال رضي الله عنه قد يكون ذلک منهما قبل بلوغهما إلى مقام الكمال ثم لما بلغا إليه استصحب الناس ذلک اللقب في حقهما مع خروجهما عن التقليد فاعلم ذلک۔ انتهىٰ۔ ملخصاً (ميزان، ص: ٢٠)

باوجودیکہ وہ تقلید سے باہر ہوگئے۔"

اس مضمون کا ایک قول امام شعرانی کا ان شاء اللہ العزیز تم آگے بھی پڑھو گے۔ خلاصہ یہ کہ کتنے ہی اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے ایسے لوگ بھی جو فی الحقیقت کسی کے مقلد نہیں۔ ان ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی طرف نسبت کے ساتھ مشہور ہوئے جس سے لوگ اُن کو مقلد سمجھنے لگے۔

شرائط اجتہاد:

اس موقع پر جب کہ تم نے معلوم کیا کہ مرتبہ اجتہاد کو پہنچنے والا کسی کا مقلد نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے شخص کی کسی امام کی طرف نسبت اس کے مقلد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم کرلو کہ اس علم کی کیا مقدار ہے جس سے آدمی مرتبہ اجتہاد کو پہنچتا ہے۔ (کیونکہ اس میں بھی بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے) تاکہ تم کو معلوم ہوجائے کہ ان علماء میں سے جن کے تم نام سنتے ہو کون کون ایسے ہیں جو مقلد ٹھہرائے جاسکتے ہیں اور وہ کون کون ہیں جو فی الواقع کسی کے مقلد نہیں لیکن بوجوہ مذکورہ بالا کسی امام کی طرف نسبت کیے گئے۔ اس بیان کو بھی ہم عقد الجید ہی سے جوکہ شاہ صاحب نے اسی انوار سے اسی مذکورہ بالا مضمون کے پاس نقل کیا ہے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں [1]:

"انوار میں ہے اجتہاد کی اہلیت جب حاصل ہوتی ہے کہ آدمی چند امور کا علم حاصل کرلے۔

---

(۱) عبارت یہ ہے: في الأنوار وإنما یحصل أهلیة الإجتهاد بأن یعلم أموراً الأول: کتاب الله تعالیٰ ولا یشترط العلم بجمیعه بل بما یتعلق بالأحکام ولا یشترط حفظه بظهر القلب۔ الثاني: سنة رسول الله (ﷺ) ما یتعلق بالأحکام لا جمیعاً ویُشترط أن یعرف منها الخاص والعام والمطلق والمقید والمجمل والمبین والناسخ والمنسوخ ومن السنة المتواتر والآحاد والمرسل والمسند المتصل والمنقطع وحال الرواة جرحاً وتعدیلاً، الثالث: أقاویل علماء الصحابة فمن بعدهم إجماعاً وإختلافاً۔ الرابع: القیاس جلیه وخفیه وتمیز الصحیح من الفاسد۔ الخامس: لسان العرب لغة وإعراباً ولا یُشترط التبحر في هذه العلوم بل یکفي معرفة جملة منها، ولا حاجة أن یتتبع الأحادیث علی تفرقها بل یکفي أن یکون له أصل مصحح بجمیع أحادیث الأحکام کسنني الترمذي والنسائي وغیرهما کأبي داؤد ولا یشترط ضبط جمیع مواضع----

اول کتاب اللہ کا۔اور یہ ضروری نہیں کہ سارے قرآن کا علم ہو بلکہ جس قدر احکام سے تعلق رکھتا ہے (جن کی مقدار نور الأنوار[1] میں پانچ سو آیت بتلائی ہے۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حفظ یاد ہو۔ دوسرے حدیث رسول (ﷺ) کا جس قدر احکام سے متعلق ہیں،جن کی مقدار نور الأنوار میں تین ہزار حدیث بتائی ہے) نہ کل۔اور شرط یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں میں خاص وعام[2]۔مطلق ومقید۔مجمل ومبین۔ناسخ ومنسوخ کو،اور (اقسام) حدیث میں سے متواتر وآحاد ومرسل ومسند ومتصل ومنقطع کو اور نیز راویوں کے حال کو باعتبار جرح وتعدیل کے جانتا ہو۔تیسرے علماء صحابہ اوران کے بعد کے علماء کے اقوال کا۔جن میں اُن کا اجماع واختلاف ہے۔چوتھے قیاس جلی وخفی کا۔اور قیاس صحیح وفاسد کا باہم تمیز کرنا۔پانچویں عربی زبان کا۔لغت واعراب کا جاننا۔اور (یہ بھی واضح رہے کہ) ان علوم میں تبحر شرط نہیں بلکہ ہر ایک میں سے ایک قدر معتد بہ کا جان لینا کافی ہے۔اور یہ بھی ضرور نہیں کہ متفرق احادیث کو تلاش کرتا پھرے۔بلکہ اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس کوئی صحیح کتاب موجود ہو جو احادیث احکام کو جامع ہو جیسے سنن ترمذی اور سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ ہیں اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اقوال اجماعی اور اختلافی یاد ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس مسئلہ میں حکم دیتا ہے یہ سمجھ لے کہ میرا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔اس طور پر کہ جانتا ہو کہ میرا قول متقدمین میں سے کسی

---الإجماع والاختلاف بل يكفي أن يعرف في المسئلة التي يقضي فيها أنّ قوله لا يخاف الإجماع بأن يعلم أنه وافق بعض المتقدمين أو يغلب على ظنّه أنه لم يتكلم الأولون فيها بل تولدت في عصره، وكذا معرفة الناسخ والمنسوخ وكل حديث أجمع السلف على قبوله وتواترت أهلية رُواته وما عدا ذلک يبحث عن عدالة رواته۔واجتماع هذه العلوم إنما اشترط في المجتهد المطلق الذي يفتي في جميع أبواب الشرع ويجوز أن يكون مجتهداً في باب دون باب۔(ص:۱۰۵، ۱۰۳)

(۱) دیکھو:نور الأنوار،صفحہ:۲۴۶۔بحث اجتہاد نور الأنوار حنفیوں کی ایک مشہور ومعتبر کتاب ہے۔

(۲) اِن سب باتوں کی شرح اصول کی کتابوں میں جیسا کہ نور الأنوار،توضیح وتلویح۔ارشاد الفحول وغیرہ میں اچھی طرح سے مذکور ہے۔

کے ساتھ موافق ہے یا بظن غالب معلوم ہو کہ متقدمین میں سے کسی نے اِس میں گفتگو نہیں کی۔ بلکہ اسی زمانہ میں یہ واقعہ حادث ہوا۔ اور اسی طرح ناسخ و منسوخ کی آگاہی کا بھی احاطہ شرط نہیں۔ اور جس حدیث کو سلف نے بالاجماع مان لیا ہو یا اس کے راویوں کا معتبر ہونا تواتر کے طور پر ثابت ہو تو اس حدیث کے راویوں کی عدالت میں کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے سوا اور حدیث کے راویوں پر بحث کی جاوے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ان علوم کا جو شرط ہونا ٹھہرا ہے تو اس مجتہد مطلق میں ہے جو تمام ابواب شرع میں فتویٰ دے ورنہ جائز ہے کہ کوئی شخص بعض خاص مسائل میں مجتہد ہو اور دوسرے مسائل میں نہ ہو تو اس کے لئے اتنی قیود کی بھی ضرورت نہیں۔"

آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں (۱) کہ:

"یہ بھی شرط نہیں کہ مجتہد کا مذہب مدون ہی ہوا کرے"۔

یہ مقدار علم جو کہ مذکور ہوئی۔

برائے نام انتساب اور اس کے وجوہ:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان مشاہیر علماء مثل علامہ ابن دقیق العید۔ امام ابوالحسن اشعری۔ امام الحرمین۔ علامہ محمد بن نصر مروزی۔ علامہ ابن المنذر۔ امام نووی۔ علامہ تقی الدین سبکی۔ امام محی الدین بغوی۔ علامہ بلقینی۔ حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم جو کہ شافعی کہے جاتے ہیں۔ اور دیگر مشہور علماء محدثین میں سے کوئی ایسا تھا، جس کو اتنا علم نہ ہو۔ لہٰذا کچھ شبہ نہیں کہ ان تمام لوگوں کی نسبت کسی امام کی طرف بوجہ تقلید نہ تھی۔ بلکہ صرف برائے نام یا بوجوہ مذکورہ تھی۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی یہ لوگ خود بھی اس نسبت کو اپنی بابت قائم رکھتے تھے اور اس

(۱) عبارت یہ ہے: ولا یشترط أن یکون للمجتهد مذهب مدون۔ (ص:۱۰۵)۔

سے کچھ انکار نہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کو اپنے کام سے کام تھا۔ اپنے عمل و تحقیق میں راست تھے۔ لہذا محض نام لگنے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ خصوصاً جب کہ یہ نسبت زمانہ میں عام ہو رہی تھی۔ پس اُس سے انکار میں عوام کی نظر میں اپنی تعلّی اور اس امام کی جس کی طرف نسبت ہو رہی تھی تحقیر کا مظنہ تھا۔

دوسرے کسی شخص کے طرز عمل و مسائل مختار و مذہب کے بڑے حصہ کا آسانی کے ساتھ بتانے و معلوم کرانے کا یہی طریقہ ہوسکتا تھا کہ کسی ایسے امام کی نسبت کر کے جس کا مذہب مشہور ہونے کے سبب سے سب جانتے ہیں۔ اور وہ شخص اُس امام کے ساتھ بیشتر مسائل میں موافق ہے بتا دیا جائے۔ ورنہ ایک ایک کے لئے ایک ایک مسئلہ تفصیل وار کہاں تک بیان کیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ اس کا مسلک جس کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا تھا اُسی کی طرف اُس کو نسبت کر دیا جائے۔ مثلاً کہہ دیا جائے کہ وہ شافعی ہے۔ یعنی اُس کی عام روش اور زیادہ تر اس کی تحقیقات امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔

تیسرے جو شخص اس زمانے کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اُس زمانے میں امن و عافیت۔ حصول خدمت درس و افتاء وغیرہ۔ موقع اشاعت علم و تبلیغ احکام الٰہی بلا کسی امام کی طرف انتساب کے ساتھ دشوار تھا۔ تواریخ دیکھو اکثر مدارس خاص خاص مذہب کے فقہاء کے نام پر واقف تھے۔ جب تک کوئی اسی مذہب کی طرف منتسب نہ ہو وہ اُن مدارس میں مقرر نہ ہوسکتا تھا۔ اسی طرح قضاء و افتاء کے محکمہ کا حال تھا کہ خاص خاص مذاہب کے نام کی مدات تھیں۔ جب تک کوئی انہیں میں شامل نہ ہو وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہوسکتا تھا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں:

''میں نے ایک مرتبہ اپنے استاذ امام بلقینی (رحمہ اللہ) سے عرض کیا کہ شیخ تقی الدین (رحمہ اللہ) سبکی کو اجتہاد سے کون چیز روکتی تھی، حالانکہ ان کو پورے طور پر آلات اجتہاد حاصل تھے تو پھر مقلد

کیوں بنتے تھے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں مجھ کو اپنے استاذ بلقینی کی نسبت بھی یہی سوال تھا مگر میں نے اُن کے سامنے اُن کا نام شروع سے نہیں لیا۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا جو جواب وہ سبکی کی بابت دیں گے وہی میں ان کی نسبت بھی خیال کرلوں گا تو امام بلقینی چپ رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے کہا میری رائے میں اس کی وجہ سوا اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یہ صرف اُن وظائف کی وجہ سے تھا کہ جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کے لئے مقرر تھے اگر کبھی وہ اُن سے نکلتے اور خود اجتہاد کا نام لیتے تو اُن وظائف میں سے ان کو کچھ نہ مل سکتا۔ اور لوگ اُن سے فتویٰ لینے سے بھی رک جاتے اور اُلٹے وہ بدعتی ٹھہرائے جاتے۔ اس میرے کہنے پر امام بلقینی مسکرائے اور میری موافقت کی۔ [1]

اہل حدیث کے ساتھ تشدد اور ان کی ایذا دہی:

خلیفہ [1] معتصم باللہ کے زمانے میں کہیں بیچارے علی شہربانی محدث نے (حنفی مذہب کے خلاف) اس مسئلہ پر فتویٰ لکھ دیا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ اور محدث عبدالعزیز محیطی نے اُن کی موافقت کی۔ لہٰذا ان دونوں کی ایذائیں دی گئیں۔ اور شہربانی جس مدرسہ میں تھے، اس سے نکال

---

(۱) اس حکایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف میں فقیہ ابن زیاد کے کلام سے ذکر کیا ہے لیکن فقیہ مذکور نے ابوزرعہ کی اس رائے سے موافقت نہیں کی اور بنا بر حسن ظن کی سبکی کی نسبت اس بات کا خیال رکھنا کہ انہوں نے بوجہ وظائف کے اجتہاد کو چھوڑ ناجائز نہ خیال بلکہ اس سے بہتر وجہ یہ سمجھی کہ سبکی مرتبہ اجتہاد منتسب کا رکھتے تھے اور موافقت کی وجہ سے منسوب ہوئے۔ لیکن ہم نے اس حکایت کو صرف اس غرض سے نقل کیا ہے کہ وظائف خاص خاص مذہب کے نام کے مقرر تھے اور جو ان سے باہر ہونے کا نام لیتا وہ ان سے محروم رکھا جاتا تھا بلکہ اور مطعون ہوتا تھا۔ لہٰذا ابوزرعہ کی بابت سبکی کی رائے کے صواب ہونے نہ ہونے چنداں ہم کو بحث نہیں۔ دوسرے اندرونی حالات کے متعلق ایک قریب زمانے کے مبصر کی رائے بہ نسبت دور والے زمانے کے انداز سے بہت زائد وزنی ہے۔ پس ابوزرعہ کی رائے بابت سبکی اور بلقینی کے فقیہ ابن زیاد کی رائے سے زائد معتبر ہے۔ تیسرے سبکی کی بابت یہ رائے صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا اثر اس زمانے میں ضرور تھا جو کہ اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سب کے علاوہ اس انتساب کی ایک نہایت حسین وجہ تم آگے ہمارے کلام میں دیکھو گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) التاج المکلل ص: ۱۶۶۔

دیے گئے اور محیطی بھی شہر بدر کر دیے گئے۔

علامہ ابن حزم [۱] کو جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کی طرف منسوب ہونا نہیں چاہتے تھے باوجود یکہ وہ ایک نہایت معزز [۲] شخص تھے، اُن کے معاصر زمانے کے ہم رنگ علماء نے بالاتفاق اُن کو گمراہ ٹھہرایا اور لوگوں کو اُن سے ملنے کی ممانعت کر دی، اور سلاطین کو بھی اُن کی طرف سے بھڑکا دیا۔ حتیٰ کہ تمام سلاطین ممالک نے اپنے اپنے ملک سے اُن کو نکال دیا۔ آخر بے چارے مجبور ہو کر کسی گاؤں کی طرف نکل گئے اور وہیں قضاء کی۔

علامہ [۳] ابن تیمیہ کو بھی ان کے معاصرین نے سخت سخت اذیتیں دیں۔ طرح طرح سے ان کے معاصر فقہاء ان کے پھنسانے کے لئے ان پر تہمتیں لگاتے تھے۔ اس وجہ سے کتنی مرتبہ بیچارے قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ لوگوں نے بہت مرتبہ اُن کو جان سے مار دینے کے لئے اُن پر حملے کیے مگر یہ ہمیشہ کرامتاً بچ بچ جاتے تھے۔

اسی طرح علامہ ابن القیم [۴] کو ایذائیں دی گئیں اور وہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کے ساتھ قید کیے گئے اور اونٹ پر بٹھا کر پھرائے گئے۔ درے لگتے جاتے تھے اور رسوا کیے جاتے تھے۔

امام ابو الحجاج مزی [۵] جو کہ اپنے وقت کے ایک بڑے مشہور اور مستند عالم تھے اور ان کی زندگی ہی میں اُن کی تصانیف مثل تہذیب الکمال وغیرہ مقبول و مشہور ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں۔ اور جن کے حافظ الحدیث علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی خوشہ چین ہیں۔ صرف اتنی

---

(۱) التاج المکلل ص: ۲۴۹۔
(۲) اِن کے والد وزیر سلطنت تھے اور یہ خود بھی وزیر رہے تھے۔
(۳) التاج المکلل ص: ۲۸۹۔
(۴) التاج المکلل ص: ۲۸۵، وغیرہ۔
(۵) التاج المکلل ص: ۳۲۹، از ذہبی۔

بات پر کہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کی طرف سے وہ کسی شافعی سے بحث کرنے لگے۔ اور ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کے مخالفین کے مقابلے میں امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد پڑھنے لگے۔ فقہاء سمجھے کہ اس سے ہماری تردید مقصود ہے۔ وہ غضب میں آ گئے اور قاضی شافعی نے اُن کو قید کر دیا۔

حافظ الحدیث [1] مہ عبدالغنی مقدسی کہیں ظاہر قرآن وحدیث کے موافق صفات الٰہی میں اس طریقے کے خلاف کہ فقہاء ان میں تاویل کرتے ہیں کلام کرنے لگے۔ اس پر فقہاء اُن کے پیچھے پڑ گئے اور اُن کا قتل مباح قرار دیا۔ بادشاہ اُن کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ مگر کچھ امراء نے بڑی سعی وسفارش کر کے اُن کی جان چھڑائی اور آخر وہ شہر بدر کر دیے گئے۔ اور ایک دوسرے مقام پر جا کر بقیہ عمر روپوش ہو کر رہے۔

امام حمیدی [2] صاحب الجمع بین الصحیحین کو بھی کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے، سخت سخت مصیبتیں سہنا پڑیں۔

اسی [3] طرح شیخ الاسلام ہروی اور علامہ صالح مقبلی اور سید محمد بن اسماعیل امیر کو جو کہ یہ سب علماء اہل حدیث سے تھے اور زمانہ کے رنگ کے خلاف قرآن وحدیث پر چلتے تھے، زمانے کے لوگوں سے طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ بھلا یہ لوگ تو گویا سب سے غیر تھے اُن کو جتنا ستایا جائے تعجب نہیں۔

علامہ منصور [4] بن محمد تمیمی کو جو کہ حنفی تھے وہ حج کو گئے۔ وہاں ان کو شافعی مذہب زیادہ پسند ہوا۔ اس کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس پر بھی باوجودیکہ وہ شافعی کا نام لیتے تھے، لوگ ان کی ایذاء

---

(۱) التاج المکلل ص:۱۳۹، از ابن النجار۔

(۲) التاج المکلل ص:۱۸۷، نقل از ذہبی۔

(۳) کتب تراجم میں ان کے حالات دیکھو اور موقع ہوا تو شاید ہم بھی آگے لکھیں۔

(۴) التاج المکلل ص:۴۱۔

رسائی سے باز نہ رہے اور ان کے ساتھ تعصب اور بدسلوکی کا طریقہ برتا۔

غرض اس میں کچھ کلام نہیں کہ زمانہ کی عام روش و رنگ کے خلاف کسی بڑے یا چھوٹے کا زبان ہلانا کچھ آسان امر نہ تھا اور اس سے نہ صرف اپنی ہی جان کو نشانہ بلایا و آفات کرنا ہوتا بلکہ بہت مواقع میں جس امر کی بابت مخالفت کی جائے اس سے زائد اہم اور ضروری شرعی امور کو مثل اشاعت علم وتدریس، فنون وتبلیغ مسائل ضروریہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، بسط، عدل وانصاف، بذریعہ خدمت قضاء وافتاء، اصلاح ملک، مواعظۃ امراء وسلاطین وغیرہ وغیرہ کے نقصان پہنچتا تھا۔ پس اس خاص وجہ سے بہت علماء محققین نے جو کہ دراصل کسی کے مقلد نہیں اور نہ اُن کو تقلید کی ضرورت ہے۔ زمانہ کے عام رواج کے موافق اپنے آپ کو کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب ہونے دیا اور اس سے کوئی انکار نہ کیا۔ اور ان کا ایسا کرنا بضرورت وقتی یا بمصلحت [1] شرعی تھا نہ یہ کہ اُن سب نے دنیا کے پیچھے دین کو چھپایا اور نہ یہ کہ وہ فی الاصل مقلد تھے۔

مصلحت بینی یا استخفاف حدیث:

ان لوگوں نے جب کہ وہ ان امام کا جن کی طرف وہ منسوب تھے خلاف کرتے تھے، عوام کے سمجھا دینے کا یہ اچھا ذریعہ پالیا تھا کہ وہ کہہ دیتے تھے کہ امام نے فرمادیا ہے، ''إذا صح الحديث فهو مذهبي'' اور ''أتركوا قولي بخبر الرسول (ﷺ)''، لہٰذا ہم جو یہ ان کا خلاف کرتے ہیں، تو یہ نہ سمجھو کہ جس امام کے ہم مقلد ہیں ہم نے اُن کو چھوڑ دیا یا ان کا خلاف کیا۔ نہیں، بلکہ

---

(۱) اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ جو لوگ اس انتساب سے علیحدہ ہوئے اور طرح طرح کے مصائب وآفات کے نشانہ بنے، انہوں نے سخت غلطی کی اور وہ اس مصلحت سے ناواقف رہے، نہیں بلکہ ان کے ایمان نے اس کا حکم دیا جو اُنہوں نے کیا۔ اور اُنہوں نے اپنے حق میں شرعاً یہی مناسب پایا اور انہوں نے یہ مصائب اللہ ہی کے واسطے برداشت کئے۔ اور غور کیا جائے تو اصل میں عزیمت پر انہیں نے عمل کیا اور وہ جو لوگوں کے فتنہ وغیرہ کے خوف کی وجہ سے منتسب ہوتے رہے رخصت پر عامل رہے یا خاص مصالح کے خیال سے ایسا کیا۔

انہوں نے خود کہہ دیا کہ جب حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ تو اصل میں ہم انہیں کے کہے پر چلتے ہیں۔ چنانچہ تم امام نووی وغیرہ کے کلام میں اکثر ایسا پاؤ گے۔ لیکن یہ عذر اُن کا صرف عوام کے فتنہ کو فرو کرنے کی غرض سے تھا۔ ورنہ حقیقت میں حدیث رسول (ﷺ) کے ساتھ سخت گستاخی اور بے ادبی ہے کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ٹھہرائی جائے کہ فلاں امام نے حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اس حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ تو گویا امام اصل ٹھہرے اور حدیث رسول (ﷺ) کی پیروی اُن کے حکم کی فرع ہوئی۔ ایک مسلمان کو جس کے سامنے حدیث رسول (ﷺ) موجود ہے اور اُس کی نسبت اُس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہے۔ کیا اس پر عمل کرنے کے لئے اُس کی بھی ضرورت ہے کہ کسی امام کی اجازت بھی ہونا چاہئے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسا کہنا یا کرنا حدیث رسول (ﷺ) کی سخت توہین اور بے قدری اور اُس کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔ افسوس مذہب تقلید ہی ہے کہ اس نے حدیث کے ساتھ یہ صورت گستاخی کی پیدا کی اور علماء کو مجبور کیا کہ وہ ایسا کہہ کر اپنا پیچھا چھڑائیں۔

اظہار حق سے علماء کو سکوت کیوں اور کیسے؟

خلاصہ یہ کہ بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے یہ علماء ان مشہور مذاہب میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہوئے۔ جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب مقلد تھے۔ حالانکہ وہ مقلد نہ تھے بلکہ یہ نسبت اصل میں بوجوہ مجبوری تھی۔ علامہ شوکانی[1] کیا خوب لکھتے ہیں: ''ہم کسی مجتہد کو نہیں جانتے کہ اس نے مقلدین کے فعل کو جنہوں نے شریعت کے کئی حصے بنا لئے ہیں جائز رکھا ہو بلکہ اکابر علماء یا

---

(۱) علامہ موصوف نے یہ مضمون القول المفید، ص: ۱۸- ۲۳ میں لکھا ہے۔ علامہ موصوف ملک یمن کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ علامہ شوکانی کے زمانے کے جو امیر یمن تھے وہ ان کے موافق اور اہل حدیث تھے۔ اسی وجہ سے علامہ موصوف کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ ایسا ظاہر باہر حق ظاہر کرسکیں۔ چنانچہ علامہ موصوف نے بدر طالع میں بذیل ترجمہ سید قائم بن امیر المؤمنین لکھا ہے۔

تو منع کرتے رہے یا ڈر کے مارے بخوف ضرر یا فوت نفع کے چپ رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی عالم اعلان کے ساتھ ممالک اسلام میں سے کسی شہر میں کہتا ہے کہ یہ تقلید بدعت ہے اس پر رہنا جائز نہیں تو اگر کل نہیں تو اکثر تو ضرور اُس کی اہانت کے لئے اور اُس کے مال و بدن اور آبرو میں نقصان پہنچانے کے لئے اُٹھے کھڑے ہوتے جو اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں اور یہ تو جب ہوتا کہ مقلدین اور اُن کے مددگار سلاطین اور حکام کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جاتا ہے (ورنہ جان ہی بچنا مشکل تھی) اور اسی سبب سے یہ بدعت تمام بلاد اسلامیہ پر چھا گئی اور تمام افراد مسلمین شامل نظر آنے لگے۔ تو ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے اور ایسا ہی قیامت تک رہے گا اور (اصلی) بھلی بری بات کو نہیں جانتے (اور بہ سبب اپنی ناواقفیت کے حقیقت حال سے واقف نہیں) اور یہی حال تقلیدی علم کے عالموں کا بھی ہے بلکہ ان کا ضرر اور زائد ہے کیونکہ ان کو اپنے مذہب پر زاید ہٹ ہوتی ہے اور وہ اس کو جہلاء کی نظر میں اچھا بنا کر دکھاتے ہیں اور علماء محققین (اہل حدیث) کی تحقیر کرتے ہیں اور ان پر تہمت لگاتے ہیں کہ یہ اماموں کے مخالف ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ اس کو ملوک اور امراء ان سے سن کر یقین کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں کے ہم جنس ہیں۔ جیسا کہ وہ بے علم ہیں ایسے ہی یہ بے علم ہیں۔ گو ان مسائل کے عالم ہیں۔ جس میں دوسرے کی تقلید کر رہے ہیں۔ خصوصاً جب کہ کہیں کے قاضی یا مفتی بھی ہوئے کیونکہ عوام لوگ اہل علم میں سے کامل اور غیر کامل کو کیا پہچان سکتے ہیں بجز اس کے کہ جس کو مناصب اور قرب سلاطین حاصل ہو۔ اور جس کی طرف رجوع زائد دیکھیں اسی کو بڑا عالم سمجھیں اور یہ امور اکثر طبقہ مقلدین ہی کے ہاتھ میں رہے ہیں۔

چنانچہ حال کے اور پہلے زمانے کے حالات کا ہر جاننے والا اس بات کو جانتا[1] ہے

---

(۱) ہم نے یا علامہ شوکانی نے جو لکھا ہے کہ بہت سے علماء عوام کے مروج مسلک کی برائی ان کے فتنہ اور امراء---

جس کو دیکھنا ہو اس زمانے میں دیکھ لے اور زمانہ میں دیکھ لے اور زمانہ سابق کی کتب تواریخ کو دیکھے اور علماء محقق (غیر مقلدین) بیچارے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اکثر پوشیدہ اور علیحدہ رہے۔ جب کوئی علماء مجتہدین میں سے مقلدین کے معتقدات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو علماء مقلدین جاہلانہ طریقہ سے اُس کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اہل دنیا اور ارباب سلطنت اُن کی موافقت کرتے ہیں اور جو کچھ ضرر بدنی اور مالی کی قدرت پاتے ہیں کر گزرتے ہیں اور اس سے اُن کے ہم جنس لوگ ان کا اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان کے گمان میں دین کی مدد کی اور ائمہ اور ان کے مذاہب کی طرف سے جواب دہی کر دی۔ پس ان کی اور عزت بڑھ جاتی ہے اور اس بے چارے محقق عالم کی آبرو ان لوگوں کی گالیوں کا نشانہ ٹھہرتی اور مبتدع اور جاہل اور گمراہ بنایا جاتا تو ذرا نظر کرو کون ہے (جو ایسی حالت میں) اس بدعت کے روکنے کے لئے کھڑا ہو۔ باوجودیکہ ہر شخص کو (طبعی طور پر) دنیا مقدم ہے اور جب مال اور جاہ کی طرف (عموماً) دل مائل ہیں، تو اے منصف نظر انصاف سے دیکھ سکوت (اُن) علماء اجتہاد کا اس تقلید کے منع سے (جنہوں نے سکوت

---- وسلاطین کی مخالفت کی وجہ سے علی الاعلان ظاہر نہ کر سکے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے کوئی صاحب بصیرت انکار کر سکے خود ہمارے زمانے کی بھی یہی حالت ہے۔ کسی متبع سنت کی ایذاء رسانی میں جب قابو پاتے ہیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ہندوستان کی اسلامی ریاستیں جن کے رئیس باوجودیکہ برائے نام ہی خود مختار ہیں پھر بھی ان کی حدود ریاست کے اندر کوئی عالم طاقت نہیں رکھتا کہ اُس مسلک و مذہب کو یا اور کسی مسئلہ کو جو وہاں کے رئیس کے عقیدہ کے مطابق ہے اور وہاں عموماً مروج ہے بدعت و ناجائز و غلط علی الاعلان کہہ سکے۔ اس بات کا اگر کوئی سورج پر خاک ڈال کر انکار کر دے تو کر دے مگر دیوبندی المذہب لوگ تو کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ ورنہ جواب دیں کیا وجہ ہے وہ علماء جو ریاست حضور نظام دام حشمتہ یا ریاست رامپور حفظت عن الشرور یا دیگر ممالک اسلامیہ مثل افغانستان یا ممالک عثمانیہ أدام شوکتہا میں رونق افروز ہیں ان باتوں کو جن کو دیوبندی بدعت و شرک کہتے ہیں۔ مثلاً مجلس میلاد شریف و قیام عند ذکر الولادت اور وہ رسوم جو میت کے بعد کئے جاتے ہیں یا وہ معاملات جو مزارات اولیاء کے ساتھ کیے جاتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے اور ان کو موقوف کرا دیتے۔ کیا سب کے سب وہ جاہل ہیں جو ان امور کا منع ہونا ان کے علم میں نہیں آیا یا سب کج فہم و پلید ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا یا ایسے بد دین ہیں کہ باوجود جاننے اور قدرت دفع کے دفع نہیں کرتے۔

کیا) کیا موافقت پر دلالت کرتا ہے، ہر گز نہیں، بلکہ یہ سکوت خوف سے ہے نہ کہ رضامندی سے۔

علماء کی صراحۃً یا اشارۃً تقلید سے ممانعت:

مگر اس پر بھی یہ لوگ اللہ کے عہد اظہار حق کو کسی نہ کسی طور سے پورا کرتے تھے،کسی نے اپنی تصنیف میں صراحۃً لکھ دیا یا کسی نے اشارۃً لکھا۔کسی نے اپنی تحریر کو چھپا کر رکھ دیا کہ بعد موت کے ظاہر ہووے۔ چنانچہ اوفوی اپنے استاد امام ابن دقیق العید کی حکایت کرتے ہیں کہ ”انہوں نے اپنی مرض الموت میں ان سے ایک کاغذ مانگا اور لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا۔جب انتقال کر گئے تو لوگوں نے وہ پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں بالکل تقلید کی حرمت لکھی تھی۔“

اور بعض اپنے معتمد لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور طبقۃً بعد طبقۃٍ یہ نصیحت متوارث چلی آتی تھی اور کامل لوگ (اپنے خاص خاص) واقفوں کو بتا دیا کرتے تھے۔اور گو یہ بات اہل تقلید سے پوشیدہ رہی (اور پوشیدہ رہنا بھی چاہیئے اس لئے کہ یہ خاص طور پر کہا جاتا تھا نہ عام طور پر) مگر اوروں سے پوشیدہ نہیں۔اور ہم اپنے زمانہ میں بہت سے مشائخ کو دیکھتے ہیں، جو علم اجتہاد میں مشغول ہیں کہ کوئی ان میں سے تقلید کے درست ہونے کا قائل نہیں۔اور بعض نے تو صاف صاف تقلید کے بے بنیاد ہونے کو ظاہر کر دیا اور کتنے ان مسائل کا جن کے مقلدین معتقد ہیں انکار کیا۔آخر معاصرین نے ان کے ساتھ جھگڑے کئے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور انہوں نے ان کو برداشت کیا۔جس سے اُن کا اجر اور بڑھا۔

تقلید کے نتائج فاسدہ:

غرض جو علم تقلیدی کے حاصل کرنے والے ہیں، ان پر علماء اجتہاد کے ساتھ بے حد تعصب غالب ہوتا ہے۔اور نیز عوام کو اس وہم میں ڈالنا کہ یہ لوگ اماموں کے مخالف ہیں، جن کی عظمت سے ان کے دل بھرے ہوئے ہیں۔حتیٰ کہ ان کے برابر صحابہ کو بھی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا نہیں

جانتے پھر بھلا بعد والا کوئی کیسے ہوسکتا ہے۔ اور گو وہ اس بات کو زبان سے نہ کہیں مگر ان کے دل میں یہ ضرور سمایا ہوا ہے (جیسا کہ طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔) پس ان کے نزدیک امام کا کوئی کسی مسئلہ میں خلاف کرے تو گویا وہ نص قطعی کا مخالف اور ایک امر شنیع کا مرتکب ہے اور گو وہ کیسا ہی قرآن وحدیث سے اپنے دلائل بیان کرے مگر کوئی اس کی نہیں سنتا بلکہ ہمیشہ اس کے درپئے توہین رہتے ہیں، اس حد تک کہ کسی فاسق اور مبتدع اور خارجی رافضی کے نہیں رہتے اور اس سے اس قدر بغض رکھتے ہیں، جتنا یہود ونصاریٰ سے نہیں رکھتے۔ اور جو اس سے انکار کرے وہ اصل واقعات سے بے خبر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ ان کے نزدیک ضال ومضل ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی گناہ نہیں بجز اس کے کہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے۔ ملخصاً۔

ہمارے اس تمام بیان سے خوب واضح ہوگیا کہ یہ خیال کہ سارے علماء محدثین کسی نہ کسی کے مقلد تھے کس قدر غلطی وناواقفی پر مبنی ہے۔ حالانکہ یہ سارے بڑے بڑے علماء محدثین جو گزرے ہیں گو وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف منسوب ہوں مگر اصل میں وہ کس کے مقلد نہیں۔ اور یہ نسبت خاص خاص وجوہ سے وقوع میں آئی اور اصل میں تقلید ہی کا رواج تھا، جس نے ان کو تقلید کے سلسلے میں جکڑا اور صورت مقلدین میں ان کو ظاہر کیا۔ افسوس مذہب تقلید نے اپنے اثر سے جس کا اثر عوام تک محدود رہنا چاہئے تھا۔ ان محقق علماء کو بھی نہ چھوڑا اور اُن کی نفس الأمر کے خلاف صورت بنا کر دکھائی۔

مذہب تقلید نے صرف یہی نہیں کیا جو ہم نے اب تک لکھا ہے [۱]۔ یعنی یہ کہ خیر القرون کے رنگ کو بدل کر دوسرا رنگ پیدا کیا۔ مسلمانوں میں تفریق ڈال کر چار جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ لوگوں سے بے اصل اور نئے نئے دعوے کرائے۔ عالموں کے ساتھ انبیاء کا سا معاملہ

(۱) چنانچہ ان تمام باتوں کا ذکر مفصل اوپر ہو چکا۔

کرایا۔خیر بقاع الارض مکہ معظمہ میں چار مصلے قائم کرادیئے اور جماعت صلوٰۃ میں تفریق پیدا کردی۔لوگوں سے آزادی وانصاف پسندی کی بحث کو جس کا نام تحقیق ومناظرہ ہے، چھڑا کر خاص خاص راویوں اور مذہبوں کی طرف داری وحمیت پر مجبور کیا جیسا کہ برابر مقلد علماء ایسا کرتے ہیں۔ لوگوں سے ان کے خاص خاص اماموں کی واقع کے خلاف تعریفیں اور دوسرے اماموں کی مذمتیں کرائیں۔اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان کی تائید کے جیتنے سے ان سے جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنوائیں۔علماء حقانی وعاملین بالحدیث کے ساتھ عداوت پیدا کرادی اور ان پر ظلم کرائے۔حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک صورت گستاخی کی پیدا کی۔علماء حقانی کو مجبور کیا کہ وہ صورت تقلیدی میں ظاہر ہوں۔وغیرہ۔

تقلید شغل حدیث سے مانع ہوتی ہے:

بلکہ اس نے دو خرابیاں اور بہت بڑی پیدا کردیں: اول یہ کہ لوگوں کو عموماً اس سے روک دیا کہ وہ فن حدیث میں مشغول ہوں۔اور اس سے جو کہ مقصود اصلی استدلال واستفادہ تھا وہ حاصل کریں بلکہ وہ اس سے محروم رہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا علم اور ان کے خیالات کی دوڑ خاص خاص ائمہ کے اقوال کے اندر محدود رہی اور ان کا بلاغ علم کچھ زائد اور وسیع نہ ہوسکا۔گویا ان کے نزدیک بس شریعت وہی ہے جو ان کے امام فرما گئے۔علم حدیث وہ علم تھا کہ ہر اس شخص کے لئے جو تحصیل علم دین کا قصد کرے وہی غایت قصویٰ اور مقصود اصلی ہونا چاہیئے اور زیادہ تر اسی کا شغل رہنا چاہیئے تھا۔کیونکہ اسلامی احکام کے بڑے حصہ کا مدار اسی پر ہے اور وہی سب کا رہنما ہے،لیکن ایسا نہ کیا گیا۔اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ چونکہ بڑی غرض جو حدیث سے متعلق ہے، وہ اس سے احکام کا استخراج اور اس پر عمل ہے۔تو جب احکام وعمل کا مدار خاص خاص علماء کے اقوال پر ٹھہرا اور انہیں سے کام رہا تو حدیث سے استغنا ہوگیا۔اور اس سے کوئی بڑی غرض متعلق نہ رہی۔لہٰذا اس کی طرف توجہ

نہ کی گئی۔

حدیث کی بے قدری اور اس سے بے توجہی:

دوسرے جب قضاء وافتاء ونظام سلطنت اور ملکی قوانین وغیرہ کا مدار انہیں فقہی مسائل پر قرار پا گیا۔ اور عموماً لوگ اپنے حوادث وواقعات۔ عبادات ومعاملات میں انہی پر عمل کرتے اور انہیں کو پوچھتے تھے۔ لہٰذا انہیں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہوئی اور انہیں کی قدر ہوئی۔ پس انہیں کی طرف عام توجہ ہوئی اور انہیں کو حاصل کیا گیا۔ اور فن حدیث سے جس کی ان کو نہ چنداں ضرورت تھی اور نہ کچھ زائد اس کی قدر تھی بے توجہی کی گئی اور اس میں شغل نہ پیدا کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی ضرورت اور اس کی قدر ہوتی ہے اسی کو حاصل کیا جاتا ہے اور اُسی میں کمال پیدا کیا جاتا ہے اور اسی کی طرح عام توجہ ہوتی ہے اور جس چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یا اس کی قدر نہیں ہوتی اس کے حاصل کرنے والے اور اس میں کمال پیدا کرنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔ غرض رواجِ تقلید نے عموماً لوگوں کو حدیث سے بے بہرہ کر دیا اور بیشتر وہ طبقہ جو اہل علم کے ساتھ نامزد ہے فن حدیث سے بے خبر رہ گیا۔ چنانچہ تفصیل اس کی مع ثبوت کے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے تم دیکھو گے۔

''اہل علم'' میں سے تقلید کے حامی؟

اہل علم میں شمار ہونے والوں میں سے یہی وہ جماعت ہے، جو مذہب تقلید کی پشت پناہ وحامی رہی۔ علماء کے اس فریق کا تقلیدی طرز عمل پر قائم رہنا یا اس کی تائید کرنا نہ کچھ باعث تعجب ہے اور نہ قابل حجت ہے، اس لئے کہ وہ خود ہی مبانی اجتہاد واصول دلائل سے ناواقف رہے اور ان کا مبلغ علم انہیں تقلیدی علوم کے اندر محدود رہا۔ پس اُن کا قول وفعل خاص کر ایسے امور کی بابت کیا قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ خود ہی دوسرے کے مقلد تھے نہ اُن کی کوئی ذاتی تحقیق تھی اور نہ اپنی کوئی رائے۔

فقہاء کی شہرت، کن علوم میں زیادہ ہوتی تھی؟

علماء[1] کا یہ گروہ زیادہ تر علم فقہ اور اصول فقہ وعلم بیان ومعانی میں اور بعض فلسفہ میں بھی جو کچھ عرصہ سے اسلام میں داخل ہوگیا تھا، تبحر وکمال حاصل کرتا تھا اور انہیں میں وہ استاذ زمانہ مقتداء فن اور صاحب تصنیف وتالیف ہوتے تھے اور انہیں کے اعتبار سے وہ بڑے بڑے مقتدر عالم کہلاتے تھے۔ اور شیخ الاسلام اور فخر الاسلام اور صدر الشریعۃ اور ملک العلماء اور تاج الشریعۃ اور شمس الائمۃ وغیرہ لقب پاتے تھے۔ مگر افسوس جس عالی پایہ کے وہ عالم شمار ہوتے تھے یا جس رفیع منزلت کے ان کے القاب تھے، اکثر ان میں کے اس درجہ کے موافق تو کیا اس سے کم بھی حدیث سے واقفیت نہ رکھتے تھے جس کے غالب اسباب ہم بتا چکے۔

فقہاء بالخصوص حنفیہ کی علم حدیث میں بے مائیگی:

علامہ عبد الرحمن ابن اسماعیل ابوشامہ فرماتے ہیں:

”ہمارے[2] زمانے کے فقہاء کتب حدیث وآثار دیکھنے سے اور احادیث کے معانی اور ان سے جو مسائل نکلتے ہیں، ان میں بحث کرنے سے اور شروح حدیث میں جو نفیس نفیس کتابیں لکھی

---

(۱) اس قسم کے علماء زیادہ تر حنفی مذہب میں ہوئے ہیں، جو فن حدیث سے ناواقف رہنے کی وجہ سے درجہ اجتہاد کو نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ اگر وہ بہت ترقی کرتے تھے تو اپنے مذہب کے مجتہد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف میں فرماتے ہیں: والقرض المجتهد المطلق المنتسب في مذهب أبي حنيفة بعد المائة الثالثة وذلک لأنه لا يكون إلا محدثا جهبذا واشتغالهم بعلم الحديث قليل قديماً وحديثاً وإنما كان فيهم المجتهدون في المذهب۔ یعنی ”مجتہد مطلق منتسب حنفی مذہب میں تیسری صدی بعد سے نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ تو وہی ہوسکتا ہے جو بڑا محدث ہو۔ اور حنفیوں کا شغل حدیث کے ساتھ کم رہا ہے۔ پہلے سے بھی اور اب بھی۔ ہاں ان میں جو ہوئے تو مجتہد فی المذہب ہوئے۔“ اِس سے ثابت ہوا کہ حنفیوں میں تیسری صدی کے بعد سے جس قدر علماء ہوئے ہیں جن میں یہ اکثر مشاہیر فقہاء اور اصحاب تصنیف اور ان مذکورہ القاب والے بھی داخل ہیں، حدیث میں کچھ ایسا دخل نہ رکھتے تھے اور زیادہ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وقد حرم الفقهاء في زماننا النظر في كتب الحديث والآثار والبحث عن----

گئیں، ان کے دیکھنے سے محروم ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے وقت اور اپنی عمروں کو ان سے پہلے جو پچھلے فقہاء گزرے ہیں، انہیں کے اقوال میں فنا کر دیا۔ اور اپنے نبی کے نصوص میں نظر کو جو خطا سے معصوم تھے اور آثار صحابہ میں جنہوں نے وحی اُترتی دیکھی اور پیغمبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغز شریعت کو سمجھا، چھوڑ بیٹھے۔ سو بے شبہ یہ لوگ رتبۂ اجتہاد سے محروم رہ گئے اور اپنے باپ دادا کی تقلید ہی پر باقی رہے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

"اگر نمونۂ یہود خواہی کی بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشد و خو گرفتہ بہ تقلید سلف و معرض از کتاب وسنت و تعمق و تشدد استحسان عالمی را مستند ساختہ از کلام شارح معصوم بے پرواشدہ باشد و احادیث موضوعہ و تالیفات فاسدہ را مقتداء خود ساختہ باشد تماشا کن کاَنہم ہم۔"

اس طبقہ کے لوگوں میں سے اگر کسی پر محدّث کا لفظ کسی نے بولا ہو تو اس وجہ سے ہے کہ وہ اسی طبقہ کے لوگوں میں سے بہ نسبت دوسرے کے کسی قدر حدیث سے لگاؤ رکھتا تھا یا یہ کسی مناقب لکھنے والے نے مبالغۃً لکھ دیا جیسا کہ عادۃً محدثین کے سوا مناقب لکھنے والوں کا مبالغہ کا دستور ہوتا ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

تقلید، عمل بالحدیث سے مانع ہوتی ہے:

دوسرے وہ بات جو مذہب تقلید نے پیدا کر دی یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو کلام الٰہی اور

---- فقهها ومعانيها ومطالعة الكتب النفيسة، المصنفة في شروحها وغريبها بل أفنوا زمانهم وعمرهم في النظر في أقوال من سبقهم من متأخري الفقهاء وتركوا النظر في نصوص نبيهم المعصوم عن الخطاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وآثار الصحابة الذين شهدوا الوحي وعاينوا المصطفى وفهموا نفائيس الشريعة فلاجرم حرم هؤلاء رتبة الإجتهاد وبقوا مقلدين على الآباء۔ (دیکھئے: مختصر المؤمل ص: ۲۹، در مجموعہ الرسائل المنیریہ، ج: ۳، ع۔ح۔)

حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر عمل سے روکا اور ان سے طرح طرح کے حیلوں و بہانوں کے ساتھ جن کا ذکر ہم ان شاء اللہ العزیز آگے کریں گے۔ ان کا رد اور دونوں سے انکار کرایا۔ اس کے متعلق اگر ہم صرف اپنا ہی مشاہدہ لکھیں، جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب کسی مقلد کے سامنے خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے (إِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ) کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کی جاتی ہے، جو اُن کے مذہب کے موافق نہیں تو اس کے دفع کے لئے کیا کیا وہ حیلے نکالتے اور باتیں پیدا کرتے ہیں اور کسی طرح وہ اُن کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو کا ہے کو کوئی اعتبار کرے گا۔ لہٰذا ہم نظیر کے طور پر چند ایسے مستند علماء کی شہادت پیش کرتے ہیں، جس سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ **امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:**

''میرے استاذ خاتمۃ المحققین والمجتہدین نے فرمایا کہ میں نے (ایک دو کو نہیں) بلکہ ایک جماعت مقلدین فقہاء کو مشاہدہ کیا کہ میں نے بعض ان مسائل میں جو ان کے مذہب کے خلاف تھے، ان کے سامنے قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پڑھیں مگر انہوں نے ان آیتوں کو نہ مانا اور نہ ان کی طرف کچھ التفات کیا بلکہ مجھ کو اور تعجب [1] کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ گویا یہ کہ ان ظاہر آیتوں پر عمل کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہمارے سلف تو اس کے خلاف کہہ گئے ہیں (لکھتے ہیں) اے مخاطب اگر

---

(۱) اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ ہمارے ہمعصر جناب مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم رامپوری کو جن کی تحقیقات بالغہ پر بہت سے مقلدین کو ناز ہے، یہ مضمون تفسیر کبیر میں تحت آیت {اتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ} کے نہیں ملا جیسا کہ وہ خود انتصار الحق میں لکھتے ہیں۔ حالانکہ اسی آیت کے تحت میں یہ مضمون موجود ہے۔ چنانچہ عبارت اُس کی یہ ہے: قال شيخنا ومولانا خاتمة المحققين والمجتهدين رضي الله تعالىٰ عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت عليهم آيات كثيرة من كتاب الله تعالىٰ في بعض المسائل وكانت مذاهبم بخلاف تلك الآيات فلم يقبلوا تلك الآيات ولم يلتفتوا إليها وبقوا ينظرون إلى كالمتعجب يعني كيف يكون العمل بظواهر الآيات مع أن الرواية عن سلفنا وردت على خلافها ولو تأملت حق التأمل وجدت هذا الدواء سارياً في عروق الأكثرين من أهل الدنيا۔

تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور کرے (تو ایک جماعت فقہاء کیا) یہ بلا تو اکثر (ایسے مقلدین) میں تو گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں۔"

حیلہ تراشی:

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۲۸ معرفت نسخ شریعت میں لکھتے ہیں:

"شیطان [۱] کو اللہ تعالیٰ نے خیال پر تسلط دیا ہے، پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہ خواہش کی طرف مائل ہے، تو اس کو بہکاتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ روایت اللہ کی ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پہلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے اللہ تک پہنچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اس فقیہ کے دل میں ڈال کر اس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے اسے ایک حیلہ شرعی بتا دیتا ہے۔ پس وہ فقیہ احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بالائے طاق [۲] رکھ دیتا ہے اور اس کے عدم قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر یہ حدیث صحیح ہے مگر کوئی دوسری حدیث اُس کے معارض اور اس کی ناسخ نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی اس پر عمل کرتے۔ اگر وہ فقیہ شافعی ہے یا امام ابوحنیفہ اُس پر عامل ہوتے اگر وہ فقیہ حنفی ہے۔ غرض کہ جو فقیہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر و حیلے کرتا ہے اور عامل بالحدیث کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اس کے امام نے کہہ دیا اس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ ان کے اقوال حدیث کے معارض ہوں۔ لیکن وہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اگر ہم اس سے کہیں کہ امام شافعی صاف کہہ گئے کہ اگر کوئی حدیث تم کو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پٹکو اور حدیث پر عمل کرو اس لئے کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو۔ اور مثل اسی کے امام ابو

(۱) اس مضمون کو شیخ موصوف نے طویل عبارت میں لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ بطور حاصل کے ذکر کر دیا۔

(۲) یہاں پر کی عبارت یہ ہے: ویرد الأحادیث النبویة۔ الخ۔

حنیفہ نے فرمایا ہے۔اور یہ اقوال انہیں کے مقلدین کی روایت سے ثابت ہیں۔پس ایسی باتوں کو سن کر مقلد چپ ہو جاتے ہیں اور کچھ معقول جواب نہیں دے سکتے۔مجھے ایسے مباحث کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔غرضیکہ خواہشات نفسانی کے سبب سے فقہاء نے شریعت محمدی (ﷺ) کو منسوخ کر دیا۔احادیث صحیحہ کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور ان کی جرح وتعدیل بھی منقول ہے اور ان کی سندیں بھی بلاتغیر وتبدیل کے محفوظ ہیں،لیکن باوجود ان سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی ان پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں ہی کے فتووں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اور باوجود مخالفت احادیث صحیحہ کے اپنے فقیہوں کے قول کو ترک نہیں کرتے۔“[1]

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

بڑا ہی[2] تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین باوجودیکہ وہ اپنے امام کی دلیل کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ اُس کے ضعف کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔مگر باایں ہمہ اپنے امام کی تقلید کئے جاتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید پر جمے رہنے کی وجہ سے ایسے شخص کے قول کو جس کے لئے قرآن وحدیث وقیاس صحیح شاہد ہے نہیں قبول کرتے بلکہ ظاہر کتاب وسنت کے رد کرنے کے لئے حیلہ ڈھونڈتے ہیں اور ان میں بعید اور غلط غلط تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اپنے امام کی طرف سے جواب دیں۔“

(۱) ماخوذ از دراسات اللبیب،ص:۱۷۹،۱۸۰،طبع کراچی۔ع۔ح۔

(۲) عبارت یہ ہے: ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعاً وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جموداً على تقليد إمامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة فضلاً عن مقلده۔(حجة الله البالغة، ص:۱۵۵، ج:۱)

امام شعرانی میزان کبری میں تحریر [۱] فرماتے ہیں:

''اگر تو پوچھے ان احادیث کی بابت میں کیا کروں جو میرے امام کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں اور امام نے ان کو نہیں لیا تھا، تو جواب یہ ہے کہ تجھ کو لائق ہے کہ ان پر عمل کرے۔ کیونکہ اگر تیرا امام اُن کو پاتا تو انہیں کے ساتھ حکم دیتا۔ اور جس نے ایسا کیا تو اُس نے بھلائی کو دونوں ہاتھوں سے جمع کرلیا۔ اور جس نے کہا کہ وہ حدیث جس کو میرے امام نے نہیں لیا میں اُس پر نہیں عمل کرنے کا تو اُس کے ہاتھ سے خیر کثیر نکل گئی۔ جیسا کہ بہت سے مقلدین کا حال ہے حالانکہ لائق اُن کو یہ تھا کہ وہ ہر حدیث پر عمل کرتے''۔ ملخصا۔

اور ایک دوسری [۲] جگہ لکھتے ہیں:

''برخلاف اس کے کہ بعض مقلدین کا حال ہے کہ انہوں مجھ سے کہہ دیا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری یا مسلم میں پاؤں اور اُس کو میرے امام نے نہ لیا ہو تو اس پر عمل نہیں کرنے کا' حالانکہ یہ اُس کی شریعت کے ساتھ نادانی ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا امام ہی بری (اور ناراض) ہے۔''

اُس کے متعلق امام شعرانی کا ایک قول ان شاء اللہ العزیز آئندہ بھی آئے گا۔

---

(۱) عبارت یہ ہے: فإن قلت فما أصنع بالأحاديث التي صحت بعد موت إمامي ولم يأخذبها۔ فالجواب الذي ينبغي لک أن تعمل بها فإنإمامک لو ظفر بها و صحت عنده لأمرک بها و من فعل مثل ذلک فقد حاذ الخير بكلتي يديه و من قال لا أعمل بحديث إلا إذا أخذ به إمامي فاته خير كثير كما عليه كثير من المقلدين لأئمة المذاهب، و كان الأولىٰ له العمل بكل حديث صح بعد إمامهم۔ (ملخصا، ص: ۲۶)

(۲) عبارت یہ ہے: خلاف ما عليه بعض المقلدين حتى أنه قال لي لو وجدت حديثا في البخاري و مسلم لم يأخذ إمامي لا أعمل به و ذلک جهل منه بالشريعة و أول من يتبرأ منه إمامه۔ (ص: ۹)

مقلد، حدیث کیوں پڑھتے ہیں؟

علامہ [1] محمد حیات السندی ثم المدنی اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ابلیس نے بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور اُن کو حدیث چھڑا کر رائے کا اختیار کرنا اچھا بنا کر دکھایا۔ لہٰذا ان کو حدیث خیر البشر پر عمل کرنے سے محروم کر دیا۔ تو یہ لوگ جو کتب احادیث کو پڑھتے و پڑھاتے یا دیکھتے ہیں تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ جس امام کے مقلد ہیں، ان کے دلائل (مخالفین پر پیش کرنے کے لئے) معلوم کرلیں۔ اور جو حدیثیں اپنے امام کے خلاف ہیں ان کی تاویل کر دیں۔ چنانچہ یہ لوگ ایسی احادیث کے (جو ان کے امام کے خلاف ہیں) بعید بعید معنی بناتے ہیں اور جب یہ بھی نہیں کر سکتے (اس لئے کہ کوئی بعید معنی بھی نہیں بن پڑتے) تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ جن کے ہم مقلد ہیں وہ ہم سے زیادہ حدیث کے جاننے والے تھے۔ اور وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ ایسا کر کے اپنے او پر اللہ کی حجت اور قائم کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک ناواقف آدمی دلیل پر عمل نہ کرے اور ایک جان کر نہ کرے، یہ دونوں برابر نہیں ہوتے (اور انھوں نے جان بوجھ کر حدیث کا انکار کیا) اور (ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) اگر ایسی

---

(۱) عبارت یہ ہے: لَبَّس إبليس على كثير من البشر فحسن لهم الأخذ بالرأي لا بالأثر وأوهمهم أن هذا هو الأولىٰ والأخير فجعلهم بسبب ذلک محرومين عن العمل بحديث خير البشر وهذه البلية من البلايا الكبرى فإنا لله وإنا إليه راجعون وتراهم يقرؤن كتب الحديث ويطالعونها ويدرسونها لا ليعملوا بها بل ليعلموا دلائل من قلدوه وتأويل ما خالف قوله ويبالغون في المحامل البعيدة وإذا عجزوا عن المحمل قالوا من قلدناه هو أعلم منا بالحديث أولا يعلمون أنهم يقيمون حجة الله عليهم بذلک، ولا يستوي العالم والجاهل في ترک العمل بالحجة وإذا مر عليهم حديث يوافق قول من قلده انبسطوا وإذا مر عليهم حديث يخالف قوله أو يوافق مذهب غيره انقبضوا ألم يسمعوا قول الله تعالىٰ:

{فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا} ۔ دیکھئے: ایقاظ ہمم الابصار ص: ۷۰، مصر۔ ع۔ ح۔

حدیث نکلے جو ان کے امام کے موافق ہو تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب ایسی حدیث پر نظر پڑے، جو ان کے امام کے قول کے مخالف ہے یا کسی دوسرے امام کے قول کے موافق ہے تو تنگ دل ہو جاتے ہیں (اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اصل حدیث سے غرض نہیں بلکہ اپنے امام کی موافقت سے غرض ہے) کیا انہوں نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا[1] {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا}۔ ''یعنی (سو تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنی اختلافی باتوں میں تک پہنچ نہ ٹھہرائیں (اور تمہاری طرف رجوع نہ کریں) پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور نہ (تمہاری بات کو) خوب اچھی طور سے نہ تسلیم کریں۔)

فاضل لکھنوی[2] نافع کبیر میں جس کو انہوں نے امام محمد کی جامع صغیر کی شرح کے لئے بطور مقدمہ کے لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''پہلے ہی زمانے سے اس وقت تک برابر لوگ اس بارے میں دو فریق رہے ہیں۔ ایک گروہ وہ جنہوں نے حنفیت میں سخت تعصب برتا اور جو کچھ فتاویٰ فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے، اُسی کا سختی کے ساتھ التزام کرلیا گو حدیث صحیح یا اثر صریح اس کے معارض ہو مگر وہ فقہ کے مسئلہ کو نہیں چھوڑتے) اور یہ خیال کرلیا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارے امام اُس کو ضرور لیتے اور اس کے خلاف حکم نہ دیتے۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ امام کے اس قول سے جو انہوں نے اپنے

---

(۱) سورۃ النساء: ۶۵۔

(۲) عبارت یہ ہے: تفرق الناس من قديم الزمان إلى هذا لأوان في هذا الباب إلى فرقتين فطائفة قد تعصبوا في الحنفية تعصبا شديدا والتزموا بما في الفتاوى التزاماً شديداً وإن وجدوا حديثاً صحيحاً أو أثراً صريحاً على خلافه وزعموا أنه لو كان هذا المذهب صحيحاً لأخذ به صاحب المذهب ولم يحكم بخلافه وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن أبي حنيفة من تقديم الأحاديث والآثار على أقوالهم۔

اقوال کے اوپر حدیث وآثار کے مقدم کرنے کو فرمایا۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے ایک فتوے [۱] میں تحریر فرماتے ہیں:

"فی الحقیقت اگر مقلدانِ مذاہب تفحص کنند در یابند کہ ایں بلاء تقلید ایشاں را بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے از احاد فقہاء بمقابلہ حدیث می آرند بلکہ ترجیح میدہند وایں از اں قبیل ست کہ علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے۔"

حضرت مرزا [۲] **مظہر جان جاناں** صاحب فرماتے ہیں:

"علم حدیث جامع تفسیر وفقہ ودقائق سلوک است از برکات ایں علم نور ایمان مے افزائد وتوفیق عمل نیک واعمال حسن پیدا میشود۔ عجب ست کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کہ محدثین بیان آں نمودہ اند واحوال رواۃ آں معلوم ست وبچند واسطہ میرسد بہ نبی معصوم کہ خطا را براں راہ نیست بعمل نمی آرند وروایت فقہ کہ ناقلاں آں قضاۃ ومفتیاں اند واحوال ضبط وعدل آنہا معلوم نیست وبزیادہ از دہ واسطہ میرسد بمجتہد کہ خطاء وصواب از شان اوست معمول گرویدہ است۔) رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔" (یعنی اے رب ہمارے تو ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ کر۔)

اسی قسم کی اور بھی بہت سی مستند علماء کی شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تقلید نے کس قدر عمل بالحدیث سے روکا اور کس کس طرح سے حدیث رسول (ﷺ) کا انکار کرایا۔ ان مختلف زمانے [۳] کے لوگوں کی شہادت سے ثابت ہوا کہ ان تمام زمانوں میں مذہب تقلید نے اپنا یہ اثر دکھایا ہے اور یہ صرف انہیں شہادتوں سے نہیں بلکہ ہم نے جو پہلے اہل حدیث کو اذیتیں دیے جانے کے چند قصے لکھے، اُن سے بھی یہ ثابت ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اگر دلیل وتحقیق کے پابند ہوتے اور

---

(۱) دیکھو فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی۔

(۲) دیکھو کلمات طیبات بضمن ملفوظات، ص: ۱۰۵، مطبوعہ مطلع العلوم مراد آباد۔

(۳) ان لوگوں کے زمانے تم کو ہمارے آئندہ بیان میں معلوم ہوں گے۔

تقلید کے شیدا نہ ہوتے اور اُن کو عمل بالحدیث سے کوئی خلاف نہ ہوتا تو اہلِ تحقیق کو اذیتیں کیوں دیتے۔

ناظرین کو اس بیان سے خوب واضح ہوگیا کہ تقلید پیشہ لوگوں کا حدیث پر عمل سے انکار اور اہل حدیث سے عداوت یہ کچھ آج نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور اہل حدیث کے ان کے ساتھ یہ جھگڑے قصے (۱) جو ہمارے زمانے میں ہو رہے ہیں برابر ہوتے رہے ہیں۔

پس ہمارے زمانے کے لوگوں کا یہ خیال کہ یہ سارے جھگڑے اب پیدا ہوئے ہیں، پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور نہ ان غیر مقلدوں کے خیال کا کوئی شخص تھا،کس قدر ناواقفی اور غلطی پر مبنی ہے۔ بلکہ جیسا اہل تقلید کو ان تمام زمانوں میں عمل بالحدیث سے انکار ونفرت رہی ویسے ہی ہمیشہ اہل تحقیق ان کے مقابلے میں موجود رہے اور ان کار داور ان سے بحث کرتے رہے۔افسوس مذہب تقلید نے اسلام میں یہ کس قدر بڑی خرابی پیدا کردی،جس نے عین منشاء اسلام کے ساتھ مزاحمت کی اور اصل تعلیم اسلام {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} (یعنی جو رسول تم کو (حکم) دیں اس کو (مان) لو اور جس (بات) سے منع کریں اس سے باز رہو۔) کے ساتھ مخالفت پیدا کردی۔

الحاصل مذہب تقلید پر جو نتائج مرتب ہوئے اس کا نمونہ یہ تھا، جو تم نے دیکھا اور واقع میں یہ جو کچھ ذکر کیا بطور نمونہ کے ذکر کیا ہے ورنہ نتائج ان کے سواء اور بھی ہیں جن میں سے بعض بعض متفرق طور پر ان شاء اللہ آگے بھی ہماری تحریر میں تم پاؤ گے یہاں تک کہ ہم مذہب تقلید کے مبداء ولادت سے اس کے سن شباب تک کی سوانح عمری سے فارغ ہوگئے اور یہ صاف طور پر بتا چکے کہ وہ

---

(۱) البتہ پہلے کے بیشتر زمانوں میں اہل حدیث اس بے خوفی سے بحث وجھگڑے نہ کر سکتے تھے جیسا کہ اب ہندوستان میں کرسکتے ہیں۔

کب پیدا ہوا اور کیوں کر پیدا ہوا، اور کس وقت پوری ترقی حاصل کی، اور اپنی ترقی کے بعد اُس نے کیا کیا کام کئے اور کیا اثر دکھلائے۔ اب ہم کو صرف اُس کے سن انحطاط و وقت وفات کی بابت کچھ کہنا باقی رہا۔

لیکن قبل اُس کے کہ ہم اس کے متعلق کوئی مفصل بات کہیں اس بات کا سننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان مختلف زمانوں میں مذہب تقلید کے عجب عجب رنگ بدلے ہیں۔ اسلام کے اندر ایک وہ وقت تھا کہ اُس کو (تقلید کو) کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پھر ایک وہ وقت آیا جب اس کے کچھ آثار نمودار ہوئے تو عموماً علماء وقت اور ائمہ نے اُس سے منع کیا اور وہ اس کی مذمت کرتے رہے۔ پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ عموماً لوگ اُسی کے پابند اور اسی کے مقدر ہو گئے، گو علماء محققین اُس وقت میں بھی اُس کو برا ہی کہتے رہے مگر عام رنگ اسی کے موافق تھا۔

تقلید کی شرعی حیثیت؟

ان زمانوں میں تقلید کبھی واجب فرض کبھی علامت اہل سنت قرار دی جانے لگی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب علماء اہل حدیث نے اعلانیہ اُس کو رد کیا اور بحث مباحثے ہوئے اور اس کی ذریات کو ان دعوؤں کے ثابت کرنے کے لئے کوئی کافی دلیل نہ مل سکی تو کبھی تو کوئی مجبور ہو کر یہ کہنے لگا کہ بیشک واجب نہیں ہے[1]۔ مگر مصلحۃً اور مجبوری کو التزام کرنا پڑا مگر اثبات کا اُس کے بھی کوئی ذریعہ نہ مل سکا۔ اور جو کچھ اس بارے میں کہا گیا اُس کی وقعت کسی طرح اُس سے زائد نہیں ہو سکتی جو کسی بات کے چل نکلنے کے بعد اُس کے صحیح بنانے کے لئے باتیں بنائی جاتی ہیں بلکہ جو کچھ کہا گیا،

---

(۱) چنانچہ صاحب الفتح المبین لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں۔'' ص: ۳۴۔ اسی صفحہ میں بجواب قول صاحب الظفر المبین (التزام مذہب معین میں حکم اور خطاب شارع کا صادر نہیں ہوا) لکھتے ہیں مذہب معین کا التزام بوجہ عوارض مجبوراً کرنا پڑا۔ کیونکہ ایک ایک مسئلہ میں اختلافات کثیر تھے۔ کسی کے نزدیک حرام کسی کے نزدیک حلال تھا۔ اس لئے بغیر تقلید ایک کے چارہ نہ تھا۔''

اُس پر نا قابل دفع اعتراض کیے گئے اور کبھی کسی نے اُس میں بہت سی قیدیں [۱] اور تخصیص بڑھائیں اور دعوے کے دائرے کو بہت کچھ تنگ کیا کہ کہیں یہی ثابت ہو جائے اور فریق مقابل کی بات کو دعوے کے اکثر حصوں میں تسلیم کرلیا کہ شاید اس پر ہی راضی ہو کر چپ ہو جاویں۔ لیکن اہل تحقیق نے اپنے فرض منصبی کو نہ چھوڑا اور بقیہ دعوے کے نقصانات کو بھی کھول کر سامنے رکھ دیا۔ آخر وہ جزء دعوی بھی ثابت نہ رہ سکا۔ بالآخر کہا گیا، نہ واجب ہے، نہ فرض ہے، نہ شرعاً نہ مصلحتاً، ہاں جائز ہے۔ [۲] حالانکہ جواز بھی ایک امر شرعی ہے، اُس کے لئے بھی دلیل درکار ہے اور کوئی دلیل نہیں

(۱) چنانچہ انتصار الحق، ص: ۱۴۴ میں لکھتے ہیں: ''معلوم کرو کہ مجتہد مطلق مستقل ہو یا منتسب اسی طرح مجتہد فی بعض المسائل اَو مجتہد فی المذہب ان سب پر حکم وجوب تقلید امام کا جمیع احکام اجتہادیہ میں نہیں کیا گیا۔ اگر حکم وجوب تقلید جمیع احکام اجتہادیہ میں ہے تو مقلد صفر پر ہے۔ جس کو کسی قسم کی استطاعت اور فہم استخراج مسائل کے نہیں۔'' پھر لکھتے ہیں: ''پھر وہ مقلد جس پر جمیع مسائل اجتہادیہ میں حکم وجوب تقلید ہے اس کی کئی قسموں میں ایک تو وہ کہ ابتداءً اسلام لایا اور ابھی تقلید کسی مجتہد کی نہیں کی ہے۔ دوسرا وہ کہ تقلید کسی امام کی لیکن التزام اور عزم تقلید امام معین کا جمیع مسائل میں نہیں کیا۔ تیسرا وہ کہ اس نے التزام تقلید کسی مجتہد کا جمیع مسائل اجتہادیہ میں کرلیا۔ قسم اول وثانی پر ہم کو ثابت کرنا وجوب تقلید امام معین کا اس محل میں مقصود نہیں''۔ پھر لکھتے ہیں: ''باقی رہی قسم ثالث، ان پر حکم وجوب تقلید امام معین کیا جاتا ہے اور اس قسم ثالث پر جو مقصود ہے، حکم وجوب تقلید امام معین علی الاطلاق نہیں۔ مقید ہے ساتھ عدم وقوع ضرورت ملجیہ معتبرہ شرع کے اور ساتھ عدم ظہور ضعف ماخذ حکم کے ظہور معتبر عند الشرع۔'' ملخصاً۔ اور صفحہ ۱۴۹ میں لکھتے ہیں: ''ملتزم مذہب معین پر بھی ہم نے مطلقاً عدم جواز ترک تقلید کا حکم نہیں کیا۔ درصورت جمع مذہبین کے اور وقوع ضرورت معتبرہ شرعیہ کے ترک تقلید واسطے، عامی کے جائز ہے۔'' اور صفحہ: ۱۹۱ میں لکھتے ہیں: ''خلاصہ تمام کلام ہماری کا یہ ہے کہ مقلد صرف ملتزم مذہب پر مسائل تقلیدیہ میں تقلید امام اپنے کی علی التعیین واجب ہے۔ جب تک کوئی ضرورت تو یہ معتبرہ ترک تقلید پر باعث نہ ہو اور جب تک احتیاط مذہب غیر میں نہ ہو اور جب تک قوت اجتہادی حاصل نہ ہو اور درصورت وقوع ضرورت معتبرہ کے اور احتیاط کے بیچ مذہب غیر کے بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہب مقلد کے اور وقت پہنچ جانے مقلد کے مرتبہ اجتہاد کو اگرچہ فی الجملہ ہو بنظر کشفی یا استدلال چھوڑ دینا تقلید امام معین اپنے کا بغرض محمود ممنوع نہیں۔'' اور صاحب الفتح المبین لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص واقف سنت ہو اس کو حنفی یا شافعی بننا کچھ ضرور نہیں اور واقف ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔'' صفحہ: ۳۵، اور صفحہ: ۳۴، میں لکھتے ہیں: ''اور اسی قسم کے (اختلافی) مسائل میں تقلید ضروری ہے جو مسائل صریح قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں، اُن میں تقلید محض بے اصل اور لغو ہے۔'' اور کچھ اقوال ان کے اُس کے متعلق ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ (دیکھو: نوٹ، ص: ۳۶)

(۲) جیسا کہ اب ہمارے بعض معاصر کہتے ہیں۔

ہے جو اس مذہب تقلید کے جواز پیش کی جاسکے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

اہل حدیث کے فرقہ ناجیہ ہونے کا اعتراف:

غرض آخر کار اہل حدیث کے فریق مقابل بجائے اس کے کہ وہ اہل حدیث کو کافر و فاسق وگمراہ اہل سنت سے خارج ٹھہراتے تھے، اُن کے قوی قوی دلائل اور ناقابل رد اعتراضات سنتے سنتے تنگ آ کر اپنی ہی خیر منانے لگے اور اُن کی ہوشمند افراد کی تحریروں اور تقریروں میں اہل حدیث کے مذہب اور اہل حدیث کے مسائل سے انکار اور اُن پر آپڑنے کے بجائے اپنے مذہب اور اپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے لالے پڑ گئے بلکہ اپنے مذہب کے سوا کی (۱) بھی صحت کا مجبوراً صاف صاف اقرار کرنے لگے نہیں بلکہ خود اپنے فریق کی غلطی وتعصب کے قائل ہو کر ان کو

---

(۱) چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پیشوائے حنفیہ دیوبندی المذہب رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: ''الحاصل تقلید مطلق جو شخصی اور غیر شخصی دونوں کو شامل ہے، کتاب وسنت سے ثابت ہے۔'' (صفحہ:۴۲) اور کہتے ہیں'': پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ تقلید بہر دونوع کتاب وسنت وفعل صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہے۔ اور بدوں ہوائے نفسانی کے خاص لوجہ اللہ تعالیٰ خواص کو عمل ہر دو (شخصی وغیر شخصی) پر درست ہے اور عوام اہل اعجاب پر غیر شخصی موجب ان کے اضلال کا ہے، بسبب ان کے فساد طینت کے نہ فی حد ذاتہ کہ وہ مامور ہے، لہٰذا شخصی کا ارتکاب اولیٰ ہے اور مصالح عدیدہ پر مشتمل ہے۔'' (صفحہ:۴۷)''اس سے معلوم ہوا کہ شارع کی طرف سے تقلید شخصی کی کوئی تخصیص وتعیین نہیں ہے۔ اور خواص کو تو عام اجازت ہے کہ وہ تقلید شخصی کے پابند نہ رہیں۔ لیکن عوام کے لئے شخصی کی قید ہے تو صرف بالائی باتوں کی وجہ سے ہے نہ اصل حکم شارع میں۔ بہر حال شخصی اولیٰ ہے نہ ضروری۔'' اور لکھتے ہیں: پس جملہ محدثین (اہل حدیث) اور فقہاء (مقلدین) عامل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں۔ اور وہ سب فرقہ ناجیہ وسنت جماعت سے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہو گیا ہے۔ بیان فرقہ ناجیہ میں ما أنا علیہ وأصحابي پس صحابہ کا طریق اور ان کا اتباع ہی راہ نجات ہے اور وہی فرقہ ناجیہ ہے۔ لہٰذا جملہ مجتہدین (مثل ائمہ اربعہ) اور ان کے اتباع (مقلدین) اور جملہ محدثین (اہل حدیث) فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعت ہو گئے۔ البتہ جو جہال کہ محدثین مقبولین کو اپنی تقلید کے جوش تعصب میں طعن وتشنیع کرتے ہیں یا جو عامل بحدیث بزعم خود ہو کر فقہاء ومجتہدین راسخین پر سب وشتم کرتے ہیں اور فقہ کے مسائل مستنبط عن النصوص کو بنظر حقارت دیکھ کر زشت وزبون جانتے ہیں وہ لوگ خارج از فرقہ ناجیہ اہل سنت اور متبع ہوائے نفسانی اور داخل گروہ اہل اہواء کے ہیں فقط اور لاریب جو مسئلہ خلاف سب نصوص کے ہے وہ باطل اور ترک اس کا واجب ہے۔'' (ص:۳۰،۳۱) پس معلوم ہوا کہ تسلیم ہے کہ ----

ڈپٹنے لگے گو زبانی ہی سہی کہ تھوڑی دیر کو وہ چپ ہو جائیں ورنہ یہاں تو بالکل ہی کرکری ہوئی جاتی ہے اور مسائل کی نسبت [(۱)] بھی یہ ہونے لگا، بھائی ہمارے مسائل بھی صحیح ہیں تمہارے مسائل بھی صحیح ہیں۔ ہمارے مسائل بھی غلط نہیں ہیں (کچھ نہ کچھ اصل رکھتے ہیں) جیسا کہ تمہارے مدلل ہیں اور کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں۔

---- اہل حدیث بھی فرقہ ناجیہ واہل سنت والجماعۃ ہیں اور بہت سے متعصب مقلد جو اہل حدیث پر طعن وتشنیع بیجا کرتے ہیں، وہ لوگ گمراہ اور خارج از اہل سنت ہیں اور اہل حدیث میں سے صرف وہی لوگ جو فقہاء ومجتہدین راسخین پر سب وشتم کرتے اور مسائل فقہ کو جو مستنبط عن النصوص ہیں برا جانتے ہیں غلطی پر ہیں، نہ سب۔ حالانکہ یہ باتیں جو اہل حدیث کی طرف نسبت کرتے ہیں، ان کی حقیقت ہم پہلے بتا چکے۔

(۱) **مولوی رشید احمد صاحب کا اہل حدیث کے مسائل متنازعہ کو صحیح تسلیم کرنا:**

چنانچہ سبیل الرشاد میں انہیں مسائل کی بابت جن میں اہل حدیث کا زیادہ تر خلاف مشہور ہے، جو لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہے (قرأۃ فاتحہ خلف الامام) ''ہرگز تارک قرأۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد وناقص نہ ہوگی جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور ہر ایک رائے وتاویل صحابہ وتقریر فخر عالم (علیہ السلام) پر عامل ہے کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں'' (ص:۲۷)۔ ''اور دونوں کا عمل عند اللہ کامل ہے کچھ فساد کسی میں نہیں اور نہ کراہۃ'' (ص:۲۶)۔ ''(رفع الیدین) دونوں طرف احادیث صحاح ہیں اور ہر دو جانب معمول صحابہ (علیہ الرحمۃ) ہیں، پس اب کیا محل طعن وکلام کا کسی کو ہے'' (ص:۲۹)۔ ''(آمین بالجہر) دونوں قول صحیح ہیں کہ دونوں تقریر فخر عالم (ﷺ) سے اور عمل صحابہ سے ثابت ہے'' (ص:۲۹)۔ ''(وضع الأیدي علی الصدور) علی ہذا سینے پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف دونوں میں یکساں احادیث ہیں'' (ص:۲۹)۔ لیکن یہ ساری باتیں زبانی ہیں اور اس مجبوری کو کہ بغیر اس طریقہ کلام کے برتنے کے اپنے مذہب واپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے کوئی صورت نہیں نکل سکتی ورنہ تعصب وعناد کی جو حالت خود اُن کی اور اُن کے معتقدین کی ہے اُن کے طرز برتاؤ سے ظاہر ہے اور کچھ اس کے متعلق ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں (دیکھو حاشیہ:۲۷)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بپابندی اُنہیں قیدوں وتخصیصوں کے جن کی صورت میں یہ لوگ تقلید شخصی کو واجب نہیں کہتے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے، ترک تقلید شخصی کر کے عمل بالحدیث کرتے اور اہل حدیث ویسا کرتے ہی ہیں، تب بھی اس سے جلے جاتے ہیں۔ پس اگر یہ صرف زبانی باتیں نہیں تو پھر اُس سے کیوں جلتے ہیں۔

تسلیم حق کے باوجود اہل حدیث سے عداوت:

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عملاً بھی ایسا ہی برتا گیا۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ اکثر باتیں حد قول ہی میں محدود رہیں۔ اور وہ بھی اس ضرورت سے کہ مباحثے ومناظرے میں کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ اور عملاً اُن کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عملاً تقلید کے التزام کی اور فریق مقابل کے ساتھ خلاف وعناد کی وہی حالت رہی لیکن ان سارے بحث ومباحثوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اُس کی جماعت کے افراد گھٹنے لگے اور اُس کی جمعیت میں انحطاط شروع ہوگیا۔ گو ایک طائفہ تو ہمیشہ ہی سے اہل حدیث کا قائم رہا ہے۔ جس کا قائم رہنا ضروری تھا جیسا کہ ہم آگے ظاہر کریں گے۔

مذہب تقلید کا وقت انحطاط اور وفات:

مگر اب ایک مدت سے تقلیدی گروہ کی اصل جمعیت میں انحطاط ہو کر اہل حدیث کی جمعیت کو بہت ترقی ہوگئی۔ اور ماشاء اللہ روز افزوں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ وہ وقت جس میں ان تمام نئے نکلے ہوئے مذہبوں کا فنا وزوال ایک لازمی امر ہے۔ یعنی وقت ظہور مہدی موعود ونزول مسیح (علیہما السلام) غالباً بہت قریب آگیا۔ اور یہاں نفس الامر کے خلاف الٹے خیالات [۱] پکنے لگے تھے کہ وہ مقلد اور حنفی المذہب ہوں گے، اگر کوئی ان لغو خیالات کا رد کرنے والا نہ ہوتا تو یہ مسئلہ بھی ان کے قطعی علامات میں داخل ہو جاتا، اور جب وہ ان کے قطعی عقیدے کے خلاف ظہور فرماتے جیسا کہ ہونے والا ہے، اس لئے کہ وہ خود مجتہد [۲] وعامل بالحدیث ہوں گے نہ مقلد۔ تو بجز اس کے کہ اُن کی تکذیب کی جاتی اور کیا ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ جل شانہ نے اِس کا انتظام

---

(۱) چنانچہ اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔ (دیکھو: حاشیہ ص: ۱۰۷) اور اگلی عبارت رد المختار کی بھی اس کی شاہد ہے۔

(۲) کیا مہدی موعود حنفی ہوں گے؟

چنانچہ رد المختار حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں: وما يقال أن الإمام المهدي يقلد أبا حنيفة رده ملا علي القاري ---

یہ فرمایا کہ پہلے ہی سے مذہب تقلید کا انحطاط شروع کر دیا۔ اور لوگوں کے دلوں میں تحقیق و اتباع

---في رسالته المشرب الوردي في مذهب المهدي وقرر فيها أنه مجتهد مطلق ورد فيها ما وضعه بعض الكذابين من قصة طويلة۔ (ص: ۴۲) اسی صفحہ میں اس سے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بابت تحریر فرماتے ہیں: قال الحافظ السيوطي في رسالة سماها الإعلام ما حاصله أن ما يقال أنه يحكم بمذهب من المذاهب الأربعة باطل لا أصل له وكيف يظن بنبيٍ أنه يقلد مجتهدا مع أن المجتهد من آحاد لهذه الأمة لا يجوز له التقليد وإنما يحكم بالاجتهاد أو بما كان يعلمه قبل من شريعتنا بالوحي أو بما تعلمه منها وهو في الدعاء أو أنه ينظر في القرآن في فهم منه كما كان يفهم نبينا (عليه الصلاة والسلام) وذكر ملا علي القاري أن الحافظ ابن حجر العسقلاني سئل هل ينزل عيسىٰ (عليه السلام) حافظاً للقرآن والسنة أو يتلقاهما عن علماء ذلک الزمان فأجاب لم ينقل في ذلک شيء صريح والذي يليق بمقامه (عليه السلام) انه يتلقى ذلک عن رسول الله (ﷺ) فيحكم في أمته كما تلقاه منه لأنه في الحقيقة خليفة عنه۔ اور خود پیغمبر صاحب (ﷺ) نے بھی فرمایا کہ عامل بالحدیث ہوں گے۔ چنانچہ امام مہدی کی بابت ایک حدیث میں فرمایا: ويعمل في الناس بسنة نبيهم اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ علامہ شوکانی التوضيح في تواتر ما جاء في المهدي المنتظر والدجال والمسيح میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں: وأخرجه أيضا الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح۔ یعنی (یہ حدیث اس درجہ کی صحیح ہے کہ) اس کے راوی وہی ہیں جو صحیح بخاری کی احادیث کے راوی ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا: يقول بسنتي۔ یعنی میری سنت (حدیث) کے ساتھ (مسئلہ) کہا کریں گے۔ أخرجه الطبراني في الأوسط اور حضرت عیسیٰ کی بابت فرمایا: فإماكم منكم۔ راوی حدیث ابن ابی ذئب اس کے معنیٰ بتاتے ہیں: أمكم بكتاب ربكم عز وجل وسنة نبيكم (ﷺ)۔ یعنی وہ قرآن و حدیث کے ساتھ تم پر حکومت کریں گے۔ أخرجه مسلم۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح موعود و مہدی منتظر ان مذاہب میں سے کسی کے مقلد نہ ہوں گے بلکہ وہ خود مجتہد اور عامل بالقرآن والحدیث ہوں گے نہ کسی اور کے اجتہاد و رائے کے پابند۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں جو ان کا طرزِ عمل وطریقہ ہوگا، اُن کے خلاف کوئی اپنا علیحدہ مذہب وطریقہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا ان مذاہب کی خاص خاص تقلید اور ان کی تخصیص اور اُن کی تقلید ان کے وقت میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اور علامہ شعرانی اہل کشف کا مکاشفہ اور نیز اپنی تحقیق بھی لکھتے ہیں کہ امام مہدی کے وقت میں ان تمام مذاہب کی تقیید و تقلید جاتی رہے گی۔ چنانچہ عبارت یہ ہے: إلى أن يخرج المهدي (عليه السلام) فيبطل في عصره التقييد بالعمل بقول من قبله كما صرخ به أهل الكشف ويلهم الحكم بشريعة محمد (ﷺ) بحكم المطابقة بحيث لو كان رسول الله (ﷺ) موجودا لاقره على جميع أحكامه كما أشار إليه في حديث ذكر المهدي بقوله يقفوا أثري لا يخطئ۔ (ص: ۴۲، مطبوعہ میمنیہ مصر) بعض اہل کشف کا یہ بھی کشف ہے کہ مقلدین مسیح موعود و مہدی کی تکذیب کریں گے۔ والله أعلم۔

حدیث و پیروی دلیل کا الہام کیا تا کہ تقلید کے ضروری وفات کے وقت عموماً لوگوں کو کسی کا اعجاب نہ ہو {وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلاَّ أَن يُتِمَّ نُورَهُ} (یعنی اللہ اپنے (سچے طریقے کی) روشنی بے پوری کیے نہیں رہنے کا۔[1] ۔الحمدللہ کہ ہم اجمالی طور پر مذہب تقلید کی پوری سوانح عمری سے فارغ ہو گئے جس سے کافی طور پر اور بوضاحت ثابت ہو گیا کہ اسلام میں مذہب تقلید ایک مستحدث اور ناجائز مذہب ہے جس کا شارع نے حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں نے ازخود اس کو پیدا کر لیا۔لیکن ہمارے اس تمام بیان سے یہ نہ خیال کر لینا چاہئے کہ اس سے ہماری یہ غرض ہے کہ کوئی جاہل کسی عالم کا اتباع نہ کرے یا کوئی عامی کسی مجتہد کا اعتبار نہ کرے۔ہر گز نہیں اس لئے کہ بے علم کو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ علم والے کی طرف رجوع کرے یا یہ کہ ہم ان ائمہ مذاہب کو اہل حق یا مجتہد نہیں جانتے ،نہیں۔ہر گز نہیں۔بلکہ یہ چاروں امام باوجود باہم تفاوت منازل کے امت کے افراد کاملین اور مجلس اجتہاد کے اعلیٰ اراکین میں سے ہیں یا یہ کہ ہم کو نفس ان مذاہب سے کوئی خلاف وعناد ہے۔اور ہم ان کو بالکل غلط وناجائز اصول پر مبنی سمجھتے ہیں۔ہر گز نہیں۔بلکہ یہ مذاہب وہی منزل رکھتے ہیں جو ایک مجتہد کا مذہب منزلت رکھتا ہے بلکہ بیشتر اوقات ہم ایک مجتہد کے مذہب کی حیثیت سے ان مذاہب کو اور مذاہب پر ترجیح دیتے ہیں ہم کو ان مذاہب سے باستثناء خاص خاص مسائل کے کوئی خلاف نہیں۔

مقلدین اور اہل حدیث میں نقاطِ اختلاف:

تو اب وہ کون سی باتیں ہیں جن کی بناء اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے؟ وہ صرف تین باتیں ہیں:

اوّل بات یہ ہے کہ اہل حدیث کہتے ہیں جب امام کا فرمودہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے

(۱) سورۃ توبہ: ۳۲۔

خلاف ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ کو بے تکلف چھوڑ دینا چاہئے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جائز طور پر کسی عالم کے قول کی پیروی کرنے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہی ہے کہ وہ عالم اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم ہم کو پہنچاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی کا حکم واجب الاتباع اور لائق عمل نہیں بلکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تابعداری بھی باذن اللہ ہے۔ {وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ} (یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ کے اذن سے اُس کی تابعداری کی جائے۔)[1] اور اصل میں بجز اللہ جل شانہ کے کوئی نہیں ہے، جس کا حکم واجب العمل ہو۔ {اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ} (یعنی حکم سوا اللہ کے کسی کا نہیں۔)[2] مگر خود اللہ ہی نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت ان کے تمام فرمانوں میں ہم پر فرض کر دی۔ {يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ} (یعنی اے ایمان والو، تابعداری کرو اللہ کی اور تابعداری کرو، رسول کی اور (اس کے خلاف کرکے) اپنے عمل کو باطل نہ کرو۔)[3] اور فرمایا: {مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ} (یعنی جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حکم برداری کی تو اس نے اللہ ہی کی حکم برداری کی۔)[4] لہٰذا ان کے تمام فرمان ہمارے لئے واجب العمل ہو گئے۔ اور کیوں نہیں وہ تبلیغ احکام الٰہی میں غلطی و خطاء سے معصوم تھے۔ ان کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیر نہ ہوتا تھا۔ وہ وہی حکم دیتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملتا تھا۔ {وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى}[5] (یعنی اور وہ (محمد

---

(۱) سورۃ نساء: ۶۴۔

(۲) سورۃ یوسف: ۴۰۔

(۳) سورۃ محمد: ۳۳۔

(۴) سورۃ نساء: ۸۰۔

(۵) سورۃ النجم: ۴-۳۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں بولتے اپنی خواہش سے (بلکہ) وہ وحی ہوتی ہے، جو بھیجی جاتی ہے۔) پس اس وجہ سے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بھی اطاعت فرض ہوئی۔ غرض اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کوئی نہیں کہ اس کا قول واجب العمل ہو۔ پس اگر ہم کسی مولوی یا حاکم یا امام یا مجتہد کے قول کی پیروی کریں تو فقط اس وجہ سے کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم ہم کو بتاتے ہیں، نہ یہ کہ بالذات ان کا اتباع مقصود ہے۔ تو جس امام کے قول پر ہم چل رہے ہیں۔ جس وقت ہم کو کسی ذریعہ سے ثابت ہو جائے کہ فلاں مسئلے میں ان سے بحسب اتفاق غلطی ہوگئی۔ اور اصلی حکم اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ ہے تو ہم کو لازم ہے کہ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس امام کے قول کو چھوڑ کر (اللہ تعالیٰ کا شکر کرکے کہ اس نے ہم کو اپنے اصلی حکم کی ہدایت کر دی) اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس حکم کو اختیار کرلیں نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا پس و پیش کریں اور اس کے دفع کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ حیلے پیدا کریں۔

شاہ [1] ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں:

''کوئی فقیہ (امام ہو یا مجتہد) ہو ہم کسی پر ایمان نہیں لائے کہ اللہ نے اُس پر فقہ وحی کے

---

(۱) عبارت یہ ہے: لم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى الله إليه الفقه وفرض علينا طاعته وإنه معصوم فإن اقتدينا بواحد منهم فذلك لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله فلا يخلو قوله أما أن يكون من صريح الكتاب والسنة أو مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط أو عرف بالقرائن أن الحكم في صورة ما منوطة بعلة كذا واطمئن بعلة كذا واطمئن قلبه بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص فكأنه يقول ظننت أن رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمه هذا والمقيس مندرج في هذا العموم فهذا أيضا معزى إلى النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) ولكن في طريقه ظنون ولولا ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد فإن بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذي فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين۔ (ص: ۱۶۱)

یہ وہ تقریر ہے جو شاہ صاحب نے ابن حزم (رحمہ اللہ) کے اس قول کے مقابلے میں جس سے مطلقاً تقلید کی حرمت کا حکم نکلتا ہے ذکر کی ہے۔ یہاں پر شاہ صاحب نے ایک عامی کے لئے کسی عالم کی تقلید صحیح وجائز ثابت کرنے کے واسطے عمدہ------

(طور پر بھیج دی) ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کر دی اور وہ خطا سے) معصوم ہے۔ پس اگر ہم ان میں سے کسی کی پیروی کریں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) اللہ کا عالم ہے تو (اب دو تین حال سے) خالی نہیں یا اس کا قول صریح قرآن و حدیث سے ثابت ہوگا یا کسی طریقۂ استنباط کے ساتھ اُن ہی دونوں میں (کسی سے) مستنبط ہوگا۔ یا اس نے قرآئن سے معلوم کیا کہ قرآن یا حدیث کا فلاں حکم فلاں صورت میں فلاں علت کی وجہ سے ہے اور اس کے دل میں یہی بات ٹھن گئی تو اس نے ایک غیر منصوص صورت کو (جس کا حکم شارع سے اس کو صریحاً نہیں معلوم ہوا اُسی علت کے پائے جانے کی وجہ سے) اس منصوص صورت پر قیاس کر لیا تو گویا وہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے یوں فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی، وہاں یہی حکم ہوگا۔ اور قیاسی مسئلہ اسی عموم میں داخل ہے تو یہ مسئلہ بھی رسول (ﷺ) ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ البتہ اس کے طریقۂ (ثبوت) میں گمان (ضرور) ہے نہ یقین۔ جیسا کہ صریح مسئلہ میں یقین ہوتا ہے۔ غرض یہی بات ہے جس کی وجہ سے جائز ہوا کہ جاہل عالم کے قول پر عمل کرے) اور اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی کوئی مومن (ہو کر) کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے (اور جب یہ بات ہے) تو اگر ہم کو اسی فقیہ کے مذہب

---سے عمدہ جو شکل نکل سکتی تھی وہ بیان کی لیکن وہ بغیر ان باتوں کے تسلیم کیے پوری نہ ہو سکی کہ (۱) اللہ نے کسی امام پر فقہ نازل فرما کر اس کی اطاعت ہم پر فرض نہیں کی۔ (۲) کوئی امام خطا سے معصوم نہیں۔ (۳) قیاسی مسائل کسی امام کے ہوں اپنے اصل ثبوت ہی میں ظنی اور غیر یقینی ہیں۔ (۴) کسی عالم کی اقتداء اسی بات کو مدنظر رکھ کر جائز ہو سکتی ہے کہ اس کو قرآن وحدیث کا مبلغ سمجھنا چاہئے، اگر یہ بات پیش نظر نہ ہو تو کسی مومن کو کسی عالم کی تقلید جائز نہیں۔ (۵) مجتہد کے بتائے ہوئے مسئلے کے خلاف پر دلالت کرنے والی جب کبھی حدیث رسول کسی معتبر سند سے مل جائے، تو فوراً مجتہد کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرے ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ اگر چہ یہ باتیں تو ایسی ظاہر ہیں، جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور مقلدین کو بھی بغیر ان کے اقرار کیے ہوئے چارہ نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ عملی حیثیت سے ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ جہاں تک مشاہدہ کیا جاتا ہے، عموماً ان کا طرز عمل اپنے مذہب کے مسائل پر جمود اور اپنے امام کی تقلید میں تعصب کی وجہ سے ان باتوں سے سخت غیر ہے۔

کے خلاف کسی معتبر سند سے رسول (ﷺ) کی حدیث مل جائے جو (خطاء سے) معصوم تھے (اور) جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کر دی اور ہم ان کی حدیث کو چھوڑ دیں اور (فقیہ کی اس تخمین وگمان) کے تابع رہیں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ اور اس دن جب کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہمارا کیا عذر ہو گا۔"

غرض کہ امام کا مسئلہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف معلوم ہونے کی صورت میں امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث رسول کو نہ لینا جان بوجھ کر مقصود اصلی کو چھوڑنا اور خود بخود خسران میں گرنا ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ کی تلقین عمل بالحدیث:

دوسرے وہ ائمہ جن کی تقلید کی جارہی ہے خود ہی صاف صاف ہدایت فرما گئے ہیں کہ جب حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دینا(۱)۔ افسوس ہے کہ ان کی باتوں پر تو عمل کیا جاتا ہے مگر یہی بات ان کی قابل عمل نہیں سمجھی جاتی اور اس عمدہ ہدایت میں ان کا خلاف ہی کیا جاتا ہے۔ پس قول امام کو اختیار کر کے حدیث رسول (ﷺ) کو چھوڑنے والا نہ صرف اللہ ورسول کا مخالف ہے بلکہ وہ اپنے امام کا بھی مخالف ہے اور خود اس کے امام بھی اس سے بری ہیں۔ جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ علامہ شعرانی کے قول میں گزر چکا اور علامہ موصوف مشارق الأنوار(۲) القدسیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) ہم چاہتے تھے کہ ائمہ اربعہ کے وہ اقوال جن میں انہوں نے سخت سخت تاکیدیں اس بات کی فرمائی ہیں کہ ہمارے قول کو حدیث رسول (ﷺ) کے سامنے چھوڑ کر حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنا اور اپنے ایسے قولوں سے بہت کچھ بہتری ظاہر کی ہے نقل کرتے۔ مگر چونکہ یہ بات ایک بہت ظاہر اور کھلی ہوئی تھی اس وجہ سے اس میں طول دینا پسند نہ کیا۔ اگر کسی کو دیکھنا ہے تو القول المفید مؤلفہ علامہ شوکانی اور اعلام الموقعین مؤلفہ علامہ ابن القیم اور مؤلفات شاہ ولی اللہ صاحب اور میزان شعرانی وغیرہ دیکھے۔ باقی متفرق اس کا بیان ہمارے رسالے میں بھی تھوڑا سا موجود ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وسمعت سيدي علي النبي (ﷺ) يقول لفقيه إياك يا ولدي وإن تعمل برائي رأيته فخالفا لما صح في الأحاديث وتقول هذا مذهب إمامي فإن الأئمة كلهم تبرؤا من أقوالهم إذا خالفت ---

''میں نے اپنے پیشوا علی بنتی (رحمہ اللہ) کو سنا کہ وہ ایک فقیہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! اس سے بچنا کہ ایسی رائے پر جس کو تم احادیث صحیحہ کے مخالف دیکھو (کبھی) عمل کرنے لگو اور یہ کہنے لگو کہ (میں اس رائے پر عمل اس لئے کرتا ہوں کہ) یہ میرے امام کا مذہب ہے۔ کیونکہ امام سارے کے سارے اپنے اقوال سے جب کہ وہ صریح حدیث کے خلاف ہوں بری ہو چکے ہیں۔ اور جب بالضرور تم انہیں میں سے کسی کے مقلد ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ تم ان کے اس قول میں (کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا) ان کی تقلید نہیں کرتے اور دلیل پر (کہ وہ حدیث رسول (ﷺ) اور ایک یقینی چیز ہے) عمل نہیں کر لیتے۔ جیسا کہ امام کے قول پر (صرف اس احتمال پر کہ (شاید) اُن کے پاس کوئی دلیل ہو جس پر ہم کو اطلاع نہ ہوئی ہو، عمل کرتے ہو''۔

غرض کہ اور سب باتوں سے قطع نظر کر کے اگر صرف امام ہی کی تقلید پر اصرار ہے تو امام بھی تو فرما گئے ہیں کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کرنا۔ تاہم حدیث ہی پر عمل ہونا چاہئے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ امام کا قول حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف ہونے کی صورت میں مدارِ عمل حدیث رسول پر ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی:

اور یہ بات اسلام کے اندر ایسی ظاہر ہے کہ اس کے لئے کسی سند و دلیل کی یا اس کی بابت کسی امام یا مجتہد کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اللہ جل شانہ کا ان ائمہ کے منہ سے اس بات کا نکلوانا ان مابعد کے زمانے میں آنے والے ان کے مقلدوں پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی اُن کو کہنے کی ضرورت ہوتی یا ان کے کہنے پر

---صريح السنة وأنت مقلد لأحدهم بلا شك فما لك لا تقلدهم في هذا القول وتعمل بالدليل كما تعمل بقول إمامك لاحتمال أن يكون له دليل لم تطلع أنت عليه.

موقوف رہتی۔ بلکہ اس بات کا سرے سے منہ پر لانا ہی گراں و نازیبا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے بدا ًالامر میں دوسرے کے قول کی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک ہمسری اور مساوات کی سی صورت پیدا ہوتی ہے کہ پھر حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ترجیح دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر وہ تو ان مقلدین پر حجت قائم ہونا بھی ایک ضروری امر تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان اماموں کے دل میں کچھ ایسے ایسے خیالات پیدا کر دیے جن کے سبب سے اُن کے منہ سے یہ بات نکل ہی گئ اور ان کے مقلدین پر پوری پوری حجت قائم ہو کر رہی۔ افسوس کہ اس پر بھی مقلدین نے نہ مانا۔ اور گو قولاً تو وہ بھی اس کا انکار کسی طرح نہ کر سکے اور نہ کر سکتے تھے مگر عملاً اس کا خلاف ہی کرتے رہے۔ چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے۔ جس کا جی چاہے ان کے مخالف مذہب حدیث پیش کر کے دیکھ لے۔ اس کے علاوہ تم پہلے بشہادت کتنے مستند علماء کے اس کا ثبوت دے چکے ہو اور جو ایسا نہ کرے پھر ہم کو اس سے اس بات کی کوئی شکایت نہیں) بلکہ بعض تو ان ائمہ کے خود اس قول ہی کے کچھ اور ہی طرح کے معنی بنانے لگے۔ جن کے متعلق اگر موقع ملا تو ہم آگے ان شاء اللہ تحریر کریں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

سر دست ہم اس جگہ ایک ایسے شبہ کی بابت کچھ لکھنا پسند کرتے ہیں جس کا اس موقع پر ایک طالب حق کے دل میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ وہ یہ کہ یہ تو مسلم ہے کہ امام اعظم صاحب اور نیز بقیہ تینوں امام بڑے بڑے عالم و امام و مجتہد تھے۔ اور جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ مبارک سے قریب۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خلاف کریں۔ یا وہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کسی حدیث سے بے خبر رہیں۔ اور ہم کو خبر ہو جائے کہ ہم ان کی غلطی پکڑیں یا اُن کی باتوں میں اصلاح دیں۔ ہم لوگوں کی کیا ہستی ہے کہ ہم ان جیسے متبحر عالموں کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت کر سکیں۔ تو بات یہ ہے کہ علم حدیث ابتداء زمانہ میں بہت منتشر اور مشکل الحصول تھا۔ جس کا فراہم کرنا

سخت دشوار تھا۔ اور تمام تر کوشش صرف کرنے سے بھی اس کی تھوڑی ہی مقدار حاصل ہو سکتی تھی۔ کم وبیش ائمہ اربعہ [1] نے یہی زمانہ پایا۔ اور جیسا زمانہ گزرتا گیا وہ مجتمع اور سہل الحصول ہوتا گیا۔ کہ جس کا حاصل کرنا آسان ہو گیا۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (ﷺ) جب اوقات مختلفہ میں احکام اسلام تعلیم فرمایا کرتے تھے تو سارے صحابہ اور مسلمان سب کے سب ہر وقت و ہر موقع پر حضور میں حاضر وموجود نہ ہوتے تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہ وہ مشاغل اسباب معیشت اور امور خانہ داری اور ضروریات بشری کو بھی انجام دیتے تھے کوئی تجارت ودکانداری کرتا تھا۔ کوئی محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتا تھا۔ کوئی کھیتی و باغبانی کا شغل رکھتا، کوئی اور پیشہ کرتا تھا۔ کسی کو کوئی اور ضرورت مجبور کرتی تھی کہ وہ اس میں جا کر مصروف ہو۔ اس وجہ سے کسی طرح نہ ہو سکتا تھا کہ ہر وقت ہر شخص حضور انور میں حاضر ہی رہے کہ جو کچھ ارشاد ہو ہر ایک کو اس کا علم ہو جانا ضرور ہو۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان ایسے تھے جو دوسرے دوسرے شہروں و قصبوں و گاؤں کے رہنے والے تھے لہذا وہ کبھی کبھار حاضر ہوتے تھے اور مسافرانہ طریقہ سے کچھ عرصہ تک خدمت میں حاضر رہ کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے بعض بے چارے کل مدت العمر میں ایک ہی آدھ بار شرف صحبت سے مشرف ہو سکے۔ یہ لوگ حضور (ﷺ) سے احادیث اور بھی کم پا سکے۔

علاوہ ازیں بہت سے اوقات ظہور حدیث کے ایسے ہوتے تھے، جو خاص خاص اور خلوت کے اوقات تھے جن میں غیر لوگ موجود نہ ہو سکتے تھے۔ اور سوا ان خاص افراد (مثل ازواج مطہرات وغیرہا) کے اور لوگ ان احادیث پر مطلع نہ ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس بعض مواقع

---

(۱) یا امام احمد صاحب کو ان میں سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے۔ تاہم امام احمد صاحب کے مابعد زمانہ میں ان کے زمانے سے زیادہ تحقیقات اور کثرت فراہمی احادیث ایک مقدار تک علاوہ تنقیح و تیسیر کے ضرور ہوئی۔ چنانچہ کچھ تفصیل آگے ان شاء اللہ آئے گی۔

(مثل سفروں وغیرہ کے) ایسے ہوتے تھے کہ ان میں وہ خاص افراد موجود نہ ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرا ہی گروہ ان احادیث سے مستفید ہوتا تھا۔

قطع نظر اس سب کے ظہور حدیث کی حالت یہ تھی اور یہی ہو سکتی تھی کہ وہ عند الحاجات اور بحسب ضرورت اور بجواب سوال سائل بلا تعیین و بلا تخصیص کسی وقت کے بیان فرمائی جایا کرتی تھی۔ اس کے لئے کوئی خاص وقت یا خاص موقع مقرر نہ تھا کہ اس وقت پر سب کے سب آ کر جمع ہو جائیں۔ اور بیان کیا موقوف آپ تو قولاً، فعلاً، تقریراً ہر طرح سے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کے اقوال و افعال و اوضاع و اطوار اور ہر بات سے احکام شرع نکلتے تھے۔ جو شخص جتنی دیر حضور میں حاضری کا شرف حاصل کرتا اسی قدر وہ استفادہ کر سکتا۔ اور جتنی دیر کو غائب رہتا اتنی دیر کے علوم سے محروم رہتا۔

اگرچہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک کو دوسرے سے خبر ہو جاتی تھی۔ مگر نہ سب کو اور نہ ہر حدیث کی۔ اس لئے اس کا کوئی انتظام نہ تھا، اور نہ اس زمانے کی حالت پر غور کرنے سے ایسا انتظام ہونا آسان تھا کہ کسی ایک شخص کو یا ہر شخص کو جملہ احادیث و جملہ واقعات کی تمام لوگ جن جن کو جو جو معلوم ہوں وہ خبر کر دیں۔ اور نہ کوئی اس کا بندوبست کر لیا گیا تھا کہ جو کچھ فرما دیں، اس کو قلم بند کر کے سب کو یکجا جمع کر دیا جائے جیسا کہ پہلے ہی تم کو معلوم ہو چکا۔ پس یہ کسی طرح عادتاً ممکن نہ تھا کہ ہر ایک فرد صحابہ کو یا کسی ایک کو جملہ احادیث رسول اللہ (ﷺ) کا احاطہ ہوتا اور کوئی حدیث اس کی علم سے باہر نہ ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا خلفائے اربعہ[1] جیسے اولوا العزم صحابہ سے خصوصاً ابو بکر (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے شرف مصاحبت اور نعمت معیت کا بڑا حصہ لیا اور اکثر سفر و حضر میں ساتھ رہے اور جن کو علم

---

(۱) <u>خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ سے کتنی احادیث مخفی رہ گئیں؟</u>

چنانچہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو جدہ کی میراث والی حدیث معلوم نہ تھی۔ یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ اور---

کے لینے کا طبعی شوق تھا بہت ایسی احادیث مخفی رہیں جو بعض دیگر صحابہ کو جو باوجودیکہ ان کے

---محمد بن مسلمہ سے ان کو معلوم ہوئی۔حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو تین بار آواز دے کر لوٹ جانے والی حدیث معلوم نہ تھی۔آخر ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے معلوم ہوئی۔اور نیز ان کو دیت جنین کی حدیث معلوم نہ تھی، وہ مغیرہ بن شعبہ سے معلوم ہوئی۔اور نیز ان کو انگلیوں کی دیت کی حدیث معلوم نہ تھی۔اس وجہ سے انہوں نے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی کی دیت میں پچیس اونٹ کا حکم جاری کر دیا۔آخر دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب انگلیوں میں دس دس اونٹ کی بابت حکم فرمایا تھا۔تب انہوں نے اپنے قول سے رجوع کیا۔اور نیز مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث ان کو معلوم نہ تھی۔وہ عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف سے معلوم ہوئی۔و نیز ان کو دیت زوج میں سے عورت کے میراث پانے کی حدیث معلوم نہ تھی۔آخر ضحاک بن سفیان نے جو دیہات میں رہتے تھے، ان کو لکھ کر بھیجا کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میراث دلائی ہے۔تب انہوں نے اس کو اختیار کیا۔اور نیز ان کو انبیاء کے نام پر نام رکھنے کی حدیث معلوم نہ تھی، اس وجہ سے وہ انبیاء کے نام پر نام رکھنے سے منع کرتے تھے۔حتیٰ کہ طلحہ سے معلوم ہوا تب رجوع کیا۔و نیز ان کو اس کی کہ نماز میں شک پڑے تو کیا کرے حدیث معلوم نہ تھی۔آخر عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف نے ان کو اس کی حدیث بتائی۔اور نیز ان کو طاعون ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔تو ان کو تردد ہوا کہ کیا کرنا چاہئے۔ساتھ جو صحابہ تھے ان سے مشورے کیے۔اور بھی کسی کو کوئی صریح حدیث اس کی بابت معلوم نہ تھی۔آخر عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف وہ کہیں گئے ہوئے تھے، جب آئے تو انہوں نے جو حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنی تھی بیان کی، تب اس کے موافق عمل ہوا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس جلسہ میں جو اور بہت اکابر صحابہ مہاجرین وانصار موجود تھے، ان کو بھی یہ حدیث معلوم نہ تھی۔اسی طرح اور بھی بیسیوں نظیریں ہیں۔حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو متوفی عنہا زوجہا کے محل عدت کی حدیث معلوم نہ تھی، آخر فریعہ بنت مالک نے بتائی۔اور نیز حالت احرام میں شکار کے گوشت کے منع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی آخر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بتائی وغیرہ وغیرہ۔حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی۔حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو اس عورت کے مہر کی بابت حدیث معلوم نہ تھی، جس کے خاوند نے انتقال کیا اور کچھ مہر مقرر نہ کیا تھا۔عرصہ کے بعد معقل بن یسار سے معلوم ہوئی۔اور نیز ان کو جنبی کے لئے تیمم مشروع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی وغیرہ۔حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہر وعصر میں قرأت کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو مسح خفین کی حدیث معلوم نہ تھی اور نیز ان کو روزہ دار کی حالت جنابت میں صبح کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث معلوم نہ تھی، و نیز مسح خفین کی حدیث معلوم نہ تھی۔اس قسم کی مثالیں ان صحابہ کی اور اسی طرح اور صحابہ کی کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔جس قصد سے ہم نے لکھیں اس سے زائد رسالہ جلب المنفعۃ فی الذب عن المجتہدین الأربعۃ میں مذکور ہیں۔اسی طرح اس کی بھی بہت نظیریں ہیں کہ نص کے نہ پہنچنے کی وجہ سے جس بات کے وہ قائل ہوئے برابر وہ اسی کے قائل رہے ان کو نص پہنچی ہی نہیں یا خیال میں نہ آئی۔---

مقابلے میں فضل ومعیت وصحبت کا بہت کم حصہ رکھتے تھے معلوم تھیں۔ چنانچہ علم حدیث سے جو شخص تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کے سامنے اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ اور جب ان اکابر کا جو شرف مصاحبت رسول (ﷺ) اور نیز محبت علم دونوں کا بڑا حصہ رکھنے والے تھے۔ یہ حال ہے تو

بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا احادیث منسوخہ پر عمل:

یا یہ کہ ایک منسوخ حکم کے قائل رہے اور ان کو ناسخ معلوم نہ ہوا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جنب کے لئے جواز تیمم کے قائل نہ تھے۔ بلکہ فرماتے تھے پانی نہ پائے تو نماز ہی نہ پڑھے۔ اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) موزوں کے مسح میں توقیت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اجازت دیتے تھے جب تک چاہے مسح کرتا رہے۔ اس کی بابت جو احادیث وارد ہوئیں، ان کو نہ پہنچیں۔ و نیز وہ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔ حالانکہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی حدیث میں اجازت وارد ہوئی وہ ان کو نہ پہنچی تھی۔ اور رہند کو متحاضہ والی حدیث نہ پہنچی تھی، لہذا وہ استحاضہ میں نماز ہی نہ پڑھتی تھیں۔ اور حضرت ابن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص دریا کے پانی سے جواز طہارت کے قائل نہ تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نیند کو ناقض وضو نہ کہتے جیسے اور جس قدر چاہے سوتا رہے، مگر وضو نہیں جاتا۔ حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہما)، رکوع میں بجائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے بیچ میں رکھتے تھے جس کو تطبیق کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ ان کو ناسخ نہ معلوم ہوا۔ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی تطبیق کی اجازت دیتے تھے، ناسخ ان کو بھی نہ پہنچا۔ حرمت خمر کے بعد بعض برتنوں کا استعمال جن میں وہ لوگ شراب زیادہ پیتے تھے منع فرمایا تھا۔ بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا۔ مگر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) منع ہی سمجھتے رہے ان کو ناسخ نہ پہنچا۔ اسی طرح نکاح متعہ منسوخ ہوا مگر کتنے صحابہ کو ناسخ نہ پہنچا وہ جائز ہی کہتے ہیں۔ جیسے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بن مسعود (رضی اللہ عنہ)۔ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما)، جابر، اسماء بنت ابی بکر، معاویہ، ابوسعید وغیرہم رضوان اللہ علیہم اَجمعین۔ ان میں سے بعض کا رجوع کرنا بھی منقول ہے۔ اس قسم کی مثالیں ہزاروں ہیں۔ جس کو علماء کے مذاہب پر اطلاع ہے وہ بکثرت اس کی مثالیں پاتا ہے۔ بعض شراح نے ان آثار کو احادیث مرفوعہ کے خلاف دیکھ کر بعض بعض میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کیں ہیں مگر اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ ان کو حدیث رسول (ﷺ) نہ پہنچی۔ اس وجہ سے انہوں نے ایسا کیا یا کہا۔ اور صحابہ کے جو تسلیم وانقیاد کی حالت تھی وہ کبھی جائز نہیں رکھتے کہ حدیث رسول (ﷺ) معلوم ہو جانے کے بعد وہ ایسا کرتے۔ ہم نے جو کچھ لکھا عوام کے سمجھانے کے لئے واقعی حالات لکھے۔ اس سے کسی کی منقصت شان یا توہین مراد نہیں۔ حاشا وکلا۔ ہمارا یا کسی کا کیا منہ کی کوئی ایسا کرے۔ اور نہ اس سے ان کی کوئی منقصت شان ہوتی ہے۔ بلکہ یہ جو کچھ ہوا وہی مقتضاء وقت تھا اس کے خلاف کیسے ہوسکتا تھا۔

اوروں کی حالت کا اسی پر اندازہ ہوسکتا ہے۔

عصر صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور حدیث:

غرض اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ طبقہ صحابہ میں احادیث یکجا جمع نہ تھیں بلکہ وہ تمام صحابہ پر منقسم اور ان میں منتشر تھیں، جس کو جس قدر معلوم تھیں، اسی کا دل اس کا خزانہ تھا، اور وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ رہتی تھیں۔ ہر شخص [(۱)] اپنی اپنی معلومات پر عمل کرتا تھا، جب کوئی نئی ضرورت پیش آتی کسی دوسرے سے جو مل جاتا دریافت کر لیتا کہ اس کی بابت شاید اس کے علم میں کوئی حدیث رسول ﷺ ہو مل جاتی تو فبہا ورنہ قیاس واجتہاد پر عمل کرتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجتہاد پر عمل کے بعد کہیں اتفاق سے کوئی صحابی مل گیا اور اس سے اس کی بابت کوئی صریح حدیث معلوم ہوگئی، بعض [(۲)] بعض صحابہ اپنی مدت العمر یا ایک عرصہ تک بعض منسوخ حکموں پر عمل کرتے رہے۔ اور ان کو ناسخ نہ پہنچا۔ اس کی نظیریں نہ صرف اصاغر صحابہ میں ملتی ہیں بلکہ اکابر صحابہ میں بھی موجود ہیں۔

صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں اختلاف کی وجہ:

بڑی وجہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے مسائل میں باہم اختلاف کی یہی ہے۔ گو اختلاف کی وجوہ اور بھی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہی (ہر ایک صحابہ کو تمام احادیث کا نہ پہنچنا) ہے۔ چنانچہ اس قسم کے اختلافات جو اول طبقہ میں واقع ہوتے تھے بعد کے زمانوں میں جب کہ احادیث عام طور پر ظاہر

---

(۱) چنانچہ ایک قول شاہ صاحب کا اس کی بابت پہلے گزر چکا ہے۔ اور شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: فبين الشافعي أن العلماء من الصحابة والتابعين لم يزل شأنهم أنهم يطلبون الحديث في المسئلة، فإذا لم يجدوا تمسكوا بنوع آخر من الاستدلال ثم إذا ظهر عليهم الحديث بعد رجعوا من اجتهادهم إلى الحديث۔ (ص: ۱۵۲)

(۲) دیکھو: حاشیہ سابق۔

ہوگئیں [۱] رفع ہوگئے اور جو باقی رہے ان کے باقی رہنے کی کوئی دوسرے وجوہ پیش [۲] آگئے۔ طبقۂ صحابہ میں جو ہم نے احادیث کے منتشر ومتفرق ہونے کا بیان کیا۔ یہ اس وقت اور زائد ہوگیا جب کہ صحابہ مختلف بلاد میں پھیلے اور دور دراز ممالک میں منتشر ہوگئے۔

بعد میں اختلاف کے باقی رہنے کی وجہ:

جب تک رسول اللہ (ﷺ) اپنے وجود باوجود سے اس عالم کو منور فرماتے رہے۔ تمام صحابہ کا رخ مدینہ منورہ کی طرف کو تھا اور وہ لوٹ پھر کر اُسی کی طرف رجوع کرتے تھے اور پروانہ کی طرف شمع عالم پر آ کر فدا ہوتے تھے۔ جب پیغمبر نے وفات پائی تو یہ زبردست مرکزی کشش چونکہ فوت ہوگئی۔ لہٰذا اصحابہ اور بھی جا بجا منتشر ہو گے۔ خصوصاً جب کہ اسلامی دنیا زائد وسیع ہوئی اور دور دراز کے ممالک فتح ہوگئے، اور صحابہ دینی و دنیاوی انتظام کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں اور دور دور مقاموں پر بھیجے گئے، تو اب وہ علم جو ان کے سینوں میں تھا اور بھی منتشر ومتفرق ہوگیا۔

طبقہ تابعین میں اشاعت حدیث کا حال:

طبقہ صحابہ کے بعد **طبقہ تابعین** کا آیا۔ تابعین نے علم صحابہ سے لیا ہر تابعی کو ان صحابی سے کہ جو ان کی اپنی بستی میں موجود تھے۔ بشرط قصد حاصل کرنا تو آسان ہی تھا۔ اُن کے پاس جس قدر مل

---

(۱) مثلاً مسائل مذکورہ میں سے جنب کے لئے تیمم ناجائز ہونا۔ مستحاضہ کا نماز نہ پڑھنا۔ دریا کے پانی سے طہارت کا جائز نہ ہونا۔ رکوع میں تطبیق۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنا منع ہونا۔ متعہ کا جائز ہونا ان مسائل کا پچھلے مشہور علماء میں سے کوئی قائل نہ رہا اور ان مسائل میں اختلاف رفع ہوگیا۔

(۲) مثلاً یہ کہ کوئی امام کسی صحابی کے مذہب پر خود بھی اس کی بابت حدیث نہ پانے کی وجہ سے قائم ہوا تھا۔ اسکے بعد اس کے مقلد اسی مذہب پر چلے جاتے ہیں، لہٰذا وہ ایک مذہب قائم ہوگیا گو اس کے مخالف حدیث ظاہر ہوگئی اور وہ مذہب اب قائم نہ رہنا چاہیئے مگر ان مقلدوں نے اختلاف کو قائم رکھا اور اس مذہب کو چھوڑ نہ دیا۔ اس کی مثالیں زیادہ حنفی و مالکی مذہب میں موجود ہیں۔

سکا ان سے حاصل کیا اور پھر اپنے اپنے شوق اور حوصلے اور وسعت اور برداشت مصائب کے لائق جن سے جتنا بن پڑا، دوسرے دوسرے شہروں میں جا کر دوسرے صحابہ سے حدیثیں لیں۔ کوئی دو سے ملا کوئی چار سے ملا۔ کوئی دس سے کوئی بیس سے کوئی زیادہ سے۔ مگر اس طبقہ میں بھی انتشار احادیث کی قریب قریب وہی حالت تھی جو زمانہ صحابہ میں تھی۔ تابعین میں سے وہی شخص تمام احادیث نبویہ پر محیط ہو سکتا تھا، جو تقریباً تمام افراد صحابہ سے جن کی تعداد[1] تقریباً لاکھ سوا لاکھ بلکہ اس سے بھی زائد تھی۔ اور جو دنیا کے دور دراز حصوں اور مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے تھے۔ ہر ایک سے ملتا اور ہر ایک کی خدمت میں رہتا، اور ہر ایک سے ان کی معلومات کو حاصل کرتا (اور پھر ہر ہر صحابی تعلیم کے وقت ان سب احادیث کو جو ان کو معلوم تھیں، بلا وقوع[2] اس کے متعلق کسی حادثے کے یاد بھی لے آتا اور ان میں سے کسی حدیث کا اس کو ذہول بھی نہ ہوتا) حالانکہ ایسا ہونا امکان بشری سے خارج ہے، خصوصاً اس وقت میں جب کہ سفر سخت دشوار تھا، اور ذرائع سفر بہت کم تھے اور سلسلہ مراسلت مکاتبت کا بھی پورا انتظام نہ تھا۔ اس طبقہ سے ایک نئی خرابی یہ شروع ہو گئی تھی کہ ہر شخص پر اعتبار نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس طبقہ کے کل افراد ثقہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں غیر معتبر[3] اور مجروح بھی

---

(۱) اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب موجود نہیں، جس سے ہم صحیح تعداد صحابہ کی لکھ سکیں مگر ہم نے جو یہ تعداد لکھی وہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ غزوہ تبوک میں تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اور غزوہ تبوک کے بعد پھر اور لوگ بھی مسلمان ہوئے حجۃ الوداع میں حاضرین کی جو تعداد بتائی گئی وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ دیکھو: شروح مشکوۃ بیان قصۃ حجۃ الوداع۔ اور ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام جہاں کے مسلمان مرد وعورت نہ شامل ہو سکے تھے، بلکہ خود مدینہ کی بابت عقل تسلیم نہیں کرتی کہ تمام مردوں عورتوں لڑکوں بچوں کل مسلمانوں نے مدینہ کو خالی کر کے کفار کے لئے چھوڑ دیا تھا، پس جب حاضرین کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چودہ ہزار تھی تو کل صحابہ ضرور اس سے زائد تھے۔ واللہ أعلم۔

(۲) اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو جانتا ہے مگر یاد وہ اسی وقت آتی ہے کہ اس کے متعلق کوئی واقعہ پیش آئے اور ویسے اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا۔

(۳) دیکھو: کتب اسماء الرجال اور خطبہ صحیح مسلم۔ تابعین ہی میں سے جابر جعفی اور حارث اعور ہیں جن کو کذب اور متروک کہا گیا ہے۔ دیکھو: خطبہ صحیح مسلم وغیرہ۔

ہونے لگے تھے۔طبقہ صحابہ اس عیب سے پاک رہا۔پس مابعد کے زمانوں میں اس کی بھی ضرورت پیدا ہوگئی تھی کہ جس کی حدیث لی جائے اس کو پرکھا بھی جائے۔ان زمانوں میں بہت سی مصنوعی [1] اور موضوع حدیثیں بھی مشہور ہوگئی تھیں۔طبقہ تابعین کے بعد طبقہ تبع تابعین میں بھی فن حدیث [2] منتشر ہی تھا۔اور یہ انتشار کم وبیش اس وقت تک رہا کہ فن حدیث مجتمع ہو کر مکمل ہوگیا اور احاطہ تحریر میں لاکر ان کی کتابیں بن گئیں، جس کا ذکر تم اوپر پڑھ چکے ہو۔

متقدمین کی مشکلات اور متاخرین کے لئے آسانیاں:

مگر ان طبقات میں جب کہ اور امور سے قطع نظر کرکے صرف تقدم وتاخر زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پچھلے زمانہ کے طبقات کے افراد بہ نسبت پہلے زمانے کے افراد سے مقدار احادیث کا زیادہ حصہ پاتے گئے۔نظیر کے طور پر دیکھو۔مثلاً: ایک تابعی دس ایسے صحابی سے مل سکا جن سے اس کو دس دس حدیثیں ملیں، تو اس تابعی کو سو حدیثیں یاد ہوگئیں۔ایک تبع تابعی دس ایسے تابعین سے مل لیا تو اس کو ہزار حدیثیں مل گئیں۔ایک تبع تابعی دس ایسے تبع تابعین سے مستفید ہوا تو اس کو دس ہزار حدیثیں مل گئیں۔اسی طرح یہ سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔حتی کہ **امام بخاری** (رحمہ اللہ) کو جو کہ چوتھے پانچویں طبقہ میں ہیں چھ لاکھ [3] حدیثیں ملیں، حالانکہ امام مالک (رحمہ اللہ) جو ان سے دو

---

(۱) دیکھو: فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث اور کچھ اس کا تذکرہ ہمارے اگلے حواشی میں بھی آتا ہے۔

(۲) گو تدوین کا لاگا تو لگ گیا تھا، مگر تھا منتشر ہی۔

(۳) جیسا کہ پہلے خود امام بخاری کا قول بضمن عبارت مقدمہ فتح الباری گزر چکا، اور یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہاں میں سے صحیح اسی قدر تھیں جتنی انہوں نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں درج کیں، جیسا کہ نعمانی صاحب کی عبارت سیرۃ النعمان ص: ۱۵۲، کہتی ہے۔خود امام بخاری سے منقول ہے، انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ بخوف طول اس کتاب میں درج نہیں کیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جتنی چھوڑ دیں وہ زائد ہیں، ان سے جتنی اس میں درج کیں۔دیکھو: مقدمہ فتح الباری ص: ۶ وغیرہ۔اس کے علاوہ صحیح بخاری میں بحذف تکرار کل دو ہزار چھ سو تینتیس حدیثیں ہیں۔دیکھو ص: ۵۶۳ اور امام بخاری سے منقول ہے کہ مجھ کو صحیح ایک لاکھ حدیث یاد ہے اور غیر صحیح دو لاکھ۔دیکھو ص: ۵۷۵، نعمانی صاحب نے جو اعداد---

تین درجہ اوپر ہیں۔ان کی مرویات [۱] کی تعداد کل قریب ایک ہزار ہے۔ بات یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، وہ علم جو دنیا کے اقطار و جوانب میں پراگندہ ہو جانے کی وجہ سے کسی ایک کو اس کا پانا اور اس کا فراہم کرنا نہ صرف دشوار بلکہ عادتاً ناممکن تھا۔اس میں رفتہ رفتہ شاخیں پھوٹنے اور پھیلنے کی وجہ سے یوماً فیوماً آسان اور سہل الوصول ہوتا گیا۔اور آخر کار ایسا ہو گیا کہ ہر جگہ سے اور ہر شخص کو ملنے لگا۔

مثلاً: فرض کیجئے کہ ایک صحابی کے دس تابعی شاگرد ہوئے اور پھر ہر تابعی کے دس دس تبع تابعی شاگرد ہوئے۔تو اب جو حدیث زمانہ صحابہ میں صرف ایک شخص سے اور ایک جگہ سے مل سکتی تھی، وہ زمانہ تابعین میں دس شخص سے اور دس جگہ سے اور زمانہ تبع تابعین میں سو شخص سے اور سو جگہ سے ملنے لگی۔

وعلی ہذا القیاس سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔چنانچہ اکثر احادیث میں برابر یہی دیکھا جاتا ہے کہ طبقہ اولیٰ میں جتنے اس کے راوی ہوتے ہیں، اس کے نیچے کے طبقے میں اس سے کئی درجہ زائد ہوتے ہیں اور پھر اس سے نیچے کے طبقے میں اس سے بھی اور کئی درجہ زائد ہوتے ہیں۔اس وجہ سے پچھلے زمانے والوں کو پہلے والوں کی نسبت آسانی ہوتی گئی۔اور نیز ہر ایک پہلے زمانے والا جتنے شیوخ سے جس [۲] در احادیث پاسکتا تھا، ایک بعد کے زمانے والا اتنے ہی شیوخ سے اس سے بہت

----احادیث صحیح بخاری کے بیان کئے اس میں بھی غلطی کھائی۔

(۱) قال ابن المدینی له نحو ألف حدیث۔ انتھیٰ۔(دیکھو: خلاصہ تہذیب الکمال فی أسماء الرجال) ایک قول اس کے خلاف بھی ہماری نظر سے گزرا مگر وہ اس کے سامنے پایۂ اعتبار نہیں رکھتا اور نہ دوسری شہادتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

(۲) چنانچہ یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام مالک صاحب اور امام بخاری صاحب تعداد شیوخ میں قریب ہی قریب ہیں اور پھر ان دونوں کا تعداد احادیث میں جو کچھ باہم تفاوت ہے، وہ ابھی تم پڑھ چکے ہو۔زمین و آسمان کا فرق ہے۔امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو سے زائد بتاتی گئی ہے۔دیکھو: زرقانی شرح مؤطا اور امام بخاری صاحب کے شیوخ کی ایک ہزار سے زائد۔دیکھو خلاصہ وغیرہ۔

زائد احادیث پانے لگا۔ انہی وجوہ سے ایک یا بعد کے زمانے کا محدث پہلے زمانے کے محدث کی نسبت جب کہ دونوں کوشش و جستجو میں مساوی ہوں، حدیث کی مقدار کا زائد حصہ پاتا گیا۔

ائمہ اربعہ کی باہم علمی نسبت اور متاخرین کا ذخیرۂ معلوماتِ حدیث:

چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے اسی انتشار احادیث کے زمانے میں سب سے پہلے **امام ابوحنیفہ**[1] (رحمہ اللہ) صاحب ہوئے، اس وجہ سے سب سے کم حدیثیں انہیں کو ملیں **امام مالک** (رحمہ اللہ) جو زمانے میں اُن سے کسی قدر بعدیت رکھتے تھے انہوں نے اُن سے زیادہ حصہ پایا۔ چنانچہ امام محمد صاحب[2] جو ان دونوں صاحبوں کے شاگرد تھے وہ اس بات کی بصراحت

(۱) چنانچہ امام ابوحنیفہ صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور امام مالک ۹۳ھ اور امام شافعی ۱۵۰ھ میں اور امام احمد ۱۶۴ھ میں۔ اور ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اور امام مالک نے ۱۷۹ھ میں اور امام شافعی ۲۰۴ھ اور امام احمد نے ۲۴۱ھ۔ میں دیکھ خلاصہ اسماء الرجال وغیرہ۔

(۲) چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے: قال الشافعيقال لي محمد بن الحسن أيهما أعلم صاحبنا أو صاحبكم؟ يعني أباحنيفة و مالكاً۔ قال: قلتُ على الإنصاف۔ قال: نعم۔ قال: قلت ناشدتک الله من أعلم بالقرآن صاحبنا أم صاحبكم؟ قال: اللهم صاحبكم۔ قال: قلت ناشدتک الله من أعلم بالسنة صاحبنا أم صاحبكم؟ قال :اللهم صاحبكم۔ قال: قلت: ناشدتک الله من أعلم بأقاويل أصحاب رسول الله (ﷺ) المتقدمين صاحبنا أم صاحبكم؟قال: اللهم صاحبكم قال الشافعي: فلم يبق إلا القياس، و القياس لا يكون إلا على هذه الأشياء فعلى أي شيء نقيس۔ انتهى۔ یعنی امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن الحسن نے کہا: بتاؤ دونوں میں کون زیادہ علم رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ امام (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) یا تمہارے استاذ (امام مالک رحمہ اللہ۔ گو امام مالک --- امام محمد کے بھی استاذ ہیں، مگر زیادہ تخصیص امام محمد کو امام ابوحنیفہ سے ہے جیسا کہ امام شافعی کو امام مالک سے) میں نے کہا: انصافاً پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ: قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ یا تمہارے استاذ۔ امام محمد نے کہا: تمہارے استاذ (امام مالک)۔ میں نے کہا کہ: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: حدیث کا علم کون زیادہ رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ یا تمہارے استاذ۔ کہا: تمہارے استاذ (امام مالک)۔ اسی طرح امام محمد نے اقوال صحابہ کی بابت بھی امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ واقف بتایا۔ تو شافعی نے کہا کہ اب قیاس ہی باقی رہ گیا۔ اور قیاس ان ہی چیزوں پر کیا جاتا ہے اور جب یہ چیزیں یعنی قرآن و حدیث ہی نہیں تو قیاس کس پر کریں گے۔

شہادت دیتے ہیں۔**امام شافعی**[1] صاحب جو ان دونوں کے بعد ہیں، ان کو ان دونوں سے زائد حدیثیں ملیں۔**امام شافعی** (رحمہ اللہ) سے بعد امام احمد (رحمہ اللہ) ہیں اُن کو ان سے بھی زائد حدیثیں فراہم ہوئیں بلکہ خود **امام شافعی**[2] (رحمہ اللہ) **امام احمد** (رحمہ اللہ) سے باوجودیکہ امام احمد (رحمہ اللہ) ان کے شاگرد بھی تھے کہتے تھے **تم لوگ** (یعنی تمہارے طبقے کے لوگ) ہم لوگوں (ہمارے طبقے کے لوگوں) سے زیادہ احادیث صحیحہ کے جاننے والے ہو۔کوئی حدیث صحیح ہوتو مجھے بھی بتادو کہ میں اسے اختیار کروں۔امام احمد صاحب (رحمہ اللہ) چونکہ سب میں بعد تھے۔اس وجہ سے اُن کو سب سے زائد حدیثیں ملیں۔چنانچہ امام احمد (رحمہ اللہ) نے جو مسند بنائی، اس میں تقریباً تیس ہزار[3] حدیثیں ہیں۔یہ بھی مشہور ہے کہ امام احمد صاحب جب مسند جمع کر کے فارغ ہوئے، تو انہوں نے اپنی تمام اولاد کو جمع کر کے وہ مسند اُن کو سنائی اور فرمایا، مسلمانوں میں جب کبھی کسی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بابت اختلاف ہو تو ان کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔اگر اس کی

(۱) چنانچہ مؤطا امام مالک (جس میں کچھ کم سات سو حدیثیں ہیں) تو امام شافعی نے دس ہی برس کی عمر میں حفظ کر لیا تھا، یہ تو جمع کیا کرایا انہیں بلا مشقت مل گیا اور پھر عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہ کر اور جو ان سے مزید بر آن ملا، وہ حاصل کیا اور امام مالک کے سوا اور بہت شیوخ کے پاس رہ کر اپنی معلومات کو بڑھایا، دیکھو: خلاصہ اسماء الرجال۔امام شافعی صاحب نے تصنیفات بھی کیں۔اور قاضی ابو یوسف کی اس کتاب کو جواب لکھا، جو انہوں نے امام اوزاعی کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی، جس میں اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا ہے۔دیکھو: توالی التاسیس ص: ۷۸، مؤلفہ: علامہ ابن حجر عسقلانی۔افسوس ہے کہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں قاضی ابو یوسف کا اوزاعی کے جواب میں کتاب لکھنے کا ذکر تو کیا مگر امام شافعی صاحب اس کا رد کر دینے کا نام نہ لیا۔امام شافعی نے نہ صرف امام ابوحنیفہ کے کتنے مسائل کا خلاف حدیث ہونا ثابت کیا بلکہ انہوں نے امام مالک کے بھی کتنے مسائل حدیث کے خلاف ثابت کیئے اور دونوں ہی کے رد میں تحریریں کیں۔دیکھو: توالی التاسیس۔جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کو ان دونوں سے زائد حدیثیں ملیں۔

(۲) چنانچہ آگے شاہ صاحب کے قول میں آتا ہے۔

(۳) مسند احمد کی عدد احادیث میں مختلف قول ہیں، کسی نے چالیس ہزار اور کسی نے پچاس ہزار بھی کہا ہے۔علامہ ابن خلدون نے پچاس ہزار والا قول لکھا ہے۔وجہ توفیق کی تراجم کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اصل اس کتاب میں پائیں تو اس حدیث کو معتبر جانیں، و اِلاّ اس کو غیر معتبر خیال کریں۔ امام احمد صاحب کا بھی یہ دعویٰ (اگر اس کے یہی معنی ہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں) صحیح نہ اترا۔ امام احمد صاحب کے بعد بھی بہت ایسی صحیح احادیث ثابت ہوئیں، جن کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور وہ ان کی مسند میں نہیں ہیں۔ غرض اس میں شک کرنے کی کوئی ذراسی بھی وجہ نہیں ہے کہ ذخیرہ فن حدیث کا اس کے مجتمع ہو جانے اور کتابوں کے اندر مدون ہو جانے کی وجہ سے جیسا کہ زمانۂ بعد کے لوگوں کو ملا، ائمہ اربعہ کو نہ ملا تھا اور وہ تمام احادیث جو نہایت مکمل اور منقح اب ہم بآسانی پا رہے ہیں، اس زمانہ میں انتشار کی وجہ سے یہ ائمہ ان سب پر محیط نہ تھے اور نہ ان کو ان سب کا پالینا آسان تھا بالخصوص وہ جو زمانے میں دوسروں پر تقدم رکھتے تھے مثل امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے ان کے لئے اور بھی زائد اشکال تھا۔ اس لئے وہ دونوں بیچارے بقیہ دونوں اماموں سے بھی کم حصہ پاسکے۔

امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے حدیث کم پانے کی ایک اور وجہ:

اس کے علاوہ ان دونوں صاحبوں کے حدیث سے حصہ بہت کم پانے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اتفاق سے ان دونوں صاحبوں کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس زمانے میں گزرا تھا کہ وہ مسلمانوں[1] کے باہم ملکی نزاعات وفسادات کا زمانہ تھا اور چاروں طرف سے جنگ وجدال اور شرور

---

(۱) افسوس کہ اس مقام پر ہم پورا نقشہ اس کا اور نیز اس کا جو ہم نے پہلے زمانے کے سلسلہ خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ کیا نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے کہ اس کے لئے زیادہ بسط کی ضرورت ہے، تاہم اجمالی طور پر کچھ ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: ''امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا (جو کہ امام صاحب کا وطن ومسکن تھا) گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی، چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب (جو کہ امام مالک کا وطن ومسکن تھا) وعراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں، جو ائمہ مذہب اور علم وفضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ عبدالملک---

وفتن کا بازار گرم تھا۔اور مسلمانوں کے دن رات بڑی بدامنی اور بے چینی سے گزرتے تھے۔اس وقت

--- نے ۸۶ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ولید کے زمانے میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور بااختیار تھے۔اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔اسی زمانے کے نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے۔کہ ولید شام میں، حجاج عراق میں، عثمان حجاز میں، قرہ مصر میں، واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی۔حجاج ۹۵ھ میں مرگیا۔ولید نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔غرض حجاج و ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہو سکتی تھی۔نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔اس لئے خزباقی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی۔انتہی ملخصاً۔

امام صاحب کو تحصیل حدیث میں رکاوٹیں:

اس وقت تک کہ امام صاحب اپنی عمر میں سے سولہ برس ختم کر چکے۔لیکن فتن وشرور نے ان کو اب تک طالب علمی بھی نہ شروع کرنے دی۔لیکن اب ملک میں کچھ دنوں کے لئے امن قائم ہوگیا اور اس عرصہ میں لوگوں نے علم کی طرف توجہ بھی شروع کی، چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ابی بکر بن حزم کو جو کہ مدینہ کے ان کی طرف سے حاکم وقاضی تھے لکھ بھیجا کہ احادیث رسول تلاش کر کے لکھ کر بھیج دو۔لیکن قبل اس کے کہ ابن حزم لکھ کر بھیجیں عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی۔عمر بن عبدالعزیز نے اور ممالک میں بھی حدیث کے لکھنے کا حکم بھیجا تھا۔(دیکھو: زرقانی شرح مؤطا و فتح الباری) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کل ڈھائی برس خلافت کی۔تھوڑے دنوں کے بعد اب ایک عالمگیر فساد اٹھنا شروع ہوا۔جس کے جھگڑے میں لوگ پڑ کر اور سب کچھ بھول گئے اور وہ سلسلہ جمع حدیث کا یوں ہی رہا۔وہ عالمگیر فساد کیا ہے انقلاب سلطنت یعنی دولت بنی امیہ کا زوال اور دولت عباسیہ کا قائم ہونا۔چنانچہ اس کے متعلق بھی ہم نعمانی صاحب کے قول کو المامون سے لے کر پیش کرتے ہیں، لکھتے ہیں: ’’بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔اور مختلف وقتوں میں بڑے زور وشور سے مقابلے کو اٹھے، اگرچہ ولید وہشام کے پر زور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرے سے بچالیا۔لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہوگیا۔اور جب اس عظمت واقتدار کے فرمانروا اٹھ گئے، تو حکومت مروانی کا ڈھچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔آل عباس کے نقباء تمام عراق وخراسان میں پھیل گئے اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۷ھ و ۱۰۹ھ و ۱۱۸ھ میں ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں، بعض وقت حکام بنی امیہ پر یہ سازش کھل گئی۔جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔اس اثناء میں کبھی کبھی علوئیین نے بھی علم خلافت بلند کیا، مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحیٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھلائے اور میدان جنگ میں شجاعت کی داد دے کر مارے گئے۔‘‘

غرض اسی طرح یہ فساد بڑھتا گیا، حتی کہ ۱۳۲ھ میں بڑی کشت وخون کے بعد مروانی خلافت کا ستارہ گر کر عباسیوں کا اقبال یاور ہوا۔اور خلافت ان کے ہاتھ میں گئی۔اس انقلاب میں ایک عالم کا عالم تہ تیغ ہوا۔اور خون کے ندی نالے بہ گئے جیسا کہ ذہبی کے کلام میں تم پہلے پڑھ چکے ہو۔عباسیہ کے تسلط کے بعد بھی عرصہ تک مخلوق کو امن نہ ملی۔چنانچہ المامون میں لکھتے ہیں: ---

آسان نہ تھا کہ یکسوئی کے ساتھ سلسلہ تعلیم و تعلم کا کھولا جاتا یا پوری توجہ اس طرف ہو سکتی ۔گو مسلمان کسی

---"اس کے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنو امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا پتہ لگایا جاتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے تھے ۔" اور سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: "اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا، اس نے چار برس حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی ۔سفاح کے بعد اس کا بھائی منظور تخت نشین ہوا ۔عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا ۔یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں ۔تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا ۔جا بجا بغاوتیں برپا تھیں ۔ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا ۔تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں ۔لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے ۔"

لیکن رفتہ رفتہ انتظام کے بعد امن و امان نے اپنا رنگ دکھلایا ۔چنانچہ ۱۴۰ھ میں منصور نے شہر بغداد کی بنا ڈالی، اور اس کو بسانا شروع کیا ۔اب جب اطمینان ہو گیا تو ۱۴۳ھ میں علماء اسلام تدوین حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور جا بجا محدثین نے کچھ کچھ مجموعے تیار کئے، جس کا ذکر تم پہلے ذہبی کے کلام میں پڑھ چکے ہو ۔اب وہ یہ وقت ہے کہ امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کی عمر عزیز میں کل چھ سات برس باقی رہ گئے ۔اتفاق کی بات کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یعنی ۱۴۵ھ میں پھر بغاوت قائم ہوئی کہ جس نے اکثر بلاد اسلام کو ہلا دیا، اس وقت امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب دونوں منصور کے فریق مقابل کے حامی تھے، لیکن اس جھگڑے کا جلد خاتمہ ہو گیا، اب منصور نے چونکہ زیادہ تر فسادات کا مرکز عراق اور عراق میں بھی کوفہ تھا، اس وجہ سے اپنے سابق دارالخلافہ کو جو کہ کوفہ کے قریب تھا، چھوڑ کر بغداد کو دارالخلافہ مقرر کیا ۔اور پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جو بغاوت میں شریک تھے ۔اور ان کا ضرب و قتل اور ان کی ایذاء رسانی شروع کی، امام ابو حنیفہ صاحب کو بھی کوفہ سے جو ان کا وطن تھا، طلب کیا کہتے ہیں، ان کے قتل کا تو اس نے ارادہ کر ہی لیا تھا، مگر بہانے ڈھونڈتا تھا، آخر قید کر دیا اور بے خبری میں ان کو زہر دلوایا، امام صاحب نے ۱۵۰ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی ۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون ۔(دیکھو: تاریخ الخلفاء، اور سیرۃ النعمان وغیرہ) افسوس کہ ان پریشانیوں کے زمانے میں امام صاحب کو اس کی بھی مہلت نہ ملی ۔کہ وہ اپنے زمانے کے محدثین کے مجموعے فراہم کر کے دیکھتے ۔گو وہ مجموعے ایسے جامع و مفید نہ تھے ۔جیسا کہ تم زمانہ مابعد کے محدثین کی تالیفات دیکھتے ہو ۔کیونکہ یہ تو ابتدائے زمانہ تدوین تھا ۔پوری تکمیل تدوین و جمع حدیث کی تو اب سے لے کر تقریباً سو برس کے بعد تک میں ہوئی ۔جیسا کہ تم پہلے پڑھ چکے ہو تاہم اگر وہ سارے مجموعے امام صاحب کی نظر سے گزر جاتے، تو ان کے علم میں حدیث کا ایک معقول مجموعہ صرف ہو تو ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے انتشار احادیث اور سخت پریشانیوں کے زمانے میں اکیلے امام صاحب کہاں تک کر سکتے تھے ۔

اس وقت میں انتشار حدیث نعمانی صاحب کی زبانی:

نعمانی صاحب امام صاحب کے زمانے میں احادیث کے انتشار کی بابت لکھتے ہیں: "حدیثیں اس وقت تک---

وقت میں بھی اپنے دین کی حفاظت اوراس کی تحصیل وتبلیغ سے غافل نہیں رہے۔اگرایسا ہوا ہوتا تو یہ سلسلہ باقی کاہےکو رہتا۔مگر کچھ شک نہیں کہ حدیث کے منتشر ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ حصہ پانے کے لئے جو ہمہ تن مصروف ہونے کی ضرورت تھی، وہ اس پرآشوب زمانہ میں کسی طرح نہ کر سکتے تھے اوراسی طرح ان سے پہلے کے مسلمان ابھی انہیں شرور وفتن کی وجہ سے جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے وقت سے شروع ہوکر کم وبیش استحکام خلافت عباسیہ تک باستثناء کچھ کچھ فترات کے جاری رہے ہیں، ایسے مطمئن اور فارغ دل نہ تھے کہ وہ پوری توجہ اس طرف مبذول کر کے ایک معقول ذخیرہ فراہم کر رکھتے، جو ان دونوں اماموں (**ابوحنیفہ ومالک رحمہما اللہ**) کو تیار شدہ مل جاتا۔کیونکہ خود ہی معذور تھے اوران کی مسلسل توجہ اس طرف نہ ہوسکتی تھی۔اس سب کے علاوہ ویسے بھی اس وقت تک ان لوگوں کے دلوں میں اس کی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی تھی۔

---نہایت پریشان وغیر مرتب تھیں۔یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو، اس کے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔"

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "غرض امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے زمانے میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ہزاروں موضوعات۔اغالیط۔ضعاف مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔اس وقت امام بخاری ومسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے۔"

(تنبیہ): ہم نے جو جابجا نعمانی صاحب کے قول نقل کئے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے علاوہ حدیث وفقہ کا بڑا ذخیرہ مہیا کر کے کتاب سیرۃ النعمان لکھی (جیسا کہ خود انہوں نے اول میں اقرار کیا ہے) جس میں امام اعظم کی سوانح عمری کے سوا امام صاحب کی تائید کو مدنظر رکھا اوران کے مذہب کی ترجیح کی بہت کچھ کوشش کی (حتی کہ انہوں نے اس مقصد میں حد سے زائد غلو کی وجہ سے سخت سخت مسامحات کئے، جن میں سے بعض بعض کے جواب ہمارے ہم عصر جناب مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے حسن البیان میں جو انہوں نے اسی واسطے تالیف کی، دئیے ہیں۔اور بہتوں سے انہوں نے درگزر کیا ان میں بعض بعض پر ہم نے بھی تنبیہ کی ہے) پس نعمانی صاحب نے جو بات اس مضمون کے خلاف ذکر کی یا تسلیم کی وہ وہی ہے، جس سے وہ کسی طرح انکار نہ کرسکتے تھے اور جس کے ثبوت میں ذرا بھی کلام کی گنجائش نہیں۔لہٰذا اتمام حجت کے لئے ان کا کلام نقل کر دینا، ہم نے زیادہ مفید خیال کیا۔

حضرت عمر (رحمہ اللہ) بن عبدالعزیز کے زمانے میں کہ اس وقت امن وعافیت نے اپنا رنگ دکھلایا تھا۔گو چند روزہ ہی سہی کچھ تحریکی اس کی ہوئی تھی۔مگر ہم نہیں جانتے کہ اس کا سلسلہ آگے چلتا رہا ہو۔ بہر حال ان دونوں نے جو کیا وہ ان کو بیشتر اپنی قوت بازو سے کرنا پڑا۔اور گو انہوں نے کچھ امن وعافیت کا بھی زمانہ پایا مگر بہت ہی تھوڑا سا زمانہ تھا۔تو وہ بیچارے اس ابتدائی زمانہ میں اور تھوڑے سے وقت میں اور صرف اپنی ذاتی کوشش سے کیا کر سکتے تھے اور کہاں تک کر سکتے تھے۔اس وجہ سے انہوں نے باوجود تمام ترسعی کے بہت ہی تھوڑا حصہ حدیث کا پایا۔ برخلاف زمانہ مابعد کے کہ اس میں تدوین کی وجہ سے جو احادیث منتشر تھیں، وہ جمع ہوگئیں اور جو مخفی تھیں وہ ظاہر ہوگئیں اور پھر ہر شخص کو ملنے لگیں۔

اہل حدیث کی مساعی تحصیل حدیث اور ان کے ثمرات:

چنانچہ شاہ صاحب اہل الرائے کے مقابل اہل حدیث کے بیان میں جن کا کچھ ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، لکھتے ہیں:

”تو ان [1] اہل حدیث کے لئے بلاد اسلام میں تدوین احادیث وآثار کا شائع ہونا اور کتابوں اور رسالوں کا لکھا جانا،حتی کہ اہل روایت کم نکلیں گے جن کی کوئی کتاب یا رسالہ نہ ہوا ہو، بڑا کارآمد ہوا۔

پس اس وقت میں جو ان کے اکابر تھے، وہ بلاد حجاز وحرمین شریفین اور شام اور عراق اور یمن اور مصر اور خراسان میں پھرے اور ان کتابوں اور رسالوں کو (جو اس ابتدائے زمانے میں لکھے گئے تھے، انہوں نے) جمع کیا اور کمیاب حدیثوں اور نادر آثاروں کی جستجو میں خوب کوشش کی، تو ان لوگوں کے اہتمام سے اُن کے پاس احادیث وآثار اس قدر جمع ہوگئے، جو ان سے پہلے کسی کو میسر

(۱) دیکھو: حجۃ اللہ البالغۃ،ص: ۱۵۳و۱۵۴عبارت طویل ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

نہ آئے تھے اور ان کے پاس حدیث کی اسانید بہت بہت جمع ہوگئیں۔حتی کہ ان کے پاس بہت احادیث ایسی تھیں کہ (ان میں سے ایک ایک حدیث کے) سوسو طریقے اور سندیں تھیں۔بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بعض طریقوں نے (اس میں کچھ تفصیل ہونے کی وجہ سے حدیث کے معنیٰ ومطلب کے متعلق) ایسی بات کھول دی، جو دوسرے طریقوں میں پوشیدہ تھی،اس وجہ سے یہ لوگ نفس حدیث کے علاوہ مطالب حدیث سے بھی زیادہ واقفیت رکھنے والے ہوگئے۔اور ان لوگوں نے ہر حدیث کا مرتبہ کہ وہ غریب ہے (جس کے بہت سے راوی نہیں) یا مستفیض ہے (جس کے رواۃ بکثرت ہیں، بھی) پہچان لیا اور ان کو اس کی بھی قدرت ہوئی کہ وہ حدیث کے متابعات وشواہد دیکھیں۔اور ان پر بہت سی احادیث صحیحہ ظاہر ہوگئیں، جو پہلے کے اہل فتویٰ (مجتہدین) پر ظاہر نہ ہوئی تھیں، (دیکھو) امام شافعی (رحمہ اللہ)، امام احمد (رحمہ اللہ) سے درخواست کرتے ہیں کہ (چونکہ) تم احادیث صحیحہ کے ہم سے زیادہ جاننے والے ہو تو کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھ کو بھی بتا دینا کہ میں بھی اسے لوں۔کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی (یعنی کسی شہر والے کی حدیث ہو)۔چنانچہ ابن الہمام (حنفی) نے اس کو حکایت کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت احادیث صحیحہ ایسی ہیں کہ ان کو صرف خاص ایک ہی شہر کے لوگ روایت کرتے ہیں، جیسے افراد شامیین، افراد عراقیین (یعنی وہ احادیث جن کو صرف شام والے روایت کرتے ہیں یا صرف عراق والے روایت کرتے ہیں۔جو کہ حدیث کی قسمیں کہلاتی ہیں) یا ان کو کوئی خاص خاندان روایت کرتا ہے۔جیسے نسخہ برید عن ابی بردہ الخ کا یا عمرو بن شعیب الخ کا یا (مثلاً کسی حدیث کا) صحابی کم روایت کرنے والا وغیر مشہور تھا کہ جس سے (اس حدیث کو) کم لوگوں نے لیا تو اس قسم کی احادیث سے اکثر اہل فتویٰ (ائمہ) بے خبر رہے (اور اب ان زمانوں میں وہ آ کر کھل گئیں اور علاوہ اس کے ان لوگوں کے پاس ہر شہر کے فقہاء (ومجتہدین) کے اقوال (بھی خواہ وہ فقہاء) صحابہ میں سے ہوں یا تابعین میں سے جمع ہوگئے۔حالانکہ پہلے وقت میں آدمی

اپنے شہر کی اور اپنے اساتذہ کی حدیث کے سوا اور جمع نہ کرسکتا تھا (اور صرف انہیں کے مجتہدات واقوال پر واقف ہوسکتا تھا) اور (ایک بات اور ہے کہ) پہلے کے لوگ راویوں کے پہچاننے اور ان کے مراتب عدالت معلوم کرنے میں اسی پر بھروسہ کرتے تھے جو خود ان کو مشاہدہ حال اور تتبع قرائن سے سمجھ میں آتا تھا۔ اور (اب) اس طبقہ نے اس فن میں (بھی) تدقیق (وتحقیق) کی اور اس میں بحث کرکے اور اس کو جمع کرکے اس کو ایک مستقل علم بنادیا۔ (پس اس میں بجائے صرف اپنے تتبع کے ہزاروں مبصروں کی تحقیقیں جمع ہوکر بات روشن ہوگئی اور اب زمانہ مابعد کے لوگ بطور خود اس تحقیقات سے بھی سبکدوش ہوگئے) اور انہوں نے (کسی حدیث پر) صحت کے حکم لگانے وغیرہ میں آپس میں بحثیں کیں تو ان پر اس تدوین و بحث کیں تو ان پر اس تدوین و بحث کی وجہ سے (احادیث کے) اتصال وانقطاع کا حال بھی کھل گیا۔ (غرض ہر طرح سے پچھلوں کی معلومات پہلوں کی معلومات سے ترقی کرگئی۔ چنانچہ پہلوں میں سے نظیر کے طور پر دیکھو) سفیان و وکیع اور جو ان کے ہم مثل تھے (جو کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) و امام مالک (رحمہ اللہ) کے ہم زمانہ ہیں) باوجودیکہ غایت درجہ کی کوشش کرتے تھے۔ تاہم مرفوع متصل حدیث ہزار سے کم ہی پاتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد سجستانی (صاحب سنن) نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو انہوں نے بھیجا تھا لکھا ہے۔ (اسی سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی بھی تعداد احادیث معلوم ہوسکتی ہیں) اور (اب) اس طبقہ کے لوگ (جو ان سے بعد ہیں) چالیس چالیس ہزار حدیث یا اس کے قریب قریب روایت کرتے تھے بلکہ (امام) بخاری سے بسند صحیح ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنی صحیح کو چھ لاکھ حدیث سے تلخیص کیا۔ اور ابوداؤد سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی سنن کو پانچ لاکھ حدیث سے منتخب کیا۔ اور (امام) احمد (رحمہ اللہ) نے تو اپنی مسند کو حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جانچنے کا آلہ ٹھہرادیا کہ جو حدیث اس میں ہو گو ایک ہی سند سے سہی تو اس کی اصل ہے اور جو حدیث اس میں نہ ہو وہ بے اصل ہے۔ (ان کے

پاس کثرت سے احادیث جمع ہوگئیں کہ ان کو تمام احادیث کے احاطہ کا خیال ہوگیا۔ مگر بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ بہت سی احادیث ان کو بھی نہیں پہنچیں۔"

ائمہ اربعہ مورد الزام نہیں!

پس کچھ تعجب نہیں، اگر ان ائمہ میں سے خصوصاً ان میں سے جو زمانہ میں اور بھی تقدیم رکھتے تھے۔ مثل امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے کسی امام کا کوئی مسئلہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف پڑ جائے یا زمانہ مابعد کے لوگوں میں سے کسی کو کوئی ایسی حدیث معلوم ہو جائے جو ان کو معلوم نہ تھی یا اس کو کوئی ان کی اجتہادی خطا ثابت ہو جائے، لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے اور صاحب مناقب جلیلہ اور مفاخر جمیلہ۔ ان میں سے ہر ایک کے مناقب میں بڑی بڑی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

اِن مناقب کی کتابوں کو دیکھو تو جس امام کے مناقب کو پڑھو یہی جی چاہتا ہے کہ بس ان ہی کی تقلید کر لی جائے۔ مگر اگر مناقب ہی پر مدار تقلید ہے تو کس کس کی تقلید کی جائے۔ جس امام کے مناقب دیکھو ہر ایک کی یہی حالت ہے۔ ائمہ اربعہ پر مخصوص نہیں اور تمام اکابر ائمہ کا بھی یہی حال ہے کہ ایک سے ایک بڑھ کر نظر آتا ہے۔ پس اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ فروع کی بجائے سب کے اصل کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ سرور اکرم فخر عالم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور نیز مناقب کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ مناقب آپ ہی کے ہیں۔ لیکن ان ائمہ سے بھی ہم کو کسی طرح استغناء نہیں۔ شریعت واحکام رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں کے یا ان کے ہم مثلوں کے ذریعہ سے ہمیں پہنچے پھر ہم ان کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ تاہم ہم کو یہ جائز نہیں کہ ہم ان کا کوئی قول جو حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف معلوم ہو اس کو اختیار کر لیں۔

کسی مسئلہ کی تلاش میں ائمہ کا دستور العمل:

یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان اماموں میں سے کوئی امام اپنی طرف سے حدیث کے لینے میں اور اس کی تلاش میں [۱] دانستہ سستی کرتا تھا یا اس کے ملنے کی صورت میں اس پر عمل میں اس کو کوئی دریغ نہ تھا بلکہ وہ قاعدے کے مطابق اول مسئلہ قرآن میں تلاش کرتے تھے، اس میں نہ ملتا تھا تو حدیث رسول ﷺ ڈھونڈھتے تھے۔ جب حدیث نہ ملتی تب اجتہاد وقیاس سے کام نکالتے تھے، جیسا کہ مجتہد کو کرنا چاہئے۔ اور چونکہ اجتہاد میں خطا بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے ایسا بہت ہوا کہ جو مسئلہ انہوں نے اجتہاد سے بتایا اس میں ان سے خطا ہوگئی اور دوسروں کو حدیث اس کو خلاف معلوم ہوگئی لیکن اس سے ان کے ذمہ کوئی الزام نہیں وہ بہرصورت ماجور ہیں۔

بلکہ انہوں نے تو خود ہی بہت سے مسائل کا اپنے اجتہاد و رائے [۲] سے کہنا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ فرمادیا کہ حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو ہمارا قول چھوڑ دینا اور حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے مسائل اجتہاد سے بھی کہے تھے۔ اگر کل صریح منصوص سے کہے ہوتے تو اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی [۳]۔ اور ان کے اس قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان کو خود بھی اقرار ہے کہ ہم کو تمام احادیث رسول (ﷺ) پر احاطہ نہیں۔ اگر احاطہ [۴] ہوتا تو وہ ایسا

---

(۱) البتہ تلاش کے منازل متفاوت ہیں۔

(۲) امام اعظم صاحب کا ایک قول کہ جب وہ مسئلہ بتاتے تھے تو فرمادیتے تھے کہ "یہ میری رائے ہے، پس جو اس سے بہتر لاوے تو وہی اولی ہے۔ پہلے گزر چکا اور ایک قول ان کا یہ بھی ہے، جس کو نعمانی صاحب نے بھی سیرۃ النعمان ص: ۱۸۳ میں ذکر کیا۔ هذا الذي نحن فيه رأي لا يجبر عليه أحد، و لا نقول: يجب على أحد قبوله۔ انتهى۔ یعنی ہم جس بات میں (مشغول) ہیں، وہ رائے واجتہاد ہے، ہم کسی پر جبر نہیں کر سکتے (کہ اس پر عمل کرے) اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے۔

(۳) اور اگر معدودے چند ہوئے تو خاص طور پر ان کو بتادیئے۔

(۴) چنانچہ جناب مرزا مظہر جانجاناں صاحب نقشبندی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ومخفی نیست کہ ہیچ ---

کیوں فرماتے۔ بہرحال وہ ہر طرح سے بری ہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں۔

کج بحثیاں اور تاویلات رکیکہ:

الزام تو ان پر ہے کہ باوجود حدیث پانے اور امام کے قول کے اس کے مخالف ہونے کے امام کی رائے پر چلے جاتے ہیں اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے بلکہ امام سے اپنے الزام دور کرنے اور اپنے (۱) پر سے اعتراض اٹھانے کی غرض سے حدیث کے

---یکے از علماء امت جمیع احادیث را احاطہ نہ کردہ است، چنانچہ قول ''أترکوا اقولي بخبر الرسول''نص است براں کہ جمیع احادیث با امام نرسیدہ بلکہ بعض از انہا فوت شدہ و چرا فوت نشود کہ مثل خلفاء راشدین کہ اعلم امت و ملازم صحبت جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بودند بعض احادیث از یشان نیز فوت شدہ و میدانند دیں معنی ہر کہ معرفتے بفن حدیث وارد۔

(۱) <u>حدیث کے ساتھ مقلدین کا سلوک:</u>

جیسا کہ پہلے تم علامہ محمد حیات سندی کے قول میں پڑھ چکے ہو۔ اور ان کے لکھنے پر کیا موقوف اب بھی برابر یہی ہو رہا ہے، حدیث پڑھاتے وقت کسی مقلد طالب علم کے سامنے جس وقت حدیث سے جو جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں بیان کئے جاتے ہیں تو جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ مسائل میرے امام کے مذہب کے خلاف ہیں، اس وقت تک اس کو ان مسائل کے تسلیم میں اور ان مسائل کے اس حدیث سے مستنبط ہونے میں ذرا کلام نہیں ہوتا اور جب اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میرے امام کے خلاف ہے تو فوراً اس کو اس مسئلہ کے اس حدیث سے مستنبط ہونے میں کلام پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کسی طرح سے اس مسئلہ پر اس حدیث کا دلالت کرنا تسلیم کرنا نہیں چاہتا بلکہ طرح طرح کی کج بحثیوں سے اس کو رد ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور طالب علم کیا۔ ان کے عوام و علماء سب کی یہی حالت ہے۔ کسی ایسی حدیث کو جو ان کے امام کے مخالف نہیں اور اس کا مخالف ہونا معلوم نہیں۔ جب سنتے ہیں تو اس میں کوئی بحث و انکار ان کو نہیں ہوتا۔ اور وہ حدیث کہ اس کا مخالف ہونا ان کے علم میں ہو۔ اس میں طرح طرح کے عیب نکل آتے ہیں۔ اس سب کو جانے دو۔ ہم انہیں پر انصاف رکھتے ہیں۔ وہ ایمان سے کہہ دیں۔ ان احادیث میں جو رفع الیدین یا آمین بالجہر یا قرأۃ خلف الامام کے ثبوت میں مثلاً وارد ہیں (جن کے صحت وثبوت کو تمام محققین تسلیم کرتے ہیں) یہ لوگ جو کچھ کلام کرتے ہیں اور کسی طرح ان کا لائق عمل ثابت ہونے دینا نہیں چاہتے بلکہ طرح طرح سے ان کو غیر معمول بہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کیا یہ اس وقت بھی ایسا ہی کرتے اگر فرضاً امام ابوحنیفہ صاحب کی بھی رائے ان احادیث کے موافق ہوتی اور ان کا قول ان کے خلاف نہ ہوتا۔ بلکہ امام شافعی وغیرہ کو اُن سے خلاف ہوتا۔ او رکیا اس صورت میں بھی یہ لوگ ان احادیث کی مخالفت میں ایسا ہی گفتگو کرتے جیسا اب کرتے ہیں۔ اور کیا اس حالت میں بھی ان لوگوں کے ذہن ان احادیث کی بابت انہیں تاویلوں کو جگہ دیتے جن کو اب دیتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔---

معنی میں طرح طرح سے تاویلیں کر کے اور پھیر پھار کر اس کو اپنے امام کے قول کے مطابق بناتے ہیں نہ یہ کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اصل قرار دے کر امام کے قول کو اس کی طرف پھیرتے اور حدیث کے تابع ہوتے۔ جب یہ کچھ نہیں بنتی تو کبھی تو چونکہ اپنے مشائخ کا عمل اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ (۱) ہوگی۔ حالانکہ محض باتوں سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک کہ صریح طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ حکم دے کر پھر اس کو اٹھا دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں (۲): ''فقہاء کا ان احادیث کو جو ان کے مشائخ کے عمل کے خلاف ہیں، منسوخ کہہ دینا، کوئی ماننے کے لائق بات نہیں۔''

--- بلکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ اپنے موافق کے نام سے اگر ضعیف سے ضعیف دلیل مل جائے تو اس کو قوی سے قوی سمجھا جاتا ہے اور مخالف کی کیسی ہی صریح وقوی دلیل ہو اس میں بیسیوں عیب نکالے جاتے ہیں بہر حال وہ جی میں انصاف کریں تو کبھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ جن احادیث میں ان کو اپنے امام کے مخالف پانے کی صورت میں جو کچھ کلام کرتے ہیں اگر بالفرض ان کے امام کا مذہب اس کے برعکس ہوتا یا یہ کسی شافعی المذہب کے گھر میں پیدا ہوئے ہوتے، تو کبھی ان کو ان میں یہ کلام نہ ہوتا۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ ایک لطف اور ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں کا ایک جزو جو اپنے موافق ہے وہ معتبر قابل حجت قرار دیا جائے اور دوسرا جزو جو موافق نہیں غیر قابل عمل قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث عبداللہ بن زید بن عبد ربہ اور حدیث ابی محذورہ کو دیکھو کہ ہر ایک میں جو جزو کہ صفت اذان بلا ترجیع اور اقامت بلا ایتار پر دلالت کرتا ہے معتبر و حجت ہے اور دوسرا جزو ترجیع اذان و ایتار اقامت پر دلالت کرتا ہے۔ غیر معتبر ہے۔ اس قسم کی مثالیں اگر تمہیں دیکھنا ہو تو اعلام الموقعین دیکھو۔ اور جب ایسا ہے تو ان کی احادیث میں یہ ساری بحثیں محققانہ کہاں رہیں بلکہ محض امام کی طرفداری کے لئے ہوئیں۔ افسوس کہ تقلید پیش لوگوں نے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کیسی بیقدری کی۔ نعوذ باللہ من شرور أنفسنا و من سیئات أعمالنا۔

(۱) **بتوں کو آستینوں اور منہ میں رکھنے کا جھوٹا قصہ:**

رفع الیدین اور آمین بالجہر کے منسوخ بنانے کے لئے کیسے جھوٹے قصے اڑائے ہیں کہ وہ تو اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ منافق لوگ آستینوں میں اور منہ میں بت رکھ کر نماز کو آتے تھے۔ پس رفع الیدین کا حکم دیا گیا کہ بت گر پڑیں اور زور سے آمین کہنے کی وجہ سے منہ میں نہ رکھ سکیں۔ کیسی جھوٹی جھوٹی باتوں سے سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: وقول الفقهاء لما يجدونه خلاف عمل مشائخهم منسوخ غير مقنع۔ (انتہی ص: ۱۴۴)۔

کبھی کہتے ہیں ہمارے امام کے پاس بھی کوئی حدیث ضرور ہوگی جب تو انہوں نے اس طرح مسئلہ بتایا۔حالانکہ امام کے پاس ان کے بتائے ہوئے مسئلہ کے موافق حدیث کا ہونا محض ایک احتمالی بات ہے۔کیونکہ نہ صرف احتمال بلکہ ظن غالب ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے قیاس و استنباط سے کہا ہوگا۔اور اس کے خلاف میں حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقینی موجود ہے۔پس کیسی غلطی ہے کہ یقین کو چھوڑ کر محض احتمال و شک پر مدار عمل رکھا جائے۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہوگا۔یا اس کے کوئی اور معنی کئے ہوں گے۔یا ان کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہوگی تب ہی تو اس کے موافق مسئلہ بتایا۔اس وجہ سے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔

حالانکہ یہ سارے خیال اس وقت کئے جاسکتے ہیں کہ پہلے یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث ان کو ملی تھی اور پھر اختیار نہیں کی تو کہا جاسکتا ہے۔شاید اس وجہ سے اختیار نہیں کی کہ سند ضعیف سے ان کو پہنچی تھی یا اس کے کوئی اور معنی خیال کئے یا اس کو منسوخ جانا۔اور جب سرے سے یہی نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ حدیث سنی بھی ہے یا نہیں۔تو پھر محض ایسے گمانوں پر ایک صریح و صحیح حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رد کر دینا کیسی بے انصافی ہے۔

کبھی کسی صحابی کا قول یا فعل اپنے موافق پا کر کہنے لگتے ہیں۔دیکھو فلاں صحابی اس کے قائل ہیں،اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی اور اس مخالف حدیث میں کوئی نہ کوئی بات نہ ہوتی تو یہ صحابی کیسے اس مسئلہ کے قائل ہوتے۔حالانکہ اگر یہ دلیل صحیح مان لی جائے تو بہت سی احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رد ہو جائیں۔کیونکہ بہت سی احادیث ایسی ہیں،جن کے صریح خلاف افعال و اقوال صحابہ (رضی اللہ عنہم) ملتے ہیں (جس کی بڑی وجہ ابھی تم معلوم کر چکے ہو) تو چاہئے کہ ان تمام حدیثوں کو ایسے ہی احتمالات پیدا کر کے غیر مقبول کر دیا جائے۔اس کے علاوہ اس قسم کے موقعوں پر اکثر فریق مقابل کے موافق

بھی اقوال وافعال موجود ہوتے ہیں تو فریق مقابل بھی اسی طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح پر نہ ہوتا تو فلاں فلاں صحابہ کیسے اس کے قائل ہوتے۔فریق مقابل کے پاس تو اس دلیل کے سوا حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی موجود ہے۔پھر بڑا تعجب ہے کہ اُن کا یہ قول تو مقبول رہے اور فریق مقابل کا قول جو ان سے زبردست ترجحت رکھتا ہے، قابل قبول نہ ہو۔اور قطع نظر اس سب کے خود ان کے اصول کا بھی مسلمہ مسئلہ ہے کہ موقوف [1] (قول وفعل وتقریر صحابہ) مرفوع حدیث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابل حجت نہیں ہوسکتا۔پس اگر ایسے حیلوں کا اعتبار ہوتا تو اس قاعدے کے کیا معنیٰ ہیں؟

تقلیدی قول اور عمل کا تضاد:

کبھی یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا اور اس کی موافقت ومخالفت کا جاننا مجتہد کا کام ہے۔ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث مخالف ہے یا موافق ہے۔اس کا مفصل جواب تو ان شاء اللہ تم آگے پڑھوگے۔مگر یہاں پر اتنا کہہ دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جب تم حدیث سمجھتے ہی نہیں تو تم امام کے قول کی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مخالفت اُٹھانے کے وقت یہ کیسے کہتے ہو کہ اس حدیث کے یہ معنیٰ نہیں ہیں (جس سے مخالفت امام کے قول کی ثابت ہوتی ہو) بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں (جو مخالف امام کے قول کے نہ ہوں) اور حدیثوں میں تاویلیں اور حجتیں کیوں کرتے ہو بلکہ تم کو بالکل سکوت اختیار کرنا چاہئے۔{ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ} (یعنی سو کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو خبر نہیں۔) [2] اور نیز فریق مقابل کے مقابلے میں دلیلیں اور حجتیں کیوں لاتے اور مناظرے کیوں کرتے ہو، جب تم کو موافق ومخالف دلیل پہچاننے اور دلیل پکڑنے کی تمیز ہی نہیں تو اپنی بساط سے زائد کام کیوں کرتے ہو، جس کے تم اہل نہیں۔اور نیز پھر

---

(۱) چنانچہ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: قول الصحابي عندنا حجة ما لم ينفه شيء من السنة۔ انتھیٰ اور یہ ایسی ظاہر بات ہے جس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) آل عمران:٦٦۔

تمہارے لئے علم اصول پڑھنا اوراس میں اپنے اوقات صرف کرنا بالکل ایک فضول کام ہے۔اس لئے کہ غرض علم اصول سے طریقۂ استدلال اور دلائل سے استنباط مسائل کا طریقہ معلوم کرنا ہوتا ہے، جب تم اس کی اہلیت کو پہنچتے ہی نہیں تو اس میں مصروف ہو کر اپنی تضییع اوقات کیوں کرتے ہو۔

اہل تقلید کو ایک نیک مشورہ:

مگر اصل میں یہ کچھ نہیں یہ سارے حیلے (۱) و بہانے صرف اس واسطے ہیں کہ امام کے

---

(۱) اہل حدیث پر غلط الزامات اوران کی حقیقت:

بعض لوگوں میں ہم نے دیکھا کہ جب وہ جانتے ہیں کہ علمی بحث میں تو ہم ان سے پیش لے جا ہی نہیں سکتے اور دلی عناد صبر سینے نہیں دیتا تو اور ہی طرح طرح کی باتوں سے وہ اپنے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ آمین بالجہر ورفع الیدین پر بہت اصرار وجھگڑے کرتے ہیں اور سنتوں پر عمل نہیں کرتے تو اول تو یہ الزام ہی صحیح نہیں۔جس سے جہاں تک ہو سکتا ہے عمل کرتا ہے۔ان کی کوئی تخصیص نہیں مگر چونکہ اس سے زیادہ ان کو خلاف ہے،اس وجہ سے یہی ان کو بہت کھٹکتا ہے اور ناگوار ہونے کی وجہ سے اسی سے صدمہ زیادہ پہنچتا ہے،اس واسطے یہی یاد رہتا ہے،دوسرے یہ ضرور نہیں کہ جو تمام باتوں پر عمل کرسکے تب ہی کرے ورنہ ساری سنتیں چھوڑ کر بیٹھ رہے اور کسی ایک پر بھی عمل نہ کرے۔تیسرے ان سنتوں کا اگر بہ نسبت دوسری سنتوں کے زائد اہتمام کیا جائے،تو اس کی خاص کئی وجہیں ہیں،اول یہ سنتیں متممات ومکملات صلاۃ سے ہیں،جو کہ افضل اعمال اسلام ہے،لہذا وہ اسی قابل ہیں کہ ان کا زائد اہتمام کیا جائے۔دوسرے لوگ ان سنتوں سے بالخصوص بے خبر ہیں،پس ان پر زیادہ عمل درآمد کرنے سے احیاء سنت ہوتا ہے۔تیسرے سنتوں سے جلنے والے سب سے زیادہ انہیں سنتوں سے جلتے ہیں،لہذا ان کو زیادہ جلانا بھی داخل خیر ہے۔پیغمبر صاحب نے آمین سے یہود کے جلنے کی وجہ سے حکم دیا کہ تم آمین زیادہ کہو تا کہ وہ خوب جلیں معلوم ہوا کہ عمل خیر سے جلنے والے کو اور جلانا چاہئے۔لہذا ان وجوہ سے اگر سنتوں پر زیادہ اصرار کیا جائے تو حق بجانب ہے،بایں ہمہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے کہ اور سنتوں پر عمل کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اماموں کا خلاف جو کرتے ہیں تو اپنی شہرت کے لئے اور تکبراً ایسا کرتے ہیں،ان کی نیت بخیر نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ اتہام آج نیا نہیں انہیں کے پیش رووں نے پہلے امام شافعی کے اوپر بھی یہی اتہام کیا تھا کہ شافعی جو امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کا خلاف کرتے ہیں تو دنیا کے لئے (اور اپنی شہرت کے لئے) کرتے ہیں۔

دیکھو: توالی التاسیس،ص:۶۷،مطبوعہ مطبع منیریہ مصر۔

کبھی یوں اپنے جی کو خوش کرلیتے ہیں کہ کبھی کسی اہل حدیث سے بحسب اتفاق ومقتضائے بشریت کوئی گناہ یا غیر---

قول کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، مجبور ہیں، کچھ بنتی نہیں تو اسی طرح باتیں بنا کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ اور اہل حدیث ہیں کہ کسی کل پر انہیں چین نہیں لینے دیتے۔ لیکن ہم کہتے ہیں اگر تم کو براہ راست رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث سے ذرا بھی الفت وغرض نہیں۔ اور تم اپنے امام ہی کے قول کے پابند رہنا چاہتے ہو تو آؤ ہم تم کو ایک ایسی تدبیر بتائیں جس سے تم اپنے امام کے اقوال پر بھی جمے رہو اور ان غیر مقلدوں کے اعتراضوں سے بھی نجات پاؤ۔ وہ یہ کہ تم یہی سمجھ کر کہ ہمارے ہی امام نے فرمایا ہے کہ میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرنا۔ حدیث پر عمل کرلو۔ اگر تم ایسا کرنے لگو گے تو غیر مقلد بھی تم پر اعتراض نہ کرسکیں گے۔ اور تم اپنے امام کے قول کے بھی پابند رہے۔ گو ہم اس صورت میں اس بات کی تو ذمہ داری کر نہیں سکتے کہ یہ عمل تمہارا عند اللہ مقبول ہوگا۔ اس لئے کہ یہ عمل حدیث پر نہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث پر عمل ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اپنے امام کے قول پر عمل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدوں کے مذکورہ بالا اعتراضوں سے ضرور بچ جاؤ گے۔ اور اپنے مقصود اصلی (قول امام) پر بھی قائم رہے۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ امام اعظم صاحب یا کوئی اور امام اگر اس وقت تک زندہ رہتے کہ احادیث فراہم ہو کر مدون ہو جاتیں تو ان کا مذہب بھی یہی ہوتا جو یہ حدیثیں بتاتی ہیں۔

حضرت امام معذور تھے لیکن مقلدین معذور نہیں:

شیخ المشائخ امام[1] عبدالوہاب شعرانی کی میزان کبری میں ہے:

---موزوں فعل ہوگیا تو کہتے ہیں، دیکھو یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کو نفس مذہب سے کیا تعلق۔ کسی مسلمان سے اگر کوئی نامناسب فعل ہو جائے تو اسلام یا مسلمانوں پر عیب اس سے کیونکر لگ سکتا ہے۔ دوسرے کیا وہ خود سب کے سب معصوم ہیں۔ ان کے افراد اس قسم کے افعال کے کیا مرتکب نہیں ہوتے۔ مگر وہاں اصلیت کو کون دیکھتا ہے۔ مقصود تو عیب گیری ہے۔ غرض اسی طرح کی ان لوگوں کی اور بھی کتنی باتیں ہیں جن کو ہم بخوف طول کلام چھوڑتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: واعتقادنا واعتقاد كل منصف في الإمام أبي‌حنيفة (رحمه الله) بقرينة ما رويناه----

''امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے بارے میں ہمارا اعتقاد اور ہر مصنف کا اس قرینہ سے جو ہم نے ان سے ابھی رائے کی مذمت اور رائے سے تبری اور ان کا نص (قرآن وحدیث) کو قیاس پر مقدم کرنا نقل کیا یہ ہے۔ اگر وہ احادیث کے جمع ہو جانے تک اور حفاظ (حدیث کے) حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے مختلف بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے بعد زندہ رہتے اور ان احادیث کو پاتے تو ضرور وہ ان کو لیتے۔ اور جو جو قیاسیں انہوں نے کی ہیں، وہ سب چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا۔ جیسا کہ اوروں کے مذہب میں کم ہے۔ مگر چونکہ ان کے زمانے میں (جو زیادہ) دلیلیں شریعت کی ہیں۔ یعنی احادیث وہ تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ ساتھ (متفرق) شہروں اور گاؤں اور سرحدوں پر منتشر تھیں (اس وجہ سے ان کو زیادہ نہ مل سکیں۔ لہٰذا اور ائمہ کی بہ نسبت ان کے مذاہب میں قیاس سے مجبوراً زیادہ کام لینا پڑا۔ کیونکہ ان مسائل (کثیرہ) میں جن میں انہوں نے قیاس کیا ان کو کوئی نص نہیں ملی۔ بخلاف دوسرے اماموں کے

---- آنفا عنه من ذم الرأي والتبري منه ومن تقديمه النص على القياس أنه لو عاش حتى دونت أحاديث الشريعة وبعد رحيل الحفاظ في جمعها من البلاد والثغور، وظفر بها لأخذ بها وترك كل قياس كان قاسه وكان قلَّ في مذهبه كما قل في مذهب غيره بالنسبة إليه لكن لما كانت أدلة الشريعة مفرقة في عصره مع التابعين وتابعي التابعين في المدائن والقرىٰ والثغور كثر القياس في مذهبه بالنسبة إلى غيره من الأئمة ضرورة لعدم وجود النص في تلك المسائل التي قاس فيها، بخلاف غيره من الأئمة فإن الحفاظ كانوا قد رحلوا في طلب الأحاديث وجمعها في عصرهم من المدائن والقرىٰ ودونوها فجاءت أحاديث الشريعة بعضها بعضا۔ فهذا كان سبب كثرة القياس في مذهبه وقلته في مذاهب غيره۔ ويحتمل أن الذي أضاف إلى الإمام أبيحنيفة أنه يقدم القياس على النص ظفر بذلک في كلام مقلدينه الذين يلزمون العمل بما وجدوه عن إمامهم من القياس ويتركون الحديث الذى صح بعد موت الإمام فالإمام معذور وأتباعه غير معذورين۔ وقولهم إنّ إمامنا لم يأخذ بهذا الحديث، لا ينهض حجةً لاحتمال أنه لم يظفر به أو ظفر به لكن لم يصح عنده وقد تقدم قول الأئمة كلهم إذا صح الحديث فهو مذهبنا وليس لأحد معه قياس ولا حجة إلا طاعة الله ورسوله بالتسليم له۔ انتهىٰ۔ (دیکھئے: ۵۷)

کیونکہ ان کے زمانوں میں حفاظ حدیث گاؤں وشہروں سے حدیثیں تلاش کرتے اور حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے سفر کرنے لگے تھے۔اورانہوں نے احادیث کو اکٹھا کیا تھا تو احادیث ایک دوسری سے آملیں۔ یہ وجہ ہوئی امام ابوحنیفہ کے مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے اور اماموں کے مذہب میں کم ہونے کی۔

اور یہ جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ قیاس کو نص (قرآن وحدیث) پر مقدم رکھتے تھے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کے مقلدین کے کلام میں ایسا (قیاس کو نص پر مقدم کرنا) پایا گیا۔جو کہ اسی پر عمل کو لازم رکھتے ہیں۔جو قیاس کہ امام سے منقول پاتے ہیں اور امام کی وفات کے بعد جو حدیثیں صحیح ثابت ہوئیں ان کو چھوڑتے ہیں تو امام تو معذور تھے اور یہ ان کے اتباع غیر معذور ہیں۔اور ان کا یہ عذر کہ ہمارے لوگوں نے اس حدیث کو نہیں لیا، حجت نہیں ہوسکتا۔کیونکہ احتمال ہے کہ ان کو وہ حدیث نہیں ملی یا ملی مگر ان کو صحیح نہ ثابت ہوئی۔اور پہلے تمام اماموں کا قول گزر چکا ہے کہ جب حدیث صحت کو پہنچ جائے وہی ہمارا مذہب ہے۔اور پھر کسی کو اس کے ساتھ کوئی قیاس یا حجت کی گنجائش نہیں۔سوائے اس کے کہ بس سر جھکا کر اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تابعداری کی جائے۔"

میزان شعرانی کے اس بیان سے منکشف ہوگیا کہ جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی امام کا مذہب ہے اور گویا وہی ان کا قول ہے۔ پھر اب امام کے قول پر اصرار کرنے والوں کو حدیث پر عمل میں کون سا عذر باقی ہے۔

امام صاحب اور قلت حدیث کے اسباب ووجوہ:

اس بیان سے صرف یہی نہیں ثابت ہوا، بلکہ اس سے چند اور بھی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایکؔ یہ کہ (جیسا کہ ہم نے اوپر بھی لکھا ہے) امام کا کسی حدیث کو نہ لینا اس کے غیر معمول بہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔دوسرےؔ یہ کہ مقلدین حنفیہ نے امام صاحب کے قیاس پر عمل کو لازم پکڑ کر حدیث

پر عمل کو چھوڑ دیا۔ تیسرے امام ابوحنیفہ صاحب کے مذہب میں اور سب اماموں سے قیاس زائد ہے۔ چوتھے امام صاحب کو اور سب اماموں سے کم حدیثیں ملیں (جبھی ان کو سب سے زیادہ قیاس کرنا پڑا۔) جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں اور سب اماموں کے زمانے سے زائد انتشار احادیث تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت کم حصہ پاسکے۔ امام صاحب کے حدیث سے کم حصہ پانے کی صرف یہی دو وجہ نہیں ہیں جو اب تک تم نے پڑھیں۔ بلکہ اس کی کئی وجہیں اور بھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کو تیسری وجہ شمار کرنا چاہئے کہ حدیث کے حاصل کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ بغرض طلب حدیث مختلف شہروں کے سفر کئے جاتے اور جابجا اساتذہ ارباب روایت کی خدمتوں میں جاجا کر رہا جاتا اور ہر ایک سے ان کی احادیث محفوظہ حاصل کی جاتیں۔ جیسا کہ ان تمام محدثین نے کیا۔ چنانچہ جہاں ان کی سوانح عمریاں اور ان کے مفصل حالات لکھے ہیں، ان کے تمام ان اسفار اور رحلتوں کا بھی ذکر ہے۔

امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کی جب سوانح عمری پر نظر کی جاتی ہے اور تحقیق نظر سے جو ان کے حالات دیکھے جاتے ہیں، تو ان کا اس طرح پر طلب حدیث کے لئے مختلف بلاد میں سفر کرنا کچھ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ ہم نے باوجود کوشش وتلاش کے اس وقت تک کوئی ثبوت اس کا نہ پایا۔ بلکہ انہیں مناقب کی کتابوں سے جن میں ان کے مناقب کے علاوہ ان کے مذہب کی نصرت اور ان کو اور ائمہ پر ترجیح دینے کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر عزیز کا وہ حصہ (۱) جو عموماً انسان کی آزادی اور امور دنیاوی سے بےتعلقی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور جو تحصیل علم وسفروں کے لئے زیادہ مناسب ہے، ایسی حالت میں گزرا گیا کہ ان کو کسی علم کی طرف توجہ نہ ہو سکی

(۱) جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور سیرۃ النعمان میں امام صاحب کی طلب حدیث کا وقت بیس برس کی عمر سے بتایا ہے۔ ص: ۴۳۔

تھی۔ اور جب توجہ ہوئی تو پہلے **علم کلام**[1] کی طرف ہوئی (جس کا تعلق زیادہ تر حدیث سے ہے ہی نہیں) اور عرصہ تک اس میں مشغول رہے اور اپنی طباعی و ذہانت کی وجہ سے اس میں بہت کچھ تجر پیدا کیا۔ اس عمر میں **امام صاحب** کو مسائل عملیہ سے (کہ انہیں کے ساتھ حدیث کو بڑا تعلق ہے) ایسی بے تعلقی تھی کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک معمولی مسئلہ طلاق کا دریافت کیا، تو اس کے بھی جواب میں توقف ہوا۔ آخر مجبور ہو کر فرمانا پڑا کہ کسی اور سے جا کر **دریافت** کر لے۔ لیکن عمر و تجربہ بڑھنے پر **علم کلام** سے طبیعت ہٹی تو **فقہ کی طرف متوجہ ہو گئے** اور اپنے وطن کے مشہور **فقیہ امام حماد** (رحمہ اللہ) کے حلقہ درس میں جا کر داخل ہوئے اور ان کی زندگی بھر ان کی مصاحبت نہ چھوڑی[2]۔ حماد روایت حدیث میں یا محدث کے نام کے ساتھ کچھ ایسی شہرت نہ رکھتے تھے۔ ہاں وہ اس مجموعہ فقہ کے جو کہ ابراہیم نخعی سے ان کو ملا تھا، بڑے حافظ تھے اور کوفہ کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ امام صاحب[3] نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استاذی کے لئے انہیں کو انتخاب کیا۔ امام صاحب ان کی زندگی ہی[4] میں

---

(۱) سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: ''امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی۔ جس کی ممارست نے ان کی قوت وفکر وحدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔'' انتہیٰ۔ ص: ۲۳۳ و ۲۳۴۔ اور لکھتے ہیں: ''امام ابو حنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے۔ اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔ لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا۔ شروع شروع تو امام صاحب اس فن (علم کلام) کے بہت دلدادہ رہے۔ لیکن جس قدر عمر و تجربہ بڑھتا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت رکتی جاتی تھی خود ان کا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ہمیشہ ان بحثوں سے الگ رہے۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آ کر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقہ پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا۔ عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جن کا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھے۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی۔ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا'' انتہیٰ ملخصاً۔ (ص: ۲۸ وغیرہ۔)

(۲) چنانچہ خود امام صاحب کا قول آگے آتا ہے۔

(۳) دیکھو سیرۃ النعمان، ص: ۳۱۔

(۴) دیکھو سیرۃ النعمان، ص: ۵۴-۱۲۔

درجہ اجتہاد پر پہنچ گئے تھے اور ان کی وفات [1] کے بعد انہیں کی مسند درس پر جانشین ہو گئے، اور اب خود درس دینے لگے اور ترتیب فقہ ونشر مسائل میں مشغول ہو گئے اور اخیر عمر تک اسی میں مشغول رہے [2] ۔حماد کا علمی خاندان امام صاحب کی معلومات کا بس یہی مرکز ہے [3] ۔اور اسی پر امام صاحب کے مذہب کی زیادہ تر بنا ہے مگر ان کی قدرتی ذہانت اور فطرتی ذکاوت نے ان کو بہت کچھ ترقی دے لی اور ان کو حماد کے وقت سے زائد چمکا دیا۔

امام صاحب کے جلد شہرت پانے کے وجوہ:

اس کے علاوہ ان کے عالم باعمل [4] ہونے نے، ان کے زہد وعبادت نے، ان کے

---

(۱) سیرۃ النعمان، ص:۱۹۷ میں ہے"ابراہیم نخعی کے عہد مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کے فتاوی تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی۔لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا" انتہیٰ۔

(۲) چنانچہ ابھی نعمانی کے قول میں گزر چکا۔اور ص:۲۰۰ میں لکھتے ہیں کہ اس کام (تدوین فقہ) میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا، یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے۔

(۳) سیرۃ النعمان، ص:۳۲ میں لکھتے ہیں:"امام ابوحنیفہ نے اگرچہ حماد ہی کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔"انتہیٰ۔نعمانی صاحب نے اس کے بعد جو امام صاحب کے طلب حدیث کے متعلق لکھا ہے اس کی تحقیق تم ہمارے کلام میں پڑھو۔نعمانی صاحب کا ایک اور قول امام صاحب کے لئے حدیث وفقہ ومذہب سب میں اسی خاندان کے مرکز ہونے کی بابت آگے آتا ہے۔

(۴) امام صاحب کے یہ تمام اوصاف ایسے مشہور ومسلم ہیں کہ ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم کسی کتاب کے حوالہ سے بیان کریں تاہم کچھ لکھے دیتے ہیں، مگر بلالحاظ ترتیب کے۔امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: **فقيه العراق وكان إماما ورعا عالماً عاقلا متعبدا كبير الشأن۔ قال ابن المبارك: ابو حنيفه أفقه الناس۔ انتهى۔** اور تاج مکلل میں ہے: **كان حسن الوجه حسن المجلس۔ شديد الكرم حسن المواساة لإخوانه۔ أحسن الناس منطقا وأعلاهم نغمة۔**

ورع وتقوی نے، ان کی سخاوت [1] نے، ان کے حسن خلق نے، ان کے بڑے مقرر اور خوش تقریر ہونے نے، ان کے ہر شخص کے ساتھ بڑے سلوک سے پیش آنے نے، ان کے علم مجلس نے، ان کے ملکی خدمات عہدہ وقضا وغیرہ سے بے رغبتی کرنے اور ان کو نہ قبول کرنے نے، ان کے اخلاص وبڑی بے غرضی کے ساتھ درس علم وشغل افتانے، بالخصوص اپنی ذاتی آسودگی کی وجہ [2] سے ان کے طلبہ کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ درس دینے نے، ان کے طلبہ کے ساتھ مالی امداد وسلوک نے، ان کے کوفہ کے اندر اپنے خاندان علم اور اپنے گروہ کے طرز استدلال کے اندر [3] منفرد رہ جانے

(۱) سیرۃ النعمان میں ہے ”جتنے احباب ملنے والے تھے، سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ سال کے سال ان لوگوں کو پہنچتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے۔ حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے، ان کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے۔ بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا، امام صاحب کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں۔“ (ص: ۴۷) امام صاحب کی سخاوت ومواسات کے بہت سے قصے ہیں اور لکھتے ہیں، گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو، نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔ (ص: ۷۰)

(۲) سیرۃ النعمان میں ہے ”امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی، لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانے کے ساتھ دیانت واحتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی ان کے خزانے میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔“ (اس احتیاط کے متعلق ان کے کتنے باثر قصے ہیں۔) (انتہیٰ، ص: ۳۷) اور لکھتے ہیں ”مزاج میں تکلف تھا۔ اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب اور قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ (چادر وقمیص چار سو درہم کی پہنی ہوئی بھی ان کو دیکھا گیا۔)“ (انتہیٰ، ص: ۷۰)

(۳) سیرۃ النعمان میں ہے ”حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذ وقت تھے۔ حضرت انس سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا، اس کا مدار ان ہی پر رہ گیا تھا، ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے۔ اور اس وجہ سے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ انتہیٰ ص: ۳۱۔ اور لکھتے ہیں ”چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہی پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا۔ لیکن وہ لغت وادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے---

نے، ان کے ایک موروثی اور مشہور علمی خاندان کی گدی پر متمکن ہونے نے، ان کے فقاہت میں ایک خاص طریقہ پر امتیاز اور کمال اور تبحر نے ان کو بہت جلد مشہور کر دیا۔ اور جماعت کثیر کا مرجع بنا دیا۔ اور آگے چل کر قاضی ابو یوسف (۱) وغیرہ نے دنیا میں ان کا سکہ جما دیا۔ چونکہ حماد کا سلسلہ خاندان علم امام صاحب کی علمی زندگانی کا مربی تھا۔ اس وجہ سے امام صاحب اس خاندان کے ہمیشہ بڑے دلدادہ رہے۔ حماد کو سوا کوفہ کے دیگر شیوخ سے جو کہ روایت حدیث میں مشہور تھے۔ گو ان سے بعض سے امام کے اخذ روایت کا ذکر بعض معتبر کتابوں میں ملتا ہے۔ مگر ہم کو اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ملتا کہ امام صاحب نے ان کی خاص (۲) طور پر ملازمت کی ہو۔ اور ان کی روایات کا استقصاء کیا ہو اور ان کی تمام حدیثیں لے لیں ہوں۔ کوفہ کے سوا بعض دیگر بلاد کے رواۃ حدیث سے اخذ روایت کا جو کہیں کہیں پتہ چلتا ہے تو یہ بھی غالباً ایام حج میں حرمین شریفین کے اندر اتفاقی اجتماع کی وجہ سے وقوع (۳) میں آگیا۔ یا تجارت وغیرہ کے متعلق سفر میں اتفاق پڑ گیا۔

---لحاظ سے سب سے ممتاز تھے ان کی جگہ لی وہ فقہ کے ماہر نہ تھے۔ وہ حج کو گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں"۔ انتہیٰ ملخصا ص: ۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ حماد کی درسگاہ بڑی مرجع ومشہور تھی۔ جس پر امام صاحب مسند نشین ہوئے۔ اور یہ کہ اس مشہور سلسلہ خاندان علمی کا مدار حماد ہی پر رہ گیا تھا اور حماد کے بعد صرف امام ابوحنیفہ صاحب پر رہا۔

(۱) چنانچہ اس کا بیان مفصل اوپر گزر چکا۔

(۲) افسوس کہ نعمانی صاحب نے ظاہر لفظوں میں دعویٰ کیا مگر باوجود دعوی تحقیق کے کوئی ثبوت اس کا نہ پیش کیا۔

(۳) گو نعمانی صاحب بلا کسی ثبوت پیش کرنے کے اس کے خلاف دکھانا چاہتے ہیں، تاہم ان کے کلام سے بھی یہ بات مترشح ہے۔ چنانچہ جہاں حرمین کے سفر کا ذکر شروع کرتے ہیں، تو امام صاحب کے ایک حج کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ صفحہ: ۴۰ وصفحہ: ۴۱ میں لکھتے ہیں: "عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اور اس مدت میں امام ابوحنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے۔" انتہیٰ۔ اور صفحہ: ۵۳ میں لکھتے ہیں حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آ کر جمع ہو جاتے تھے۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے امام اوزاعی۔ مکحول۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے، امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا۔ انتہیٰ ملخصا۔ اور بصرہ کی بابت لکھتے ہیں،---

امام صاحب کے طلب حدیث کے لئے سفر نہ کرنے کی وجہ:

ورنہ اس وقت تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہ ہوسکا اور نہ کسی دعویٰ کرنے والے نے کوئی کافی ثبوت پیش کیا۔ جس سے متحقق ہوجاتا کہ امام صاحب نے طلب حدیث کے لئے مختلف ممالک میں سفر کئے ہیں اور جابجا اساتذہ کی خدمت میں جا کر رہے ہیں اور ان سے تحصیل حدیث کی ہے (۱) اور مشکل سے اگر کوئی دو ایک شہروں کا سفر دکھاسکے تو دکھاسکے۔ تاہم یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ اور محدثین کی طرح طلب حدیث کے لئے شہروں شہروں (۲) پھرے ہوں۔ اور حقیقت میں ان کو ایسا کرنا تھا بھی مشکل۔ ابتداء عمر سے ان کے ساتھ دوکان داری کا ایک بڑا تعلق لگا ہوا تھا۔ لاکھوں کا لین

---تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا ص: ۲۸۔ امام صاحب کی توجہ طلب حدیث کی غرض سے سفر کرنے کی طرف نہ تھی اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ امام حسن بصری ۱۱۰ھ تک زندہ رہے، باوجودیکہ وہ ایک مشہور آدمی تھے اور بصرہ کوفہ سے کچھ ایسا دور بھی نہ تھا اور حسن بصری کی زندگی میں امام صاحب تقریباً تیس برس کے ہوگئے تھے بلکہ طالب علمی کرتے ہوئے، دس برس گزرے تھے مگر پھر بھی انہوں نے قصد نہ کیا کہ حسن بصری کی خدمت میں آکر حاضر ہوتے۔ دیکھو: سیرۃ النعمان، صفحہ: ۳۸۔

(۱) امام صاحب کی تحصیل حدیث کی بابت نعمانی صاحب نے دعوے تو بڑے لمبے چوڑے اور خوب خوش آئند الفاظ میں کئے مگر افسوس کہ ثبوت کچھ نہ پیش کرسکے۔ کہیں کہیں جو عقود الجمان کا حوالہ دی ہے، تو عقود الجمان تاریخ یا رجال کی کوئی معتبر کتاب نہیں، یہ بھی انہیں کتابوں میں ہے جن کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں دوراز کار اور فضول قصے مذکور ہیں (ص: ۶۵) جن میں سے جس کو آپ کا جی چاہتا ہے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور جس کو جی چاہتا ہے غلط کہہ دیتے ہیں، پھر ایسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ کیا حجت ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس کا روایت کی رو سے ناقابل اعتبار ہونا تو ثابت ہی ہوگیا۔ رہی روایت تو جو بات درایت کی رو سے ناممکن الوقوع ہے تو اس کا نہ ہونا تو مسلم و یقینی ہے اور جو روایت کی رو سے ممکن الوقوع ہو تو مجرد امکان سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ واقع بھی ہوئی ہو، اس لئے کہ ہر عاقل جانتا ہے کہ ممکن کے لئے واقع بھی ہونا ضروری نہیں۔ افسوس کہ اس پر آپ کی جرأت یہ ہے کہ ص: ۱۴۳ میں لکھتے ہیں۔ ''ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دار ومدار ہے۔'' انتہی۔ تعجب ہے کہ ایسا صریح خلاف دعویٰ۔ بعض شیوخ کے نام تو بیشک بعض معتبر کتابوں کے حوالے سے گنائے ہیں، مگر تحصیل حدیث کے حالات کون سی ایسی کتاب سے لکھے ہیں ذرا بتائیں تو۔

(۲) یہ تو نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ امام صاحب بصرہ ومکہ مدینہ کے سوا اور کہیں نہیں گئے، چنانچہ ص: ۴۳ میں مدینہ کو منتہائے مسافت ان کی طالب علمی کا تسلیم کرتے ہیں۔

دین تھااس کے ہوتے ہوئے وہ ایسے آزاد کیسے پھر سکتے تھے۔اس کے علاوہ موروثی آسودگی کی وجہ سے مزاج میں ایک خاص تکلف [۱] اور نزاکت بھی تھی، جو محدثین کی طرح میلے کچیلے، نرمی سختی، سردی وگرمی، دور وقریب، کی مشقتوں اور سفر کی لازمی مصیبتوں کو کب سہنے دیتے۔تاہم ان سب باتوں کے ساتھ جو کچھ امام صاحب نے کیا جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں، وہ اس سے بہت زائد کیا جو ایک دوسرا شخص ان تمام باتوں کے ساتھ کرتا۔انہوں نے اپنی اوقات میں سے بڑا حصہ اللہ کی عبادت اور علم کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضری دیتے تھے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کا اپنا بیان:

خود ان کا بیان [۲] ہے کہ ”میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر خیال ہوا کہ اب خود درس تعلیم کا سلسلہ قائم کروں، لیکن استاذ کا ادب مانع تھا۔اتفاق سے انہیں دنوں حماد کو ایک ضرورت سے بصرہ جانا پڑا۔چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔تلامذہ وارباب ِحاجت نے میری طرف رجوع کیا۔بہت سے ایسے مسائل پیش آئے، جن میں استاذ سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی، اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لئے ایک یاد داشت لکھتا گیا۔دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔میں نے وہ یاد داشت پیش کی۔کل ساٹھ

(۱) چنانچہ اس کے متعلق ہم نعمانی صاحب کے اقوال پہلے لکھ چکے ہیں اور لکھتے ہیں ”اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی، کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، دنیادار دولتمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے۔لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا۔انتہیٰ۔صفحہ: ۱۷، امام صاحب کو اس چادر اور اوڑھنے میں شرم آنا بھی لکھتے ہیں، جس پر دوسرے بعض علماء ناز کرتے تھے اور جس کی قیمت پانچ دینار سرخ تھے۔ دیکھو، ص: ۷۰۔

(۲) دیکھو: سیرۃ النعمان، ص: ۳۲، یہ عبارت بھی اسی کی ہے۔

مسئلے تھے، ان [1] میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں۔ باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں، میں نے عہد کیا کہ جب تک حماد زندہ ہیں، ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔" الحاصل امام صاحب کی معلومات کے بڑے حصے کا مدار حماد کی روایت پر ہے۔

اہل عراق کا قلیل الحدیث ہونا اور امام صاحب کے خاندان کا علم:

اتفاق کی بات کہ اول تو عراق والے عموماً بالخصوص بہ نسبت اہل حرمین [2] قلیل الحدیث تھے، یہ خاندان کہ جو امام صاحب کی معلومات کا مرکز ہے وہ اور بھی زائد قلیل الروایۃ [3]

---

(۱) یہ وہ وقت ہے کہ امام صاحب اپنے آپ کو فارغ التحصیل اور کامل العلم خیال فرماتے تھے، اسی وجہ سے علیحدہ درس کا سلسلہ قائم کرنا چاہتے تھے، جس پر ایک تہائی مسائل میں خطا اجتہادی ہوئی، جو حماد نے آ کر نکالی کاش ہمارے زمانے کے ان کے ساتھ معصوموں کا سا معاملہ کرنے والے اس سے عبرت پکڑتے۔

(۲) کیونکہ اصل علم کی تو وہیں سے ہے اور وہی صحابہ کی اصلی قرار گاہ ہے اور دوسری جگہ وہیں سے نکل کر ان صحابہ کے ساتھ جو وہاں گئے، پہنچا، اور عراق میں جو صحابہ گئے تھے، ان کا زیادہ تر شغل جہاد رہا نہ اشاعت علم۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: مع أن أهل الحجاز أكثر رواية للأحاديث من أهل العراق لأن المدينة دار الهجرة وماوى الصحابة ومن انتقل منهم إلى العراق كان شغلهم بالجهاد أكثر۔ انتهى اور لکھتے ہیں: وكان الحديث قليلا في أهل العراق۔ انتهى۔ یعنی حدیث اہل عراق میں کم تھی، اس سے سیرۃ النعمان کی وہ غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے، جو انہوں نے کوفہ بصرہ کو حرمین کا مثل بنایا ہے۔ اور نعمانی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کوفہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی وجہ سے دار العلم تھا جیسا کہ حرمین حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی وجہ سے اس کا جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے اس وجہ سے ہم لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

(۳) چنانچہ نعمانی لکھتے ہیں "حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں، جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اس خیال کا بڑا سبب یہی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ان کے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث وفقہ میں ان کے خاندان کی تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود اور حنفی مذہب کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات واستنباط پر ہے۔ عبداللہ بن مسعود اگرچہ بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ متشدد اور محتاط تھے۔ ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بیک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بیک واسطہ استاد تھے، ان کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے یسیر فی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی، لیکن ان کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز ہی خاندان ---

تھا یہ بات ان کی قلت حدیث کے لئے اور معین ہوگئی۔ یہی ان کا قلیل الحدیث ہونا وجہ ہے کہ وہ عام[1] طور پر محدث مشہور نہ ہوئے اور کتب طبقات وتراجم میں جہاں ان کا نام نامی اور ان کے مناقب کا ذکر آتا ہے، تو فقیہ[2] (مثل فقیہ اہل العراق وغیرہ) کے لقب سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کی فقاہت ہی کی تھی جس میں ان کو بڑا کمال تھا تعریف کی جاتی ہے اور ان کا فن حدیث کے ساتھ چنداں تعلق یا اس میں کچھ تبحر بیان نہیں کیا جاتا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب[3] نے حجۃ اللہ وانصاف میں جہاں ائمہ کا موازنہ کیا ہے اور ہر امام کے خصوصیت کے ساتھ کارنامہ بتائے ہیں، تو ہر ایک کا خاص خاص تعلق حدیث کے ساتھ بیان کیا، لیکن امام صاحب کے تذکرہ میں حدیث کا

---تھا۔" انتہی۔ ملخصاً ص: ۱۵۴ وص: ۱۵۵ وص: ۱۵۶۔

(۱) چنانچہ خود نعمانی صاحب لکھتے ہیں: اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عام طور وہ محدث کے لفظ سے مشہور نہیں۔ انتہیٰ ص: ۱۳۴۔

(۲) دیکھو: کتب طبقات وتراجم تذکرۃ الحفاظ کی عبارت ابھی دیکھ چکے ہو گھوم گھام کر نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے۔ ص: ۱۹۳۔

(۳) چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں: وکان مالک من أثبتهم فيحديث المدينين عن رسول الله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأوثقهم إسنادا وأعلمهم بقضايا عمر وأقاويل عبدالله بن عمر وعائشة وأصحابهم من الفقهاء السبعة وبه بأمثاله قام علم الرواية والفتوى۔ انتهى۔ (حجة الله البالغة، ص: ۱۵۰) یعنی مدینہ والے جو حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روایت کرتے ہیں، تو اس میں امام مالک أثبت الناس تھے اور سب سے زیادہ اسناد میں ثقہ تھے۔ اور حضرت عمر کے فیصلوں اور ابن عمر اور عائشہ اور ان کے شاگرد فقہاء سبعہ کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے۔ چنانچہ امام مالک اور انہیں جیسوں سے علم روایت (حدیث) اور علم فتویٰ قائم ہوا۔ انتہیٰ اور امام شافعی کے ذکر میں ان کی ترتیب اصول حدیث اور فن حدیث سے بہت سی باتوں میں پہلوں کے تسامح نکالنے اور انکی حدیث میں تبحر کی بابت تو بہت کچھ لکھا عجب نہیں، اگر موقع ملا تو ہم آگے کہیں نقل کریں اور آگے چل کر اہل حدیث کے ذکر میں امام احمد صاحب کی بابت لکھتے ہیں: وكان أعظمهم شأنا وأوسعهم رواية وأعرفهم للحديث مرتبة وأعمقهم فقها أحمد بن محمدبن حنبل۔ انتہیٰ۔ ص: ۱۵۵۔ یعنی ان سب میں زائد عظیم الشان اور وسیع الروایت اور زیادہ حدیث کے جاننے والے اور فقاہت میں سب سے زائد دقیق النظر احمد بن حنبل تھے فقط۔ اور امام ابوحنیفہ کے تذکرے میں حدیث کا نام تک نہ لیا بلکہ ابراہیم نخعی کے مذہب کو لازم پکڑنا اور اس پر جمے رہنا اور اس پر تخریج کرنا ذکر کیا، چنانچہ اس عبارت کو ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔

کچھ ذکر نہ آیا۔

اور خود **امام صاحب** نے اپنے زمانہ میں جب کہ تدوین علم کی تحریک ہوئی اور ہر علم والے نے اپنی اپنی معلومات کو مدون کرنے کی توجہ کی۔تو اوروں نے تو احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تدوین کی،مگر انہوں نے بجائے حدیث کے فقہ ورائے کو جمع کیا،جیسا کہ پہلے تم امام ذہبی کے کلام میں پڑھ چکے ہو۔ یہ تمام باتیں اس بات کی **کافی دلیلیں** ہیں کہ امام صاحب کو فن حدیث میں بہت زیادہ دخل نہ تھا اور نہ وہ کثیر الحدیث تھے۔اور نہ ان کو حدیث کے ساتھ کوئی بڑا نمایاں تعلق تھا،جو ان کے علمی کارناموں میں قابل ذکر ہوتا۔بلکہ ذکر آتا ہے تو برعکس۔اور قلت روایت کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں امام صاحب کے ترجمہ میں ان کی نسبت ان کے مشائخ ان کے تلامذہ ان کے طبقہ کے ذکر کے بعد جب ان کی روایت احادیث کی سرخی دے کر لکھتے ہیں تو لکھتے ہیں [۱]: ''کہ اور محدثین کی نسبت ان کی روایت حدیث گو کم ہے،مگر یہ کمی ان کے مرتبہ کو نہیں گھٹاتی۔''[۲]

اور اس سب سے زیادہ ذی اثر وہ شہادت ہے،جو ان کے ایک مشہور شاگرد عبداللہ بن مبارک کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایک لائق واقف کار ماہر صاف گو شاگرد کی شہادت استاد کے علمی حالات کی بابت بہت وزنی اور **قابل قبول** ہے۔**امام محمد** بن نصر مروزی اپنی کتاب **قیام اللیل** [۳]

(۱) عبارت یہ ہے: **وأما رواياته للأحاديث فهي وإن كانت قليلة بالنسبة إلى غيره من المحدثين إلا أن قلتها لا تحط مرتبته۔** انتهى۔ ص: ۳۴۔

(۲) بے شک ان کے علمی وعملی صدہا فضائل کے سامنے جیسا کہ ہم نے بار بار ذکر کیا۔اگر ان میں حدیث کی ایک حد تک کمی ہے تو اس سے ان کی عظمت اور شان میں فرق نہیں آتا۔

(۳) یہ کتاب نہایت عمدہ کتاب ہے،اس کا حوالہ جا بجا ابن حجر نے بھی فتح الباری وغیرہ میں دیا ہے،طبع ہو چکی ہے۔عبارت یہ ہے: **سمعت اسحاق بن إبراهيم يقول قال ابن المبارك: كان ابو حنيفة يتيما في الحديث۔** انتهى۔ ابن مبارک کو امام صاحب کا مشہور مخلص ومعتقد شاگرد نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔(دیکھو ص: ۴۳،ص: ۲۸۶)

میں فرماتے ہیں کہ: ''مکہ میں میں نے اسحاق بن ابراہیم سے سنا کہ ابن مبارک کہتے تھے کہ ابوحنیفہ حدیث میں یتیم (کم مایہ) تھے۔'' اور امام محمد کی شہادت تو تم پہلے ہی سن چکے ہو۔ اور ابن داؤد [۱] کہتے تھے: اگر تو روایات چاہے تو سفیان اس کے محل ہیں (ان کے پاس جا) اور اگر یہ (عقلی) دقائق مطلوب ہوں تو (امام) ابوحنیفہ اس کے محل ہیں (ان کے پاس جا)۔''

اس مقابلہ کا جو مفاد ہے وہ ظاہر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں شک کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ امام اعظم صاحب نے حدیث کا حصہ کم پایا اور وہ کثیر الحدیث نہ تھے۔ اور حقیقت میں یہ وہ بات ہے کہ جس کے اقرار سے کسی محقق کو انکار نہیں۔ چنانچہ اکابر محققین کے اقوال ہم ذکر کر چکے ہیں اور بعض آگے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو اس کے خلاف میں بڑے ساعی ہیں وہ خود بھی لوٹ پھر کر اقرار کرتے ہیں کہ امام صاحب اور تمام محدثین سے قلیل الحدیث تھے۔ [۲]

امام صاحب کے ''کثیر الحدیث'' کی حقیقت:

بڑی سے بڑی دلیل [۳] جو امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے کی وجہ پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ کتنے ایسے رواۃ حدیث کے نام جو کہ روایت حدیث میں مشہور ہیں، جن سے امام صاحب کے اخذ روایت کا کتب رجال سے پتہ چلتا ہے، شمار کرا کر لکھتے ہیں۔ جس کے اساتذہ یہ لوگ ہوں جو

---

(۱) دیکھو: مقدمہ عمدۃ الرعایۃ۔ عبارت یہ ہے: إذا أردت الآثار فسفیان وإذا أردت تلک الدقائق فأبو حنیفة۔ انتہیٰ (ص: ۳۷۔)

(۲) چنانچہ نعمانی صاحب ص: ۱۵۴ میں لکھتے ہیں: ''ان کے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں، یہاں تک کہ محدثین نے ان کی مشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت زیادہ قوی سبب ہے۔'' انتہیٰ۔ اور ص: ۱۵۷، میں لکھتے ہیں البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے۔'' انتہیٰ۔ ۱۲

(۳) سیرۃ النعمان وغیرہ۔

فن روایت کے ارکان ہیں، اور جن کی روایتوں سے بخاری، مسلم، مالا مال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو، فلاں فلاں میں (جو بڑے بڑے پایہ کے لوگ ہیں، جن کا امام صاحب سے اخذ روایت کا پتہ چلتا ہے۔) کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود روایت و حدیث کے پیشوا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔" بحاصلہ، امام صاحب کے شیوخ کی تعداد بلاتحقیق مناقب لکھنے والوں نے تو بہت کچھ لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت تحقیق کی روشنی عام ہو رہی ہے۔ پس اب ایسی کچی باتیں ذرا دیر کو بھی فروغ نہیں پا سکتیں۔ اس وجہ سے خود ہی مجبوری کو تسلیم کرتے ہیں [1] کہ یہ تعداد محدثانہ اصول سے بے شک ثابت نہیں ہے۔ تاہم جن لوگوں سے امام کے اخذ روایت کا ذکر معتبر کتابوں سے نکلتا ہے، گو وہ تھوڑے ہی سہی مگر ان کی جلالت شان بادی النظر میں بالخصوص ایک ناواقف کو ضرور دھوکے میں ڈالتی ہے کہ ایسے لوگوں کے شاگرد کو قلیل الحدیث کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان مشہور محدثوں کی شاگردی جائز نہیں رکھتے کہ ان لوگوں کا استاد قلیل الحدیث ہو۔ لیکن فن روایت سے جو شخص ذرا سی بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کے سامنے یہ دلیل کچھ چیز نہیں [2]۔

---

(۱) چنانچہ نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "ابوحفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کیں ہیں، دنیا کی اور قومیں اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں، جن کے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے، لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا عقود الجمان میں تین سو اُنیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃ اس سے اتفاق نہ ہو۔ انتہی۔ ص: ۴۹ و ۵۰۔

(۲) اس دلیل کی کمزوری و بے بنیادی اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے ہمعصر مثل امام مالک اور سفیان و وکیع (جو امام صاحب کے اکثر مشائخ میں باوجود امام صاحب کے شریک ہونے کے امام صاحب سے اور بہت زائد بڑے بڑے مشائخ رکھتے تھے اور جیسے امام صاحب کے بڑے بڑے نامی شاگرد بتائے جاتے ہیں، ان کے بھی ایسے ہی اور اس سے زائد ہیں) احادیث کی جس مقدار کے ساتھ ظفریاب ہوئے تم اوپر پڑھ چکے ہو یعنی ایک ہزار ---

فن روایت سے ادنی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ایک محدث کا دوسرے سے سلسلہ روایت قائم ہو جانے کے لئے اس کی تمام معلومات کا استیعاب شرط نہیں۔ کوئی شخص کسی محدث کثیر الحدیث سے اگر ایک حدیث بھی لے لے، خواہ کسی طور سے اس کا اتفاق پڑ جائے، تو اس کے ساتھ اس شخص کے سلسلۂ اخذ روایت پیدا ہو جانے کے لئے وہی کافی سمجھا جاتا ہے اور یہ شخص اس کا شاگرد (اور اس سے روایت کرنے والا) کہلائے گا۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ اس شخص کو اس محدث کی تمام احادیث مرویہ معلوم ہوگئی ہوں۔ یا مثلاً کوئی محدث کثیر الحدیث ایک شخص سے جس کے پاس چند ہی حدیثیں تھیں، کوئی ایک حدیث لے کر روایت کرنے لگے تو یہ محدث اس کا شاگرد اور اس سے روایت لینے والا کہلائے گا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جس قدر اس شاگرد روایت لینے والے کو حدیثیں معلوم ہیں، اس استاذ قلیل الحدیث کو بھی معلوم تھیں۔ اس کے علاوہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی ابتداء تحصیل کے زمانہ میں ایک معمولی استاذ سے کچھ حاصل کرتا ہے، پھر اور اساتذہ سے حاصل کر کے پہلے استاذ سے بہت زائد کامل اور ماہر فن ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اس کا ہمیشہ استاذ ہی کہلاتا ہے اور برابر وہ اس کی تعظیم و تکریم بھی استاذوں کی سی کرتا ہے حالانکہ وہ ایک معمولی ہی استاذ تھا۔ پس یہ کہنا کیسی غلطی ہے کہ یہ استاذ اگر معمولی ہوتا تو فلاں ماہر فن اس کے سامنے سر کیسے جھکاتا۔ بہر حال مجرد اس قسم کی شاگردی اور استاذی کے تعلقات سے کسی شخص کا کثیر الحدیث یا اس فن کا حدیث میں عالی پایہ ثابت کرنا ایک صریح غلطی سے خالی نہیں۔

--- حدیث یا اس سے بھی کم۔ پس ایسے بڑے بڑے اساتذہ کی شاگردی اور اتنے بڑے بڑے پایہ کے لوگوں کی استاذی کے ساتھ امام صاحب کی قلت حدیث پر جو کچھ تعجب اور استبعاد ہوتا ہے، اس سے زائد ان لوگوں کی بابت ہے۔ او رحقیقت میں واقف کار کے لئے کوئی استبعاد نہیں، استبعاد و تعجب جب ہی ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کی خصوصیت سے ناواقفی ہو اور آدمی ہر زمانے کے تاریخی واقعات کو اپنے زمانے پر قیاس کر کے رائے زنی کرے یا ظاہر بینی سے کام لینا چاہیے اور حقائق امور میں غور نہ کرے۔

قیاس مع الفارق:

اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ امام صاحب نے ان تمام اکابر رواۃ حدیث سے ان کی تمام مرویات اخذ کرلیں تھیں اور امام صاحب کثیر الحدیث تھے، تو ظاہر ہے کہ امام صاحب[1] کا زمانہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا سا زمانہ نہ تھا کہ اس وقت میں سلسلہ روایت کا رواج نہ ہوا تھا، اور نیز اس وقت تک روایت حدیث کی عموماً چنداں حاجت بھی نہ تھی[2]، جس کی وجہ سے باوجود ان کی وسیع معلومات ہونے کے ان کی روایات بکثرت مروی نہ ہوئیں، بلکہ یہ وہ وقت تھا کہ روایت کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا اور لوگوں کو احادیث کے حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو چکی تھی۔ اور جس محدث کے پاس کسی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پتہ چلتا تھا، طالب حدیث دوڑ دوڑ کر دور دور سے اس کے پاس پہنچتے تھے، اور اس سے اس کی مرویات کو حاصل کرتے اور ان کو روایت کرتے تھے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کی کثیر حدیثیں ہیں کہاں؟

علاوہ ازیں ایسے وقت میں کسی علم والے کو خود بھی جائز نہ تھا کہ وہ اپنی معلومات کا کتمان کرے۔ اور ان احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو اس کے علم میں ہے، طالبین کو اعلان کے ساتھ نہ پہنچا دے۔ تو اگر امام صاحب کثیر الحدیث تھے تو ان کی وہ تمام احادیث کیا ہوگئیں[3]۔ جب امام

---

(۱) یہ نعمانی صاحب کی اس غلطی کی طرف اشارہ ہے، جو انہوں نے امام صاحب کی قلت حدیث کو شیخین پر قیاس کر کے رفع کرنا چاہا ہے۔ دیکھو ص: ۱۳۷۔

(۲) جیسا کہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے۔

(۳) <u>مسند امام اعظم وعقود الجواہر کا حال:</u>

اس موقعہ پر جب کہ ہم امام صاحب کے علم حدیث کی بابت ایک محققانہ بحث لکھ رہے ہیں، مناسب سمجھتے ہیں کہ ان مسندوں کی بابت کچھ لکھیں جو امام صاحب کے بتائے گئے ہیں، جن کو ابو المؤید خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ میں نام ---

صاحب سے امام صاحب کی احادیث لینے والے ایسے مشہور محدث تھے، جن کی روایات سے کتب

---بتا کر ان کو یکجا جمع کر کے اس کا نام جامع المسانید رکھا جو مسند خوارزمی بلکہ مسند امام اعظم (رحمہ اللہ) کے نام سے مشہور ہے اور انہی کے حوالے سے علامہ سید محمد مرتضی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب ال إمام أبي حنيفة تالیف کی لیکن اس تنگ مقام پر ہم صرف نعمانی صاحب کی تحقیقات کا ذکر کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ نعمانی صاحب ان سب مسندوں کا نام لکھ کر تحریر فرماتے ہیں ''جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں، وہ ان میں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے، وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابوحنیفہ کا کہا جا سکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے، حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے، وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ ''طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا، جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام سندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں، ان لوگوں نے ان کو بلند کرنا چاہا، حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے، جن کو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے متحمل مضامین تھے، جن کو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا، جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے، ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ (ﷺ) کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے، جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے تھے، ان کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے۔ جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے، اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، کامل ابن عدی تصنیفات خطیب و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن نجار دیلمی میں مل سکتی ہیں مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔'' (شاہ صاحب کا کلام ختم ہوا) شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے، ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے، نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں، جو مسند امام صاحب کے زمانے سے بہت پیچھے لکھے گئے، وہ البتہ موجود ہیں۔ لیکن ان کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں، مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں، جن کو خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ انتہی (صفحہ: ۱۱۴-۱۱۷) اس تحقیقات سے ثابت ہے کہ جو امام صاحب کی مسندیں کہی ---

حدیث پرُ ہیں ۔بلکہ امام صاحب کی کثرت تلامذہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اس کثرت سے تھے کہ ان کی استاذی [1] کی حدود خلیفہ وقت کے حدود حکومت کے برابر تھے،تو ان لوگوں نے وہ ان کی تمام روایتیں کیوں نہیں روایت کیں ۔اور وہ احادیث اہل علم میں کیوں نہ مشہور ہوئیں اور پھیلیں ۔اور وہ تمام احادیث انہیں محدثین کی جو امام صاحب کے شیوخ بتائے جاتے ہیں ۔جیسا کہ بتوسط امام صاحب کے اور ہمعصر محدثین کے ان تمام کتاب احادیث میں مذکور ہیں،اگر امام صاحب بھی ان کے راوی تھے،تو وہ امام صاحب کے بھی سلسلہ سند سے کیوں نہیں مذکور ہوئیں ۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) اور تعداد احادیث تحلیل وتجزیہ:

ان سب کے علاوہ اگر امام صاحب کثیر الحدیث ہوتے تو ضرور سب سے پہلے ان کے بااخلاص شاگرد جو ان کی اعلاء منزلت اور اظہار علو شان میں بڑی گرمجوشی کے ساتھ کوشاں تھے،اس کا اعلان کرتے اور ان کی روایت کثیرہ کو پھیلاتے [2] اور شہرت دیتے ۔حالانکہ ان لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انہوں نے جس قدر راوروں سے روایتیں کیں،ان سے نہ کیں اور جو ان سے روایت کیں،وہ کثرت کا مصداق نہیں بلکہ وہ بہت کم ہیں ۔چنانچہ وہی علماء جو امام صاحب کی بابت قلت حدیث

--- جاتی ہیں اور جو احادیث ان میں مذکور ہیں،ان کا راوی امام صاحب کو بنایا جاتا ہے ۔اس بات کا کوئی کافی ثبوت نہیں..

....اور نیز عقود الجواہر میں جو احادیث ذکر کرکے امام صاحب کو ان کا راوی قرار دیا ہے،گو وہ احادیث فی نفسہا ثابت ہوں،اس لئے کہ وہ دوسرے محدثین کی روایت سے ثابت ہیں، جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں ذکر کیا ہے مگر اس بات کی کوئی سند نہیں کہ امام صاحب ہی ان کے راوی ہیں،کیونکہ امام صاحب کا ان احادیث کو روایت کرنا صرف انہیں مسندوں کے اعتماد پر بتایا گیا ہے جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں اور نیز آخر میں ذکر کر دیا اور یہ مسندیں جن کے اعتماد پر امام صاحب کو راوی ٹھہرایا وہ خود ہی درجہ اعتماد کا عند التحقیق نہیں رکھتیں ۔

(۱) دیکھو: سیرۃ النعمان،ص:۵۶ ۔

(۲) یہ وہ دلیل ہے،جس کو نعمانی صاحب نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ امام صاحب نے کسی صحابہ سے---

کے بعض اقوال کی بڑے زور سے مخالفت کرتے ہیں، وہ بھی امام صاحب کی کثرت احادیث کو ثابت کرنے کے لئے (گویا مبالغہ کے ساتھ) جب انہیں کتابوں کے پتہ سے جو ان کی روایات کا مرکز اور مخزن ہیں اور جو ان کے انہیں ارشد تلامذہ اور مخلص شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد کی تالیف ہیں۔ ذکر کرتے ہیں، تو بس سو ۱۰۰، دو سو ۲۰۰ روایتیں یا اس سے کسی[(۱)] قدر زائد بتاتے ہیں، کچھ شبہ نہیں کہ ان کے خاص شاگردوں کا ان سے اس قلت کے ساتھ احادیث کا ذکر کرنا خصوصاً ایسی تالیفات میں جو حدیث کی کتابیں ہوں، اس تقدیر کہ وہ کثیر الحدیث تھے، بڑا ہی قابل تعجب امر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس بات کے یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ امام صاحب کثیر الحدیث تھے۔ لیکن اس سے ان کی عظمت شان میں جب کہ ان میں دیگر علمی و عملی بے شمار فضائل جمع تھے، نقصان نہیں آتا۔

---کوئی روایت نہیں لی پیش کی ہے، چنانچہ ص: ۲۴ میں لکھتے ہیں ''صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے، لیکن قاضی ابو یوسف۔ امام محمد۔ حافظ عبدالرزاق بن ہمام۔ عبداللہ بن مبارک۔ ابو نعیم۔ مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم وغیرہ سے کہ امام مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے ان کی ناموری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔'' انتہیٰ۔ یہ دلیل نعمانی صاحب کے سوا اور لوگ بھی بیان کرتے ہیں، دیکھو: رد المختار حاشیہ در مختار یہ دلیل اس مطلوب کے لئے دلیل ہو سکتی ہے، تو وہ ہمارے مطلوب کے لئے یہی دلیل ہے۔

(۱) چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب مقدمہ عمدة الرعایہ میں سترہ حدیث والے قول کے رد میں لکھتے ہیں: **لأن من نظر تصانيف تلامذة الإمام الذين أسندوا الروايات فيها إلى أستاذهم وأسندوها إلى رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) بإسنادهم كموطا لإمام محمد و كتاب الحجج له و كتاب الآثار و السير الكبير له و كتاب الخراج للإمام أبي يوسف و غير ذلك وجد فيها روايات الإمام أزيد من مائة بل مائتين فما معنى كون رواياته سبعة عشر فقط۔ انتهى۔** ص: ۳۶۔ اور نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ''ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ موطا امام محمد کتاب الآثار، کتاب الحج جو عام طور پر متداول ہیں، ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں۔'' انتہیٰ۔ ص: ۱۵۷۔

علامہ ابن خلدون نے امام صاحب کی تعداد احادیث کی بابت ایک قول لکھا ہے کہ ان کی روایات سترہ حدیث تک تھیں۔ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم نے جس موقع پر اس قول کا رد کیا ہے، وہیں [۱] امام صاحب کی **تعداد روایات** کی بابت پانچ قول نقل کئے ہیں۔ ایک [۲] یہ کہ ان کی کل روایات پانچ سو/ ۵۰۰ ہیں۔ دوسرا قول سات سو/ ۷۰۰ ہیں۔ تیسرا قول ایک ہزار اور کئی حدیث ہیں۔ چوتھا ایک ہزار سات سو ہیں۔ پانچواں چھ سو چھیاسٹھ ہیں"۔ افسوس ہمارے پاس اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہیں، جس سے ہم تحقیق کر سکیں کہ ان میں کون سا قول زیادہ قرین صواب ہے۔ تاہم دو معتبر شہادتیں ایک امام (رحمہ اللہ) کی جس میں انہوں نے امام مالک سے جن کی تعداد احادیث قریب ایک ہزار ہے۔ امام صاحب کو حدیث میں کم بتایا ہے۔ دوسری وہ جس کو شاہ صاحب نے امام ابو داوٗد سے نقل کیا، جس میں انہوں نے امام صاحب کے ہم عصر سفیان و وکیع کا (جن کا امام کی بہ نسبت کثیر الحدیث ہونا ایک ظاہر امر ہے) باوجود تمام تر کوشش کے ایک ہزار حدیث سے کم ہی پر دسترس پانا ذکر کیا ہے، (جن کو پہلے ذکر کر چکے ہیں) اس فیصلے پر مجبور کرتے ہیں کہ ہزار سے کم ہی والے قولوں میں سے کوئی قول صحیح ہے نہ ہزار سے زائد والا قول۔ اور ان شہادتوں کے سوا اور وجوہ واسباب جو ہم ذکر کر چکے یا جو آگے کرنے والے ہیں، وہ بھی اسی کے قرینہ ہیں [۳]۔ پس بہ حسب ظن غالب محقق یہی ہے کہ امام اعظم صاحب کی کل احادیث کی تعداد جو ان کے علم و روایت میں تھیں۔

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زائد مقدار بتانے والا کوئی قول نہیں ملا۔

(۲) عبارت یہ ہے: ذكر الزرقاني شارح المواهب اللدنية وللمؤطا وغيره في عدد رواية أقواه أحدها أن رواياته خمس مائة وثانيها سبع مائة وثالثها بضع وألف ورابعها سبع مائة وألف وخامسها ست وستون وست مائة۔ انتهى۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ، ص: ۳۵)۔

(۳) اس سب کے علاوہ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ان کے ہمعصر امام مالک کو تقریبا نو سو شیوخ میں ہزار حدیث پر دسترس ہوئی اور امام صاحب کے شیوخ تو تین سو بھی ثبوت کو نہیں پہنچے۔ نعمانی صاحب نے تمام کوشش صرف کر کے تقریباً اسی/ ۸۰ شمار کرائے ہیں، اس نسبت سے انداز ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی احادیث کا کیا مقدار ہونا چاہئے۔

ایک ہزار سے کم ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ خود علماء حنفیہ لکھتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے تعلق احکام کا ہے، ان کی مقدار تین ہزار(۱) ہے۔ پس اس حساب سے بین طور پر ثابت ہوا کہ حنفیہ ہی کی مقدار مسلمہ کے موافق امام سے احکام ہی کی احادیث میں سے دو تہائی سے زائد رہ گئی تھیں اور ایک تہائی سے کم ان کو ملی تھیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم تسلیم کرلیں کہ وہ کل احادیث جو امام صاحب کو ملیں احکام ہی کی تھیں۔ ان میں کوئی سیر، ترغیب وترہیب، تفسیر کی حدیثوں میں سے نہ تھی۔ حالانکہ عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کرتی کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے سامنے جب کوئی استاذ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حالات کے متعلق ان کے غزوات، ان کے اسفار وغیرہ کی کیفیت کے بیان میں کوئی حدیث یا قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق، اُس کے شان نزول، اس کے معنی ومطلب کی بابت کوئی حدیث یا کسی اچھے کام کی فضیلت، کس برے کام کی مذمت، ثواب وعقاب امور آخرت، دوزخ، جنت وغیرہ وغیرہ کی نسبت کوئی حدیث بیان کرتا ہو تو وہ اس کو رد کردیتے ہوں اور اس کو لینا نہ چاہتے ہوں، اور اس کو اپنے خزانہ معلومات میں جگہ دینا پسند نہ کرتے ہوں، یا اگر معلوم ہو تو اس کو کسی کے سامنے بیان کرنے اور اس کی تبلیغ کو ناجائز یا ناپسند رکھتے ہوں۔ ہرگز نہیں۔ لہذا ضرور ہے کہ جو تعداد احادیث کی مذکور ہوئی، اس میں احکام کے سوا اس قسم کی بھی ضرور احادیث تھیں۔ پس احکام کی احادیث اور بھی گھٹ گئیں۔

ابھی ایک بات اور باقی ہے، یہ معلوم نہیں کہ وہ تمام احادیث جو امام صاحب (رحمہ اللہ) کو پہنچی تھیں، وہ کل کی کل بسند صحیح ومتصل تھیں، یا ان میں ضعیف، منقطع ومرسل بھی تھیں۔ ہم تو ان

(۱) چنانچہ بحوالہ نور الانوار اوپر لکھ چکے ہیں۔

شاگردوں [1] کی کتابوں میں جو امام صاحب کی احادیث دیکھتے ہیں تو بہت سی معلق و منقطع و مرسل بھی پاتے ہیں۔ اور نیز ایسی بھی پاتے ہیں جو ضعیف و مجروح راویوں سے امام صاحب (رحمہ اللہ) کو پہنچیں۔ ایک مشکل یہ ہوئی کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے زمانے میں لوگ مرسل حدیث کو صحیح و معتبر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) اور سفیان ثوری (رحمہ اللہ) کا عمل درآمد بھی تھا کہ وہ مرسل حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اس وجہ سے امام صاحب نے بے دھڑک مرسل حدیثیں لے کر ان پر اعتماد کرلیا۔ لیکن بعد کے زمانے میں تجربہ سے ثابت ہوا کہ مرسل قابل اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ہم آگے ان شاء اللہ العزیز مفصل بیان کریں گے۔ پس کل وہ احادیث جو امام صاحب نے (معتبر سمجھ کر) مرسل کی تھیں خارج ہوگئیں۔ اور مرسل ہی کی طرح منقطع کے ساتھ بھی ہوا۔ چنانچہ آگے آتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان سب باتوں کے اعتبار کے بعد امام صاحب کے احکام کی صحیح صحیح احادیث قلت کی کس حد تک پہنچیں گی اور وہ احادیث احکام کی کس کثرت سے نکلیں گی جو ان کو نہیں پہنچیں۔

افسوس ناک طرز عمل:

افسوس صد افسوس کہ اس پر بھی مقلدین حنفیہ جب کبھی ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث جس کو نہ پانے کے سبب سے ان کے امام نے اجتہاد کیا اور اتفاق سے اجتہاد خلاف پڑ گیا، پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو کسی طرح ماننا نہیں چاہتے اور وہ یہ بھی خیال کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے امام نے بھی ضرور یہ حدیث دیکھی ہوگی اور اس میں کوئی نہ کوئی خلل پایا، لہذا یہ حدیث عمل کے قابل نہیں، اور گویا ان کو اس سے انکار ہے کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کو کوئی حدیث نہ پہنچی ہو۔ یا ان کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو سکے۔ کاش یہ لوگ مذکور الصدر تحقیقات کو بگوش ہوش سنتے۔

---

(۱) دیکھو کتاب الآثار اور کتاب الحجج امام محمد صاحب وغیرہما۔

ہماری مجبوری:

لیکن بعض تو باوجود دعویٰ تحقیق کے صریح اس سے انکار کرتے ہیں (۱) اور وہ امام صاحب

---

(۱) **امام صاحب کی قلت حدیث از اقوال حنفیہ:**

چنانچہ نعمانی صاحب فرماتے ہیں: ''یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں کم مایہ تھے'' ص: ۱۳۴ اور فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں۔ لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے۔ انتہیٰ۔ (ص: ۲۶۲) ہم کو نعمانی صاحب کے باوجود دعویٰ اجتہاد وتاریخ دانی وتحقیق کے اس سخت تعصب پر سخت تعجب ہے، ایک ایسی قطعی وصریح بات کا انکار کر دیا، جس میں آج تک کسی مورخ یا محقق عالم نے شک نہیں کیا، امام صاحب کا بسبب احادیث مدون نہ ہونے کے بہت سی احادیث کو نہ پانا ایک ایسی مسلم بات ہے جس کی برابر محقق واکابر علماء تصریح کرتے چلے آئے ہیں، مگر نعمانی صاحب کی غیرت تھی کہ انہوں نے ایسی صریح بات سے انکار کر دیا خود حنفیہ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ امام صاحب کو کل حدیثیں نہیں پہنچیں۔ چنانچہ فتح المبین کا قول جس پر اکثر مشاہیر حنفیہ کی مہریں ہیں، ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور امام صاحب کے قلت حدیث کی بابت تو ہم نے کتنے محققین کے اقوال اس رسالہ میں نقل کئے یہ سب لوگ اس بات کی گویا شہادت دیتے ہیں کہ امام صاحب سے بہت حدیث چھوٹ گئیں۔ کیونکہ جب اقرار ہے کہ وہ قلیل الحدیث تھے، تو ظاہر ہے کہ بڑا حصہ حدیث کا ان سے رہ گیا۔ ان کی قلت حدیث سے تو کسی دیدہ ور کو انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء برابر ان کے تذکرے میں ان کی حدیث میں دخل ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں لگاتے ہیں اور بالائی باتوں سے اس کے ثابت کرنے میں سعی کرتے ہیں، کوئی شیوخ کے عدد کثیر بتا کر کہتے ہیں، دیکھو جس کے اتنے شیوخ ہوں گے اس کا حدیث میں کیا پایہ ہوگا کوئی کسی محدث کے تذکرہ محدثین میں ان کا ترجمہ ذکر کر دینے سے استدلال کرتا ہے۔ کوئی ان کا مذہب محدثین میں رداً وقبولاً مبحوث ہونے سے حجت لاتا ہے۔ کوئی مجتہد ہونے سے محدث ہونا ثابت کرتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ دلائل فی نفسہا کیسے ہیں۔ اس قسم کے دلائل پیش کرنے سے خود ظاہر ہے کہ ان کا تبحر حدیث میں ایسا ظاہر نہیں ہے جس کے لئے ایسے بالائی دلائل پیش کرنے ضرورت نہ ہو۔ دوسرے خود فقہاء امام صاحب کے قلت حدیث کی طرح طرح سے عذر پیش کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ فقہ کے شغل کی وجہ سے قلیل الروایات رہے۔ کوئی شروط میں تشدد کا عذر بیان کرتا ہے۔ کوئی انتشار احادیث کو سبب بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے درایت کے ساتھ تھوڑے ہی روایت ہوں تو بہتر ہوں کثرت روایت بلا درایت سے۔ ان اعذار سے ہم کو بحث نہیں لیکن ان تمام اعذار کے پیش کرنے سے ثابت ہے کہ سب کو مسلم ہے کہ وہ قلیل الحدیث اور قلیل الروایت تھے۔ مگر نعمانی صاحب کی حمیت نے ان باتوں کی ذرا پروانہ کی۔ ----

---نعمانی صاحب کے دلائل اوران کا مفصل جواب:

شبلی نعمانی اس کے بعد اپنے دعوی کا ثبوت جو پیش کرتے وہ یہ ہے کہ" امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہ ہوئیں ۔لیکن جب جمع ہوچکیں اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو یوں صحیح تسلیم کرتے رہے، وکیع بن الجراح جن کی روایتیں بخاری میں بکثرت موجود ہیں ۔وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے ۔خطیب بغدادی نے ان کے حال میں لکھا ہے: کان یفتي بقول أبي حنیفة۔ یحیی بن سعید القطان جوفن جرح تعدیل کے موجد ہیں ۔اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے، خود ان کا قول ہے: قد أخذنا بأكثر أقواله۔ امام طحاوی نے جو حافظ الحدیث تھے، امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے، میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ ان سے مجھ کو توارد ہے، طحاوی امام بخاری ومسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہوگیا تھا، متاخرین میں علامہ ماردینی، حافظ زیلعی، ابن الہمام، قاسم بن قطلو بغاوغیرہ کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کرسکتا ہے، یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں ۔اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابوحنیفہ سے یوں موافق ہیں ۔طبقہ اولی میں سب سے بڑے محدث امام احمد بن حنبل ہیں ۔امام احمد بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں ۔سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے، ان کے مسائل عموماً ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں ۔" انتہیٰ ۔ملخصاً ۔مگر یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ امام صاحب کے جملہ مسائل، اول سے آخر تک سب ہی حدیث کے خلاف ہیں، اور کوئی ان میں سے صحیح نہیں ۔بلکہ کچھ شک نہیں کہ ان کے بھی مسائل بکثرت صحیح ہیں ۔خواہ اس وجہ سے کہ امام صاحب نے ان کو نص صریح سے فرمایا۔ یا یہ کہ قیاس واجتہاد سے فرمایا تھا، مگر وہ قیاس واستنباط صحیح تھا۔ اس کے خلاف میں کوئی حدیث رسول ثابت نہیں ہوئی، تو اس قسم کے مسائل میں مگر کسی محدث نے ان کی موافقت کی یا ان کے قول پر فتوی دیا یا ان کے قول کو لیا تو کوئی تعجب نہیں لیکن اس سے ان کے تمام مسائل کا حدیث کے مطابق ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ عام دستور رہا ہے کہ متاخر علماء متقدم مشاہیر علماء کے اقوال ومذاہب کو موقعوں پر پیش کرتے اور بطور موید لانے کے ان سے سند پکڑتے رہے ہیں اور چونکہ امام صاحب اپنے وقت کے مشہور علماء میں سے تھے اور وکیع ابن الجراح اور یحیی بن سعید کے طبقہ سے متقدم تھے، لہذا انہوں نے ان کے قول ومذہب کو لیا اور اس پر فتوی دیا، خصوصاً جب کہ ان کو امام صاحب سے کچھ علاقہ تلمذ کا بھی تھا، لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق تھا اور انہوں نے ان کا ایک ایک مسئلہ حدیث سے پڑتالا تھا اور سب کو حدیث کے موافق پایا اور ان کو امام صاحب کے کسی مسئلہ سے خلاف نہ تھا سب سے بڑے امام صاحب کے مذہب کے حامی اور ان کے اقوال کے دلدادہ تو امام ابو یوسف اور امام محمد تھے، جب انہیں نے امام صاحب کا دو تہائی مذہب میں خلاف کیا تو بیچارے وکیع بن الجراح اور یحیی بن سعید کہاں تک امام صاحب کی موافقت کرسکتے تھے مگر چونکہ محدثین کا امام صاحب کے اقوال سے استناد کرنا باوجودیکہ امام صاحب ایک دوسرے فریق (اہل الرائے) کے ساتھ شہرت رکھتے تھے، تعجب خیز امر تھا، اس لئے وہ خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اور یحیی بن سعید کے قول کا منشا بھی غالباً یہی ہے کہ گو وہ اہل الرائے ہیں، مگر یہ نہ سمجھو کہ ان کے---

---کل اقوال غیر معتبر ہیں ۔نہیں ۔بلکہ ہم نے ان کے اکثر اقوال لئے ہیں ۔اور کوئی شبہ نہیں کہ امام ابو یوسف اور دو امام محمد صاحب کے مذہب و اقوال اور ان کے دلائل اور ان کے وجوہ استدلال کے ساتھ سب سے زیادہ واقف اور امام صاحب کے پورے ہمراز تھے ۔اگر امام صاحب کے تمام اقوال قرآن وحدیث سے ثابت کے موافق ہوتے اور ذرا بھی خلاف نہ ہوتے تو کبھی وہ امام صاحب کا خلاف نہ کرتے، ان کا اس کثرت سے مخالفت کرنا صریح دلیل ہے کہ امام صاحب کے اقوال ومذہب کا بڑا حصہ وہ ہے، جو صریح قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ۔اور اگر کسی کی موافقت ومخالفت بھی کسی کے مذہب کے حق دریافت کرنے کا معیار ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کتنے محدثین نے جو نہ صرف فن حدیث کے امام تھے، بلکہ فقاہت واجتہاد میں بھی نہایت رفیع پایہ رکھتے تھے، امام صاحب کی موافقت کی اور کتنوں نے مخالفت کی اور کس قدر مسائل میں مخالفت کی ۔افسوس کہ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر مخالف فریق ومخالف حصہ کا ذکر کرنا چاہیں، تو صرف نام ہی شمار کرانا مشکل ہوگا اور موافق فریق اگر نکلیں گے تو مشکل سے محدودے چند اشخاص مل سکیں گے ۔اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ وکیع یا کسی اور محدث نے امام صاحب کے تمام مذہب کی اجمالاً تصویب کردی، لیکن ایک ایک مسئلہ پر کوئی حدیث پیش کر کے نہیں دکھائی تو یہ بات اس شخص کے لئے جس کے سامنے امام صاحب کے کسی مسئلے کے خلاف کوئی صریح وصحیح حدیث رسول موجود ہو اور اس کا نسخ بھی نہ ثابت ہو کسی طرح قابل حجت نہیں ہوسکتی، چنانچہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے، جس کی شرح افسوس کے ساتھ ہم تنگی مقام کی وجہ سے چھوڑتے ہیں، حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ وکیع ویحیی بن سعید نے امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق رائے کیا۔ اور امام طحاوی نے بھی تمام مسائل میں امام صاحب کی موافقت نہیں کی ۔ باوجودیکہ ان کے مزاج میں امام صاحب کے مذہب کی ایک خاص طرفداری وحمایت بھی تھی جیسا کہ خود حنفیہ لکھتے ہیں تاہم ان کو بہت جگہ امام صاحب کے خلاف کرنا پڑا ۔ چنانچہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی التعلیقات السنیۃ میں فرماتے ہیں: **قد خالف صاحب المذهب في كثير من الأصول والفروع من طالع شرح معاني الآثار وغيره يجده يختار خلاف ما اختاره صاحب المذهب كثيرا إذا كان ما يدل عليه قويا۔ انتهى**۔ یعنی طحاوی امام صاحب کے بارے میں بہت سے اصول وفروع میں خلاف کیا، جو شرح معانی الآثار وغیرہ دیکھے گا، وہ پائے گا کہ وہ بکثرت امام صاحب کے خلاف اختیار کرتے ہیں، جب خلاف کی دلیل قوی ہوتی ہے ۔اور فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں: **سلک مسلک الإنصاف إلا في بعض المواضع قد عزل النظر فيها عن التحقيق وسلک مسلک الجدل والخلاف الغير الأنيق۔ انتهى**۔ یعنی ''امام طحاوی (امام صاحب کے مسائل کے متعلق فیصلے میں) طریقہ انصاف کا چلے، مگر بعض مواضع میں (ایسا نہیں کیا بلکہ امام صاحب کے مسائل کی حمایت میں نا انصافی اختیار کی اور) نظر کو تحقیق سے علیحدہ رکھا اور طریقہ جدال اور نامناسب خلاف کا چلے'' ۔اس تمام بیان سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی کو امام صاحب کے مذہب کی حمایت مدنظر تھی تاہم انہوں نے مجبوراً بہت جگہ خلاف کیا۔ اس کے علاوہ امام طحاوی حدیث میں پوری بصیرت بھی نہ رکھتے تھے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: **ليست عادته نقد الحديث كنقد أهل العلم وإنما رجح ما رجحه منها في الغالب من جهة القياس الذي رآه حجة ويكون أكثره---**

---مجروحاً من جهة الإسناد ولا يثبت فإن لم يكن له معرفة بالإسناد كمعرفة أهل العلم به وإن كان كثير الحديث فقيها عالماً۔ انتهى۔ (منهاج السنة، ص: ۱۹۴، ج: ۴) یعنی ''ان کی عادت حدیث پرکھنے میں اہل العلم کی طرح نہ تھی بلکہ اکثر قیاس کی رو سے جس کو وہ حجت سمجھتے تھے ترجیح دیتے تھے حالانکہ اکثر اس میں کا اسناد کی رو سے مجروح وغیر ثابت ہوتا تھا، کیونکہ اہل العلم کی طرح اسناد حدیث میں ان کو بصیرت نہ تھی، گو وہ کثیر الحدیث اور فقہ وعالم تھے''۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب فوائد بہیہ میں اس قول کو نقل فرما کر گو کسی قدر اس میں مبالغہ بتاتے ہیں تاہم اصل بات انہیں بھی تسلیم ہے امام بیہقی نے بھی امام طحاوی کے متعلق اس کے قریب قریب لکھا ہے۔ ابن الہمام اور زیلعی کی بابت جو لکھا تو انہوں نے بھی بکثرت امام صاحب کا خلاف کیا، جس کے متعلق ہم ان شاء اللہ کچھ آگے بھی لکھیں گے۔ اور امام احمد صاحب وغیرہ کا جو امام صاحب سے کچھ مسائل میں موافقت کرنا بیان کیا، تو امام صاحب کے کل مسائل کو خلاف حدیث کون کہتا ہے۔

نعمانی صاحب کی ایک اور غلطی:

پھر نعمانی صاحب اپنے فرط حمایت کی وجہ سے محققین کو کوتاہ نظر بتا کر امام مالک اور امام شافعی کے بھی مسائل کا خلاف حدیث ہونا لکھ کر (جن کو ہم بھی معلوم نہیں کہتے) لکھتے ہیں، ''لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور ان کی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے، جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو''۔ انتہیٰ۔ نعمانیؔ صاحب خوب سمجھتے تھے کہ بغیر کسی اور بات کے پیدا کئے ہوئے اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس سے امام صاحب کے مذہب کی پوری حمایت اور ان سے رفع الزام (حالانکہ اصل میں امام صاحب کے ذمہ کوئی الزام نہیں جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں) ممکن نہیں، اس وجہ سے یہ بات بنائی۔ حالانکہ یہ وہیں بن سکتا ہے کہ اس حدیث کی تصحیح وتضعیف میں اختلاف کا موقع ہو اور وہ حدیث ہر دو مجتہد کو پہنچی ہو۔ ورنہ ہر جگہ ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے، جس کے غلط ثابت کرنے کے لئے ہماری یہ تمام مدلل تحقیقات جو ذکر کی کافی ہے، اور خود ظاہر ہے کہ اگر ہر امام کو سب حدیثیں پہنچ گئیں ہوتیں اور ہر ایک کو وہی حدیث صحیح معلوم ہوتی، جو اس کا مذہب ہے تو وہ یہ کیوں فرماتے ہیں کہ جب تم کو ہمارے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ اس کے بعد نعمانی صاحب نے اپنی خوش فہمی سے امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے، جو اگر خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہم کبھی یقین نہ کرتے کہ نعمانی صاحب باوجود ایسے دعووں کے امام بخاری پر ایسے بے اصل اعتراض کریں گے جس کا جواب غالباً حسن البیان میں دیا گیا ہے، اس وجہ سے ہم لکھنا ضروری نہیں سمجھتے،...... ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ نعمانی صاحب کو سیرۃ النعمان میں جس قدر سقطات پیش آئے ہیں، ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے، ان کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ اور حسن البیان میں جس قدر ان کی لغزشوں سے تعرض کیا گیا وہ بہت کم ہیں، ان سے جن سے اغماض کیا گیا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدي السبیل۔

ہیں تاکہ مذکورہ بالا خیال کو قوت دیں اور رسول (ﷺ) کی احادیث صحیحہ وصریحہ کو رد کریں۔ ان کی انہیں باتوں [1] نے ہم کو مجبور کیا کہ ہم اس بحث کو کسی قدر شرح کے ساتھ لکھیں، ورنہ ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہم خود بھی اس بحث کو بڑی کراہت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ کہاں **امام اعظم صاحب** (رحمہ اللہ) اور کہاں ہمارا منہ جو ہم ان کی حدیث دانی پر نکتہ چینی کی صورت پیدا کریں۔ تاہم بہ فضل اللہ تعالیٰ جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں کوئی بات نفس الأمر کے خلاف نہیں لکھی۔ بایں ہمہ اگر ہم کو یہ مجبوری نہ ہوتی تو ہم کسی طرح پسند نہیں کرتے کہ ہم یا کوئی اور اس قسم کے تذکرے ان **ائمہ عظام** [2] کی بابت کیا کرے۔ اس واسطے کہ یہ کسی طرح لائق نہیں کہ ایک شخص جس میں سینکڑوں کمال ہوں، اگر اس میں کسی

---

(۱) اور فتح مبین میں لکھتے ہیں ''اور یہ باتیں کہ امام صاحب وغیرہ کو بہت سی حدیثیں نہیں پہنچیں، متعصبین کی محض نفسانیت اور خانہ ساز ہیں کوئی حجت ان پر نہیں۔ انتہیٰ ص: ۱۲۔ اور ص: ۴۴ میں لکھتے ہیں کوئی اس دعوی کو بھی نہیں ثابت کرسکتا کہ امام صاحب کو اس قدر حدیثیں نہیں پہنچیں جس قدر امام بخاری کو پہنچیں تھیں۔''

(۲) **<u>مولوی رشید احمد صاحب کی امام بخاری کے بارے میں تلخ کلامی:</u>**

جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی امام المحدثین امام بخاری کو (جن کے منجملہ سینکڑوں مناقب کے ایک منقبت یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے اندر انہی کی کتاب کا مرتبہ ہے۔) متعصب بغرض تائید اپنے مذہب کے حدیثوں کی تصحیح وتضعیف کرنے والا۔ اور اپنے مطلب کے لئے ثابت حدیثوں سے انکار کردینے والا لکھتے ہیں (دیکھو: ہدایت المعتدی، ص: ۳۳، ۳۴) لفظ یہ ہیں ''اسی واسطے باقتضاء تعصب مذہبی امام بخاری کو ہرگاہ کہ اس فقرے میں گنجائش طعن نہ ملی، تو جزء قرأت میں لکھتے ہیں معلوم نہیں، اس فقرے کو سلیمان تیمی نے قتادہ سے سنا یا نہیں سخت تعجب ہے کہ سلیمان تیمی نہ مدلس الخ پھر بھی امام بخاری بسبب معنعن ہونے کے سماعِ سلیمان میں شک فرمادیں۔ معاذ اللہ اگر یہی شک ہے تو صحیح بخاری کی صدہا روایتوں کا آدمی انکار کرسکتا ہے لا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔ اور جیسا کہ امام بخاری اس زیادہ سلیمان میں بسبب اپنی تائید کے مذہب کے عدم سماع سلیمان تیمی لکھتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہے جو کہ زیادہ معمر لفظ فصاعدا کی نسبت انکار کیا ہے۔ بس ایسے تو ہمات خلاف اپنے قواعد مسلمہ کے خلاف ائمہ حدیث کے کس طرح معتبر اور ملتفت الیہ ہوسکتے ہیں۔'' انتہیٰ۔ ہم کو اپنے ہم عصر پر بڑا افسوس ہے کہ ان کو ایسے عالی منزلت شخص کی بابت جن کا طبقہ صحابہ کے بعد دنیائے اسلام میں کوئی نظیر نہیں، ایسے سخت الفاظ استعمال کرتے ذرا باک نہ ہوئی کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عیب ہے کہ آدمی حدیث رسول کی تنقید کے وقت جس پر بنائے اسلام ہے، خود غرضی کو کام میں لائے یہ بہت بڑا الزام ہے جو انہوں نے امام بخاری پر تھوپ دیا ہمارے ہمعصر کو---

ایک وصف کی خامی ہو تو ہم اس کی اس خامی کے پیچھے پڑ جائیں اور اس کے تمام کمالات کو گویا خیال نہ رکھیں، نہیں بلکہ چاہئے تو یہ ہے کہ اس کے اور تمام کمالات کے لحاظ کی وجہ سے اس کی اس خامی سے چشم پوشی کر کے اس کو بہمہ صفات موصوفین میں شمار کرنے لگیں۔

”تذکرۃ الحفاظ“ اور تذکرہ امام صاحب:

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کو تذکرۃ الحفاظ میں داخل کرلیا۔ لیکن افسوس کہ بعض لوگ اس نکتہ کو نہ سمجھے اور وہ یہ لے دوڑے کہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور ان کے کثیر الحدیث ہونے کا اعتراف کیا۔ حالانکہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے جو کچھ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے ترجمہ میں ذکر کیا، وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ان کے تمام مناقب و اوصاف بیان کئے، لیکن ان کے کثیر الحدیث ہونے کا نام بھی نہ لیا۔ (بلکہ ان کی قلت حدیث کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ علمی منقبتوں میں سے صرف افقہ ہونا ذکر کیا، اور حدیث میں سفیان کو ان سے احفظ بتایا)۔ حالانکہ سب سے بڑی بات بیان کے لائق یہی

---اس کا خیال نہ رہا، جو پہلے محدثین مقبولین پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج کر چکے ہیں۔ اس سے تم کو اس بات کی کسی قدر تصدیق ہو سکتی ہے، جو ہم بار بار لکھ آئے ہیں کہ ان کی یہ چکنی چپڑی باتیں صرف حد قول تک محدود ہیں اور محض اس مجبوری کو جو ہم پہلے بتا چکے نہ عملاً ورنہ اگر ہم تھوڑی دیر کو تسلیم بھی کرلیں کہ امام بخاری صاحب سے اس تنقید میں غلطی ہوگئی تو کیا یہ بھی ضرور تھا کہ ہمارے ہمعصر ان کے حق میں اس دریدہ دہنی کو بھی کام فرمائیں گے، مگر ہم نے جہاں تک اپنے ہم عصر کے رسائل دیکھے ہم کو ثابت ہوا کہ ان کو اپنی تقلید کے جوش تعصب میں اہل حدیث کے ساتھ زبان درازی کرنے کا خاص شیوہ ہے، جن میں سے بعض الفاظ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں، دیکھو: حاشیہ، ص: ۲۷۔ ان کے سوا بہت سے اور عوام و خواص کی بھی اکثر یہی حالت ہے۔ اہل حدیث کو رافضیوں خارجیوں کی طرح اہل سنت سے خارج گمراہ، فاسق، ضال، مضل، بے دین، ملحد، بے ایمان، وغیرہ کہنا تو کوئی بات ہی نہیں۔ دیکھو: رسالہ جامع الشواہد اور بعض تقریظات فتح مبین جواب ظفر مبین مشہور وغیرہ مشہور مولویوں نے کیسے کیسے ڈھونڈ ڈھونڈ کے (بغیر تحقیق کئے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور پھر بھی آپ پاک کے پاک۔ اور اہل حدیث بیچاروں پر بدگوئی کا الزام خیر...... لنا أعمالنا و لکم أعمالکم۔

تھی۔ خصوصاً جب کہ قدیم [1] سے ان کی نسبت خیال قلت کا پھیلا ہوا تھا اور عام طور پر ان کی بابت قلیل الحدیث ہونے کا گمان کیا جاتا تھا۔ پس امام ذہبی (رحمہ اللہ) کے نزدیک اگر وہ کثیر الحدیث تھے تو صاف طور پر امام ذہبی کو اس عام بدظنی اور غلط خیالی کا رفع کرنا اور صراحت کے ساتھ اس کا رد کرنا ضرور تھا۔ بہر حال امام صاحب (رحمہ اللہ) کو امام ذہبی (رحمہ اللہ) کے مجرد تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کرنے سے یا کسی اور قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے سے امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے پر استدلال صحیح نہیں کیا۔ جس قلیل الحدیث کو انہوں نے تذکرہ میں نہیں ذکر کیا اس میں اسی قدر اوصاف تھے، جتنے امام صاحب میں تھے؟ اور کیا وہ اسی مرتبہ کا شخص تھا جس مرتبہ کے امام اعظم صاحب تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے اور امام صاحب کے ذکر کرنے سے امام صاحب کا کثیر الحدیث ثابت کرنا کیسا بیجا ہے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کے قلیل الحدیث ہونے کی چوتھی اور پانچویں وجہ:

چوتھی وجہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے قلیل الحدیث ہونے کی وہ وجہ ہے جو کہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں اور فقہائے حنفیہ وغیرہم کے کلام سے بھی اس کی تصدیق و تسلیم ثابت ہوتی ہے کہ امام ''ابوحنیفہ [2] کی روایت اس وجہ سے کم ہوئی کہ انہوں نے حدیث کی روایت اور تحمل کے شروط سخت مقرر کئے اور وہ

---

(۱) چنانچہ امام محمد اور ابن مبارک اور ابن داؤد کا قول پہلے پڑھ چکے ہو۔ اور امام احمد صاحب کا مقولہ ہے: هؤلاء أصحاب أبي حنيفة ليس لهم بصر بشيء من الحديث ما هو إلا الجرأة۔ أخرجه محمد بن نصر المروزي في قيام الليل۔ یعنی (دیکھو) یہ ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں، ان کو حدیث میں ذرا بھی بصیرت نہیں، پس جرأت ہی جرأت ہے۔ انتہیٰ اور دیکھو: مسند خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ اور نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ یہ خیال پہلے سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں یہ (امام صاحب کی قلت روایت کا) خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ اگلے زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہ رائے تھی۔ انتہیٰ۔ ص: ۱۳۶۔

(۲) عبارت یہ ہے: والإمام أبو حنيفة إنما قلت روايته لما شدد في شروط الرواية والتحمل وضعف رواية الحديث اليقيني إذا عارضها النقل النفسي وقلت من أجلها روايته فقل حديث ---لا إنه ترك رواية الحديث متعمدا فحاشاه من ذلك۔

یقینی (وصحیح) حدیث کو ضعیف ٹھہرادیتے تھے جب کہ ان کی شہادت نفس (قیاس) کے برخلاف ہوتی تھی۔اس وجہ سے ان کا روایت وحدیث کا شغل کرنا کم ہوا (اور وسعت کے ساتھ وہ حدیث روایت نہ کر سکے)۔پس ان کی حدیث کم رہیں، نہ یہ کہ انہوں نے قصداً حدیث چھوڑ دی۔''

اس کلام میں علامہ موصوف نے امام صاحب کی قلت حدیث کی ایک وجہ نہیں بلکہ دو وجہیں بتائیں۔ایک تشدد شروط، دوسری اپنی درایت پر زیادہ اعتماد کرنا۔حتی کہ روایت کی رو سے گو حدیث یقینی ثابت ہو مگر وہ اپنی درایت کے سامنے اسے قبول[1] نہیں کرتے تھے۔تو اگر اس کو دو وجہیں ٹھہرایا جائے تو ہم جو پانچویں وجہ لکھنے کو تھے، اس کو چھٹی وجہ کہنا چاہیئے۔

چھٹی وجہ:

اور وہ یہ ہے کہ جناب امام صاحب (رحمہ اللہ) کی اصل توجہ فروعات وفقہی مسائل کی طرف تھی اور بیشتر وہ اسی میں مشغول رہے، جن کا بیان مشرح ہم بضمن وجہ سوم کے کر چکے ہیں، اور عنقریب شاہ صاحب کے قول میں بھی آتا ہے اور اس بارے میں خطیب بغدادی[2] کی روایت بھی جو انہوں نے بسند امام صاحب سے روایت کی ہے، اس کی شاہد ہے جس میں امام صاحب نے اور علوم کو چھوڑ فقہ کا اپنے لئے شغل پسند کرنا فرمایا ہے۔غرض اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کا بڑا شغل

---

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث کو حدیث جان کر نہیں قبول کرتے تھے۔نہیں۔بلکہ ان کو اپنی شہادت نفس پر اس قدر وثوق ہوتا تھا کہ ان کو حدیث حدیث ہونے کا یقین نہیں آتا تھا۔واللہ اعلم۔

(۲) <u>نعمانی صاحب کی ایک غلطی اور اس کا جواب:</u>

اس روایت سے نعمانی صاحب نے بلا کسی معقول وجہ کے انکار کر دیا ہے (جس پر حسن البیان میں بحث کی گئی اور نعمانی صاحب کے شکوک کے جواب بھی دئے ہیں) تاہم یہ نعمانی لکھتے ہیں ''ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد آپ نے خیال کیا ہوگا کہ کسی فن کا اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔اسی کو ترجیح دی۔'' (انتہی، ص:۳۰) اور اس روایت کے غلط ہونے کے ثبوت میں جو نعمانی صاحب کہتے ہیں'' کہ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث ---

فقہ تھا اور اسی طرف ان کی مزید توجہ تھی۔ اس وجہ [۱] سے وہ حدیث کا زیادہ حصہ نہ پا سکے۔

ساتویں وجہ:

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحب (رحمہ اللہ) اہل الرائے [۲] میں سے تھے۔ اور

۔۔۔ وکلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام کا جو پایا ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ انتہیٰ۔ تو حدیث کی طرف توجہ دپایہ کا حال حسن البیان میں بھی لکھا ہے اور ہماری تحقیقات سے بھی ظاہر ہے باقی رہا علم کلام تو جیسا مناقب والے لکھتے ہیں کہ انہوں نے علم کلام کی طرف توجہ کی تھی اگر اس کا کوئی قوی ثبوت ہے تو ممکن ہے کہ علم کلام کی بابت ان کی رائے پلٹ گئی ہو جس کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ کی جس کا کافی ثبوت موجود ہے اور چونکہ حدیث کی بابت ایسا ثبوت نہیں۔ لہٰذا اس کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ وہی رائے قائم رہی۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کا ہو جب کہ علم کلام حاصل کر چکے تھے اور اس سے دل ہٹ کر کسی دوسرے علم کی طرف توجہ کا ارادہ تھا ،تو علم کلام میں مشغول رہنے سے بھی بے رغبتی مع اس کی وجہ سے ظاہر فرمائی اور طلب حدیث کے شغل کو بھی بایں وجہ جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے ”حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی ، اس کے علاوہ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح وتعدیل کا نشانہ نہ بنائیں، ناپسند فرمایا نعمانی صاحب کو اس پر بھی تعجب ہے کہ یہ روایت کسی کتاب میں امام کا قول کر کے بیان کی گئی ہے اور کسی کا ہم کلام کا قول ہے اور امام صاحب کا اس کو تسلیم کرنا ذکر ہے۔ افسوس نعمانی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ عام دستور ہے کہ جب اہل شوریٰ باہم تخاطب کر کے ایک بات پر متفق الرائے ہوتے ہیں، تو وہ بات ہر ایک کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے ، کیا انہوں نے قرآن مجید میں یہ آیتیں نہیں پڑھیں: {قَالَ الْمَلأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَـٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ} الآیۃ۔ اور {قَالَ لِلْمَلإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَـٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ} الآیۃ۔ ایک ہی بات کو ایک واقعہ میں ایک جگہ فرعون کا کہنا بیان فرمایا دوسری جگہ بجائے اس کے حواشی فرعون کا بیان فرمایا دوسری جگہ بجائے اس کے حواشی فرعون کا کہنا فرمایا۔ تو کیا اس واقعہ میں بھی نعمانی صاحب کو شک ہے۔

(۱) فقہ کی وجہ سے امام صاحب کا حدیث کی صرف (اچھی طرح) نہ متوجہ ہوسکنا نعمانی صاحب کو بھی قبول ہے، چنانچہ، ص: ۱۵۴ میں لکھتے ہیں: ”امام ابوحنیفہ کے زمانے میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات اغالیط مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت امام بخاری۔ مسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کی انتخاب کی کوشش کرتے، امام ابوحنیفہ کو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہوسکے الخ اور کچھ عبارتیں اوپر گزر چکیں۔

(۲) چنانچہ اگلی عبارتوں سے تم کو معلوم ہوجائے گا اور نعمانی صاحب ص: ۱۴۲ میں لکھتے ہیں۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا) کا نام لکھا جاتا ہے، امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

اہل الرائے [1] کا حال تم پہلے شاہ صاحب کے کلام سے معلوم کر چکے ہو کہ وہ روایت حدیث سے ڈرتے تھے، اور بخوف کلام رسول (ﷺ) میں غلطی ہو جانے کے نقل حدیث سے بچتے تھے، اس وجہ سے ان کے اس احادیث رسول (ﷺ) کم تھیں اور وہ بجائے حدیث کے اپنے سے پہلوں کے کلام پر اعتماد کرتے تھے، اور بیشتر مسائل کی بناء انہیں کے اقوال پر رکھتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کا بھی یہی دستور تھا۔ جیسا کہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ان کے حال میں لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) [2] میں زیادہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ، (یعنی بہت کم)۔ اور ابراہیم نخعی کے مذہب (قواعد) پر مسائل نکالنے میں بڑی شان (یعنی اس میں خوب دخل) رکھتے تھے۔ تخریج کے طریقوں میں باریک بین تھے۔ پوری توجہ فروعات (مسائل فقہیہ) پر رکھتے تھے۔ اگر تم کو ہمارے قول کی تحقیق منظور ہو تو ابراہیم (نخعی) اور ان کے اقران کے اقوال آثار (امام) محمد اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے تلخیص کر کے امام صاحب کے مذہب کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو تو ان کے مذہب کو تم پاؤ گے کہ اس طریقے سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر بہت تھوڑی جگہ اور ان تھوڑی جگہوں میں بھی فقہاء کوفہ (کے اقوال) سے باہر نہیں جاتا۔''

---

(۱) نعمانی صاحب کو جہاں ان کی حمیت نے اور خلاف واقع باتوں کو ملمع کاری کر کے دکھانے پر مجبور کیا تھا۔ اس بات پر بھی مجبور کیا کہ وہ اہل الرائے کے کوئی ایسے نئے معنی بنائیں، جس سے اس مقصود کو جس کی حمایت میں وہ بڑے سرگرم ہیں، جو نقصان پہنچتا تھا نہ پہنچے۔ چنانچہ انہوں نے اہل الرائے کے ایک اپنے طبع زاد معنی ایجاد کئے (جس کے رد کے لئے مستند علماء کے وہ اقوال اہل الرائے کے معنیٰ میں جو ہم نے ذکر کئے کافی ہیں۔) اور اہل حدیث کو وہ گروہ ٹھہرایا جن کو ناسخ و منسوخ سے بھی سروکار نہ تھا۔ وإلى الله المشتكي۔

(۲) دیکھو ص: ۱۵۱، حواشی کے طول پکڑنے کی وجہ سے عبارت نقل نہیں کی اور یہ کتاب نادر الوجود بھی نہیں۔

اور مصفی شرح موطا میں لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتاویٰ بر دو وجہ بودند۔ یکے آنکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہ جمع مے کردند واز انجا استنباط مے نمودند وایں اصل رائے محدثین ست ودیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح وتہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا۔ پس ہر مسئلہ کہ دارومیشد جواب آں از ہماں قواعد طلب مے کردند وایں اصل رائے فقہاء ست واشارہ بہمیں معنی ست از آنکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم اے بقواعد کلیہ کہ وے در فتاویٰ تہذیب وتنقیح آں کردہ بود''۔

علامہ ابن خلدون [1] مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

''ان (متقدمین) میں فقہ دو طریقہ پر منقسم ہوگئی۔ ایک طریقہ اہل الرائے والقیاس کا اور وہ عراق والے لوگ ہیں۔ اور ایک طریقہ اہل حدیث کا اور وہ حجاز (مکہ ومدینہ) والے ہیں۔ اہل عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تو انہوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور قیاس (ہی) میں وہ خوب ماہر ہوئے ان کو اہل الرائے کہا گیا۔ اہل الرائے کی جماعت کے سردار جن میں اور جن کے شاگردوں میں یہ (طریقہ) مذہب قائم ہوا (امام) ابوحنیفہ ہیں۔''

امام صاحب (رحمہ اللہ) کا طریقۂ اجتہاد:

الحاصل امام صاحب اہل الرائے میں سے تھے جو روایت سے ڈرتے اور بچتے تھے، اس

(۱) عبارت یہ ہے: انقسم الفقه فيهم إلى طريقين أهل الرأي والقياس وهم أهل العراق وطريقة أهل الحديث وهم أهل الحجاز وكان الحديث قليلا في أهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذلك قيل أهل الرأي ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي أصحابه أبو حنيفة۔ انتهى۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۳۸۹)

وجہ سے وہ قلیل الحدیث رہے اور اجتہاد و استنباط میں جو طریقہ اہل الرائے کا تھا بیشتر [1] وہی طریقہ ان کا بھی تھا۔ اور اہل الرائے کے طریقے کے موافق خاص خاص لوگوں (یعنی ابراہیم نخعی اور ان کے اقران) کے اقوال پر زیادہ تر ان کے مذہب کی بنا ہے اور وہ ابراہیم نخعی وغیرہ کے اقوال پر تخریج میں بڑے ماہر اور دقیق النظر تھے۔

تخریج کی وضاحت:

شاہ صاحب نے انہی اہل الرائے کے ذکر میں تخریج کی جو شرح کی ہے ہم پسند کرتے ہیں کہ اس موقع پر اس کو بھی ہدیۂ ناظرین کریں۔ شاہ صاحب اس بیان کے بعد کہ: ''اہل الرائے کے پاس احادیث رسول (ﷺ) اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے، جن سے وہ استنباط مسائل اس طور پر کر سکتے جس طور پر اہل حدیث کرتے تھے۔ لہذا ان لوگوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدے پر مرتب کیا۔'' جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لکھتے ہیں [2]:

''تخریج کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس عالم کے مجموعے کو کہ اساتذہ کے اقوال سے خوب واقف ہے اور ترجیح میں صحیح تر نظر رکھتا ہے اور وہ اساتذہ کی (گویا) زبان سے یاد کر لے۔ پس یہ مسئلہ میں اس کے حکم کی وجہ [3] سوچے تو جب کبھی اس سے کسی مسئلہ کا سوال کیا گیا یا اس کو خود کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اساتذہ کے صریح اقوال کو جو اسے یاد تھے دیکھا اگر ان میں اس کا جواب نکل آیا، تو خیر ورنہ (انہیں اقوال سے استنباط شروع کیا تو) ان کے کلام کے عمومات کو دیکھا (اگر

---

(۱) اس تحقیقات سے نعمانی صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے اس دلیل کی بھی بے ثباتی ثابت ہوتی ہے، جس میں وہ امام صاحب کے مجتہد ہونے سے کثیر الحدیث ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اجتہاد کے طریقے مختلف ہیں، اس مطلوب کے متعلق نعمانی صاحب نے جو کچھ لکھا، اب سب کا جواب تمہاری اس تحریر میں یا حسن البیان میں ضرور پاؤ گے۔ ان شاء اللہ

(۲) دیکھو، حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۱۵۷۔

(۳) یعنی علت یا مسئلہ کی صورت۔

کسی عام کے تحت میں درج ہوسکا) تو اس عموم کو اس مسئلہ پر جاری کر دیا، یا کلام کے اشارے ضمنی کو غور کیا اور اسے (ہی) استنباط کر لیا۔ کبھی کسی کلام سے کوئی اشارہ نکلتا ہے یا اُس سے کچھ لازم آتا ہے جو مقصود کو سمجھا دیتا ہے۔ کبھی جس مسئلہ کی تصریح ہے اس کے دوسرا ہمشکل ہوتا ہے جو اُس پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کسی وجہ کے ساتھ اُن کے بتائے ہوئے مسئلہ میں علت پیدا کر کے اس علت پر مدارِ حکم رکھ کیر غیر بتائے ہوئے مسئلوں میں وہ حکم جاری کر دیا۔ کبھی استاذ کے کلاموں کو ملا کر نتیجہ کے طور پر مسئلہ کا حکم نکال لیا۔ کبھی وہ چیز جس کی جامع مانع تعریف اساتذہ کے کلام میں نہیں تھی، گو وہ چیز مثال سے یا تقسیم سے مفہوم ہوتی تھی، تکلفات کر کے اس کی جامع مانع تعریف مرتب کر دی (اور پھر اس تعریف کے موافق اس کے تمام افراد پر وہ احکام جاری کر دیئے) کبھی اساتذہ کا کلام کئی احتمال رکھتا تھا۔ اس کے ایک معنی قائم کئے۔ کبھی ان مسائل کا دلائل سے لگاؤ، جو خفی تھا، اس کے وجوہ بیان کئے۔ بعض تخریج کرنے والوں نے اپنے ائمہ کے فعل سے یا ان کی کسی بات پر چپ رہنے وغیرہ سے بھی استدلال کیا۔ تخریج یہ ہے۔''

فقہاء کا عمل درآمد زیادہ تر اسی تخریج پر رہا، اور اسی کے ذریعہ سے بیشتر[1] فقہ کا دائرہ وسیع ہوا۔ جس فقیہ کو جب کوئی مسئلہ پیش آیا، اپنے امام کے اقوال کو دیکھا۔ ان سے صراحۃً اس کا حکم معلوم ہوگیا تو خیر ورنہ ان کے اقوال سے انہیں طریقوں میں سے کسی طریقہ سے استنباط کر کے مسئلہ نکال لیا۔ ایسے فقہاء کا نام مجتہد فی المذہب ہے۔

مجتہد فی المذہب کا حدیث سے ناواقف ہونا ضروری نہیں؟

مجتہد فی المذہب کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ اپنے امام کے **اقوال** میں خوب ماہر ہو۔ اس کے لئے حدیث کا جاننا ضروری نہیں۔ ایک حدیث بھی نہ جانتا ہو وہ بھی اس قسم کا مجتہد ہوسکتا

(۱) چنانچہ آنے والی عبارتیں شاہ صاحب وشامی وغیرہ کی اس پر دال ہیں۔

ہے۔شاہ صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان لوگوں کو مجتہد[1] **فی المذہب** کہتے ہیں اور ایسا ہی اجتہاد (اور) اسی طریقے پر مراد ہے اس شخص کی جس نے کہا کہ جس شخص نے مبسوط (فقہ کی ایک کتاب ہے) یاد کرلی وہ مجتہد ہوگیا اگرچہ اس کو ذرا بھی روایت کا علم نہ ہو اور نہ ایک حدیث کا۔تو ہر مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور بکثرت ہوئی۔"

اور عقد الجید میں مجتہد فی المذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: "جب ایسا[2] حادثہ پیش آیا، جس میں امام کی تصریح نہ معلوم ہوئی تو اس حادثہ کے لئے امام کے مذہب پر اجتہاد کیا، اور امام کے اقوال اور انہیں کے طریقہ پر اس کی تخریج کرلی۔"

یہ طرز عمل فقہاء میں طبقةً بعد طبقةٍ[3] جاری رہا۔ ہر طبقہ کے فقہاء نے جو مسائل اپنی تخریج سے تیار کئے، وہ پچھلوں کے مسلمات میں شامل ہوتے گئے اور ایک مستحکم دستاویز قرار پاتے گئے[4] (الا ماشاء اللہ) حتی کہ ان میں سے کسی قول کا اگر کوئی خلاف کرے تو گویا اُس نے ایک نص قطعی کا انکار کردیا۔حالانکہ وہ خود امام صاحب کا بھی قول نہیں ہے۔اور یہ بھی ضرور نہیں کہ یہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی منشاء کو پہنچ ہی جائیں اور امام صاحب کے سامنے

---

(۱) عبارت یہ ہے: ويقال هؤلاء المجتهدون في المذهب وعني هذه الإجتهاد على هذا الأصول من قال من حفظ المبسوط كان مجتهداً وإن لم يكن له علم بروايةٍ أصلا ولا بحديث واحد فوقع التخريج في كل مذهب وكثر، ص:۱۵۷۔

(۲) دیکھو: ص:۱۰، مطبوعہ صدیقی لاہور۔

(۳) چنانچہ شامی کی عبارت میں بھی آتا ہے۔

(۴) چنانچہ کتب فقہ پر جس کی نظر ہے، وہ اس کو بخوبی جانتا ہے، یہ بڑے بڑے فتاویٰ جو زیادہ تخریج متاخرین سے پر ہیں۔انہیں کی عبارتوں میں عموماً فتووں کا مدار ہے، جب ان سے کوئی جزئیہ صریح نہیں ملتا تو اشارات سے نکالا جاتا ہے اور تخریج در تخریج کے سلسلے کو اور ترقی دی جاتی ہے، عمل درآمد تو ہے ہی فقہاء نے اس کی بابت قاعدہ بھی مقرر کردیا۔ چنانچہ---

اگر وہی مسئلہ تخریج کیا ہوا پیش کیا جاتا تو امام صاحب بھی یہی فرماتے جو ان تخریج کرنے والوں نے اپنے فہم سے سمجھا۔ کیا کوئی حنفی تسلیم کرے گا کہ امام صاحب کے بعد کوئی فقیہ اس پایہ کا ہوا ہے کہ جو امام صاحب کے ہم پلہ ہو۔ جب کہ امام صاحب فارغ التحصیل ہو کر استقلال کے ساتھ اپنی درسگاہ علیحدہ قائم فرمانا چاہتے تھے۔ خود امام صاحب نے اس زمانے میں جب امام حماد کے اقوال پر تخریج کی تو تم پڑھ چکے ہو کہ منجملہ ساٹھ کے کئی مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں وہ حماد کے منشاء کو پہنچے تھے اور کئی وہ ہیں جن میں انہوں نے حماد کے خلاف مرضی تخریج کی جس کو حماد نے ناجائز رکھا۔

تخریجات کا تجزیہ و تحلیل:

پس ہم کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی اصلی منشاء کو ہر جگہ ضرور پہنچے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان اہل تخریج کے امام کے اصلی منشاء تک نہ پہنچنے کی ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ ان میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک کی تخریج میں کچھ نکلتا ہے دوسرے کی تخریج اس کے خلاف ہے۔ پس ظاہر ہے کہ امام کے نزدیک وہ دونوں صواب پر نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین لازم آجائے گا۔ صرف ایک ہی فقہ کو دیکھو، مثلاً: حنفی فقہ کو کہ اس میں ایک ایک مسئلہ میں کس کثرت سے **مختلف اقوال** ہیں۔ اس کی بڑی وجہ مخرجین کی آراء کا باہم خلاف ہے۔ اگرچہ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود امام صاحب سے ایک ایک مسئلہ میں کئی کئی قول بھی مروی ہیں، مگر زیادہ تر وجہ اس کی اختلاف فہم مخرجین ہے اور ایک وجہ مخرج کے

--- رد المختار میں لکھتے ہیں: وإذا لم يوجد في الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشائخ المتأخرون قولا واحدا يؤخذ به فإن اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين ثم الأكثرين وإن لم يوجد منهم جواب البتة نصا ينظر المفتي فيها نظر تأمل وتدبر واجتهاد ليجد فيها ما يقرب عن الخروج عن العهدة۔ انتهى ملخصا، ج:۱،ص:۵۲، ۵۳۔

اصل منشاء امام تک پہنچنے کے نہ ضروری ہونے کی یہ بھی ہے کہ تخریج بھی تو ایک قسم کا اجتہاد ہے اور ہر اجتہاد محتمل خطاء وصواب ہے۔ پس کچھ ضرور نہیں کہ ان تمام مسائل کو جو اپنے اجتہاد سے امام کا مذہب پیدا کر کے کہتے ہیں وہ اصل میں بھی ان کا مذہب ہو اور کسی قدر تفصیل آگے بھی آتی ہے۔

کیا فقہ کے تمام مسائل کو امام صاحب کا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے:

پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر آج امام صاحب موجود ہوتے اور ان تمام مسائل کو جن سے فقہ کی کتابیں پر ہیں، ملاحظہ فرماتے تو وہ کتنے ان میں خارج کر دیتے۔ بہر حال ان تمام مسائل کو جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں امام صاحب کا مذہب خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ چنانچہ علامہ [1] شعرانی فرماتے ہیں:

''یہ جو ہم نے ذکر کیا اس غلطی میں بہت سے لوگ پڑ جاتے ہیں کہ جب اصحاب امام سے کوئی مسئلہ پاتے ہیں، تو اس کو امام کا مذہب ٹھہرا دیتے ہیں۔ اور یہ بڑی جرأت ہے، کیونکہ امام صاحب کا مذہب حقیقتاً وہی ہے، جو انہوں نے خود کہا۔ اور پھر اپنے آخر وقت تک اس سے رجوع بھی نہیں کیا نہ وہ کہ جو ان کے اصحاب نے ان کے کلام سے سمجھا۔ کیونکہ کبھی امام اس کو جو انہوں نے ان کے کلام سے سمجھا نہ پسند کرتے اور اس کے قائل نہ ہوتے۔ اگر اس کو یہ لوگ ان پر پیش کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ جو شخص کل اس چیز کو جو امام کے کلام سے سمجھا جائے امام کی طرف سے نسبت کر دے تو وہ حقیقت مذاہب سے ناواقف ہے۔''

---

(۱) عبارت یہ ہے: هذا الذي ذكرنا يقع فيه كثير من الناس فإذا وجدوا عن أصحاب إمام مسئلة جعلوها مذهبا لذلك الإمام وهو تهور فإن مذهب الإمام أبو حنيفة هو ما قاله ولم يرجع عنه إلى أن مات لا ما فهمه أصحابه من كلامه فقد لا يرضى الإمام ذلك الأمر الذي فهموه من كلامه ولا يقول به لو عرضوه عليه فيعلم أن من عزى إلى الإمام كل ما فهم من كلامه فهو جاهل بحقيقة المذاهب۔ انتهى۔ (ميزان)

اور شاہ صاحب [۱] حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں:

"میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان بڑی بڑی شرحوں اور موٹے موٹے فتاووں میں جو کچھ مذکور ہے، وہ سب (امام) ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے اور وہ ان کے اصلی قول اور قول مخرج کے درمیان فرق نہیں کرتے۔"

غرض کہ ان تخریجی مسائل کو (کہ فقہ کی مبسوط کتابوں مثل فتاوی عالمگیری و قاضی خاں و در مختار وغیرہ میں اس قسم کے مسائل کا ایک بڑا حصہ ہے اور صرف انہیں میں نہیں بلکہ [۲] دیگر متون اور شروح کی متداول و درسی کتابوں میں بھی بلا امتیاز کے بکثرت مذکور ہیں۔ یقینی طور پر امام صاحب کی طرف نسبت کرنا اور ان کا مذہب قرار دینا سخت غلطی ہے۔ اور ان تخریجی مسائل کی خصوصیت نہیں۔ ان کے علاوہ بھی فقہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو خاص [۳] امام صاحب (رحمہ اللہ) کا فرمودہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کی رائیں ہیں۔ یا یہ کہ وہ امام صاحب تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچتے۔

---

(۱) عبارت یہ ہے: إني وجدت بعضهم يزعم أن جميع ما يوجد في هذه الشروح الطويلة وكتب الفتاوى الضخمة هو قول أبي حنيفة (رحمه الله) وصاحبيه ولا يفرق بين القول المخرج وبين ما هو قول في الحقيقة۔ انتهىٰ۔ (ص: ۱۶۵)

(۲) چنانچہ رد المختار کے قول میں آگے آتا ہے اور مولانا عبدالحئ صاحب (رحمہ اللہ) مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "بہت مرتبہ اصحاب متون وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں، جو تخریجات مشائخ متقدمین سے برخلاف مسلک اصحاب مذہب کے ہوتا ہے۔" (ص: ۱۰)

(۳) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ ان کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں۔ زمانہ بعد میں گو علماء نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور جزئیات کی تخریج کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی۔ الخ (صفحہ: ۲۱۰ اور صفحہ: ۲۰۴ میں لکھتے ہیں: "یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے، لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ، زفر قاضی، ابویوسف اور امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔"

مسائل حنفیہ کے طبقات:

چنانچہ رد المختار شرح در مختار میں لکھتے ہیں [۱]:

''ہمارے اصحاب حنفیہ کے مسائل کے تین طبقے ہیں۔ **پہلا طبقہ** مسائل اصول جن کو ظاہر روایت کہتے ہیں اور وہ مسائل وہ ہیں جو اصحاب مذہب سے مروی ہیں۔ جو کہ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ ہیں، اور ان میں زفرؒ اور حسنؒ بن زیاد اور ان کے سوا بھی جنہوں نے امام صاحب کی شاگردی کی شامل ہیں۔ لیکن ظاہر روایت میں اکثر پہلے والے تین صاحبوں کا قول ہوتا ہے، اور ظاہر روایت کا ماخذ محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں۔

دوسرا طبقہ مسائل نوادر، اور وہ مسائل وہ ہیں جو مذکورہ بالا اصحاب سے مروی ہیں۔ لیکن ان چھ کتابوں میں نہیں بلکہ **امام محمد** کی دوسری کتابوں وغیرہ میں ہیں۔ اور ان کو غیر ظاہر روایت اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ کتابیں **امام محمد** سے صحیح و ثابت و ظاہر روایتوں کے ساتھ مروی نہیں ہوئیں پہلی کتابوں کی طرح۔

تیسرا طبقہ واقعات، وہ مسائل وہ ہیں جن کو **پچھلے مجتہدوں** (فی المذہب) نے جب کہ ان سے وقتاً فوقتاً سوال کیا گیا اور انہوں نے (اصحاب مذہب سے) اس میں کوئی روایت نہ پائی۔ استنباط کیا۔ یہ لوگ (استنباط کرنے والے) (امام) ابو یوسف اور (امام) محمد کے شاگرد ہیں اور پھر (ان کے بعد) ان کے شاگردوں کے شاگرد اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا گیا۔ اور ایسے لوگ بکثرت ہوئے ہیں۔''

فقہ کی اکثر متداول کتابوں میں یہ تمام مسائل مخلوط بلا کسی امتیاز کے مذکور ہیں۔ جیسا کہ شامی

---

(۱) دیکھو ص: ۵۱۔

نے بھی خود [1] اس کے بعد لکھا ہے۔ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے علاوہ کس کثرت سے دوسرے لوگوں کی رائیں ان فقہی کتابوں میں درج ہوگئیں لیکن ان میں کسی مسئلہ سے کوئی علیحدگی کرے، عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب سے منکر ہوگئے [2] اور ان کے مذہب سے انکار کر دیا۔حالانکہ امام صاحب کا ان مسائل سے جو تعلق ہے اس کی حقیقت تم معلوم کر چکے۔

مسئلہ فقہ کی چند مزید اقسام:

تخریج کے لحاظ سے فقہ کے مسائل کی چند قسمیں اور بھی نکلتی ہیں کہ جن کے منازل باہم ایک بین تفاوت رکھتے ہیں۔اصحاب مذہب کے اقوال (جن پر تخریج کی بنا رکھی ہے) یا نص صریح سے ثابت ہوں گے یا اجتہاد و استنباط سے نکالے گئے ہوں گے۔پھر تخریج یا قسم اول کے اقوال پر ہوگی [3]، یا قسم ثانی کے۔لہٰذا مسائل کی یہ چار قسمیں نکلیں۔[4]

تخریج کا مبنیٰ ظن وتخمین!

تخریج کی بابت تم پہلے معلوم کر چکے ہو کہ وہ بھی ایک قسم کا اجتہاد (یعنی اجتہاد فی المذہب) ہے۔فرق اسی قدر ہے کہ اجتہاد مطلق میں بلا واسطہ خود نصوص شرعیہ سے استنباط کیا جاتا ہے اور تخریج میں ان علماء کے اقوال سے جن کے ساتھ اپنے آپ کو ایک خاص عقیدت ہے اور جن کو خصوصیت

(۱) لفظ یہ ہے: ثم ذكر المتأخرون هذه المسائل مختلطة غير متميزة۔ انتھیٰ اور بعض نے ممتاز بھی بیان کیئے ہیں۔

(۲) اہل تخریج کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک قول کو اختیار کرنے والا معرض نہیں کہلاتا کیونکہ وہ تو انہیں میں سے ایک قول کو ترجیح دیتا ہے، معرض جب ہے کہ اتفاقی صورت کہ نہ مانے یا اختلافی صورت میں کل اقوال سے بے پرواہی کرے۔

(۳) ہمارے آگے کے بیان سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ جو مجموعہ چند اقوال سے مخرج ہو جن میں بعض صریحی ہوں، بعض استنباطی وہ استنباطی والی قسم میں شامل ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔

(۴) جو مسئلہ تخریجی مسئلہ پر مخرج ہوگا اس کو قسم چہارم میں شامل سمجھنا چاہئے گو ابتداءً تخریج کسی مسئلہ پر ہو۔

کے ساتھ اپنا پیشوا قرار دیا ہے، استنباط کیا جاتا ہے۔تو جیسے مجتہد قرآن وحدیث کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتا ہے ایسی ہی مخرجین اپنے علماء کے اقوال پیش نظر رکھ کر استنباط کرتے ہیں۔لہذا جیسا کہ اجتہاد محتمل خطاوصواب ہے،اسی طرح تخریج بھی محتمل خطاوصواب ہے۔کیونکہ جس طرح مجتہد غیر منصوص واقعہ میں اورنصوص پر غور کرکے اپنے اندازاور تخمین سے شارع کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہے اوراپنی رائے شارع کے منشاء کی بابت اپنے گمان کے موافق قائم کرتا ہے اوراس رائے میں کبھی مصیب ہوتا ہے اورکبھی نہیں،اسی طرح مخرج غیر مصرح مسئلہ میں اپنے انداز وتخمین سے اس عالم کا منشا جس کے قول پر تخریج کررہا ہے۔اس کے اوراقوال کے قرائن سے معلوم کرنا چاہتا ہے اوراپنی سمجھ کے موافق اپنے گمان سے اس کا عندیہ قائم کرتا ہے۔پس ضرورنہیں کہ وہ ہرجگہ اس کے اصلی عندیہ کو پہنچ جائے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قول کی ہم کچھ علت خیال کرتے ہیں۔حالانکہ اس کے نزدیک اس کی وہ علت نہیں ہوتی یا وہی ہوتی ہے مگر اس کے لئے اس کے نزدیک کچھ شرائط یا موانع بھی ہوتے ہیں کہ جن تک ہمارا خیال نہیں پہنچتا۔اورہم بلالحاظ ان شرائط وموانع کے اس کی رائے ایک امر کی بابت قائم کرلیتے ہیں۔لیکن جب وہی امر اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس رائے کے ساتھ متفق نہیں ہوتا۔اوریہ ایک ایسی بات ہے جو روزمرہ ہم اپنے معاملات وگفتگوؤں میں دیکھتے ہیں۔الحاصل اجتہاد وتخریج دونوں میں احتمال خطاوصواب دونوں کا ہے۔جب یہ ضمنی بات تم معلوم کرچکے تو اصل مدعا کو سنو۔فقہ کے مسائل کی چارقسمیں جو ہم نے بتائیں،اس میں سے قسم اول تو بالکل احتمال خطا سے محفوظ ہے۔قسم دوم وقسم سوم میں ایک مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔قسم دوم میں تو اجتہادی ہونے کی وجہ سے اجتہاد کے وقت پیدا ہوا اورقسم سوم میں تخریجی ہونے کی وجہ سے تخریج کے وقت گو اصل قول میں جس پر تخریج کی گئی نصی ہونے کی وجہ سے احتمال خطا کا نہ تھا،مگر تخریج کے

وقت پیدا ہوگیا۔قسم چہارم میں دو مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔اول احتمال اصل کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔اور دوسرا احتمال تخریج کے وقت پیدا ہوا۔خطا کا احتمال جو اصل میں پیدا ہوا تھا وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا۔اس لئے کہ اگر اصل صحیح نہیں تو فرع جس کا مدار اسی اصل پر ہے کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔گو وہ تفریع وتخریج صحیح ہو اور اصل کو صحیح مانا جائے تو فرع کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔اس لئے کہ تفریع کے وقت احتمال خطا کا پیدا ہے۔پس اصل میں جو احتمال خطا ہے وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا اور اصل کا احتمال صواب فرع کے لئے تسکین بخش اور اطمینان دہ نہیں ہوسکتا۔لہٰذا جو مسئلہ اجتہادی مسئلہ پر مخرج ہوگا۔اس میں منجملہ چار صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور تین صورتیں خطا کی نکلیں گی۔صواب کی ایک صورت یہ کہ نہ اصل مسئلہ میں اجتہاد کے وقت خطا ہوئی اور نہ مخرج مسئلہ میں تفریع کے وقت، اور تین صورتیں خطا کی یہ ہیں، اصل ۱ میں خطا نہ ہوئی تھی مگر تفریع میں ہوگئی۔اصل ۲ میں خطاء ہوگئی گو تفریع میں نہ ہوئی تھی۔اصل ۳ میں خطا ہوئی تھی۔اور تفریع میں بھی ہوئی اور پھر اس تخریجی مسئلہ پر اگر تخریج کی گئی تو خطاء کے احتمال اور ترقی پکڑیں گے۔چنانچہ اس درجہ میں منجملہ آٹھ صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور سات صورتیں خطا کی نکلیں گی، اور جس قدر سلسلہ تخریج آگے کو چلے گا، احتمالات خطا زیادہ ہوتے جائیں گے۔پس اس سے ظاہر ہے کہ فقہ کے وہ مسائل جن میں تخریج در تخریج سے کام لیا گیا ہے۔وہ صواب کی بہ نسبت خطا کے بہت زائد محتمل ہیں، لیکن وہ اس پر بھی مقلدین کے نزدیک حدیث رسول سے (جو کہ اِن احتمالات سے پاک اور خطا سے معصوم ہے) مقدم ہیں اور ایسے ہی اقوال پر چلنے والا راہ صواب اور طریقہ حق پر ہے اور ان کو چھوڑ کر حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر چلنے والا کسی طرح راستی پر نہیں۔

مسائل فقہ اور حدیث کا موازنہ:

کاش اس موقع پر ہم وہ مضمون ذکر کرتے جو علامہ بہاء الدین [۱] مرجانی حنفی نے ناظورۃ الحق میں حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چھوڑ کر فقہاء کے اقوال کو لازم پکڑنے کی شناعت میں بیان کیا ہے۔ مگر طول کا خوف اس کے ذکر کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم اس کے بعض ٹکڑے ذکر کئے دیتے ہیں۔ فرماتے [۲] ہیں:

''حدیث فی ذاتہ رسول کا کلام ہے جو کہ (خطا سے) معصوم تھے (اور) اپنی خواہش سے نہیں بولتے تھے، جو فرماتے تھے وہ وحی (الٰہی) ہوتی تھی۔ اور حدیث میں جو (بالائی) شبہات کا احتمال (مثلاً) موضوع ہونے یا منکر ہونے یا ضعیف ہونے کا پیش آتا ہے۔ اُس کو اُس کی سند کا صحیح ہونا اور اس کا نقل (کی رو) سے ثابت ہونا رفع کر دیتا ہے۔ خواہ (یہ بات) اس حدیث کی سند رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک بنقل ایک ثقہ کے دوسرے ثقہ سے، شذوذ وعلت سے پاک رہ کر پہنچ جانے اور

---

(۱) ہارون بن بہاء الدین بن شہاب الدین النافع الکبیر ص: ۹۸۔ ع۔ ح۔

(۲) عبارت یہ ہے: والحديث في أصله كلام الرسول المعصوم الذي لا ينطق عن الهوىٰ إن هو إلا وحي يوحى وإنما يتطرق إليه مظنة تلك الشبهات من الوضع والنكارة والضعف يدفعه صحة سنده وثبوت نقله إما برفع اسناده إلى رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) بنقل الثقة عن الثقة سالماً عن الشذوذ والعلة وتفتيش رجاله والبحث عن أحوال رواته وإما يوجد أنه في الأصول المعتبرة والمجاميع المعتمدة وقول الفقهاء يحتمل الخطاء في أصله وغالبه خال عن الإسناد ورفعه بطريق مقبول معتمد عليه وكل احتمال ذكر فيالحديث قائم فيه فإنه يحتمل أن يكون موضوعاً قد افترى عليه غيره ألا ترى ويكون منكر الإتهام ناقله وضعيفاً لاضطراب راويه وأمثال ذلك كثيرة عند تنزل الزمان وشيوع الكذب والهذيان ولو صح وثبت يحتمل أن يكون منسوخاً قد رجع عنه وأفتى بخلافه فإن كلا من أبيحنيفة وأصحابه ومالك والشافعي وأحمد وغيرهم قد رجعوا من أقوال إلى أقوال بما ترجحت عندهم من شواهد دلائل ويحتمل أن يكون مؤولا أن يكون مخصصا أو مقيداً۔ انتهى۔ ملخصاً

اس کے راویوں کی تحقیق اوران کے حالات سے بحث کرنے سے (حاصل) ہواورخواہ معتبر کتابوں اور معتمد مجموعوں میں اس حدیث کے ملنے سے ہو (جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ ہیں جن کی احادیث [۱] کوان کے مصنفوں کے علاوہ اور تمام محدثین بھی پرکھ کر صحیح مان چکے ہیں۔الحاصل حدیث میں باعتبار اس کی ذات واصل کے تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اور عارضی شبہے یوں دور ہو گئے)۔ اور **فقہاء کا قول** اپنی اصل (ذات) میں خطا کا محتمل ہے اور (پھر اسناد کی رو سے دیکھو تو) اکثر اقوال اسناد سے اور صاحب مذہب تک معتبر و مقبول سند کے ساتھ پہنچنے سے خالی ہیں۔(کیونکہ جیسا کہ حدیث کے لئے اسناد وغیرہ کا بندوبست کیا گیا ان کے لئے نہیں کیا گیا) اور (پھر) جس قدر احتمال (سند کی رو سے) حدیث میں ذکر کئے وہ کل قول فقہاء میں (بھی) قائم ہیں۔احتمال ہے کہ وہ موضوع ہو صاحب مذہب کی طرف کسی نے غلط نسبت کر دیا ہو۔کیا تم نہیں دیکھتے (اس کی چند مثالیں لکھیں کہ جن میں اصحاب مذہب کی طرف غلط نسبت کر دی گئی ہے۔) اور احتمال ہے کہ منکر ہو۔اس کے راوی کے متہم ہونے کی وجہ سے یا ضعیف ہو، اس کے ناقل کے اضطراب کی وجہ سے (اس کی بھی مثال میں چند روایات لکھ کر لکھتے ہیں) مثالیں اس کی اور بہت ہیں۔خصوصاً زمانہ کے تنزل اور جھوٹ و بیہودہ پھیل جانے کے وقت میں (پھر لکھتے ہیں) اگر (روایۃً) صحیح و ثابت بھی ہو جائے تو (پھر اور احتمال باقی رہتے ہیں (چنانچہ) احتمال ہے کہ منسوخ ہو (یعنی یہ) کہ اس سے اس مجتہد نے رجوع کر کے اس کے خلاف فتوی دیا ہو۔کیونکہ (امام) **ابوحنیفہ** اور ان کے اصحاب اور مالک و شافعی واحمد میں سے ہر ایک نے اپنے (کتنے) قولوں سے رجوع کر کے دوسرے قول اختیار کئے ہیں۔جو اِن کو (بعد کے) دلائل سے راجح ثابت ہوئے اور احتمال ہے کہ اپنے ظاہر معنی کے سوا کوئی اور معنی رکھتا ہو۔اس کی بھی مثال لکھ کر لکھتے ہیں: اور احتمال ہے کہ اس میں کوئی تخصیص ہو یا اس کے

(۱) إلا ماشاء اللہ۔

ساتھ کوئی قید (اور بھی) ہو۔"

خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر شبہے کوئی حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت پیدا کرسکتا ہے وہ سارے کے سارے قول فقیہ میں موجود ہیں۔ اور قول فقیہ کا اپنی ذات میں محتمل خطا ہونا ان سب پر مزید ہے۔

حدیث ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں:

پس کوئی وجہ نہیں کہ صحیح حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے قول مجتہد وفقیہ کو تو لیا جائے اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ مجتہد وامام جن کے اقوال کی یا ان کے اقوال پر مخرج اقوال کی پابندی کی جاتی ہو۔ انہوں نے بوجوہ چند در چند حدیث کا (جس پر اکثر مسائل کا مدار ہے حصہ کم پایا ہو) گو اس سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ وہ اپنی نیک نیتی اور مجبوریوں کی وجہ سے ہر طرح پر معذور اور ماجور ہیں۔ مگر کچھ شک نہیں کہ اس سے ان کے اس مسئلہ کی بابت جو خلاف حدیث ثابت ہو، یہ ظن نہایت قوی ہو جاتا ہے کہ ان کو اس کی بابت حدیث نہ پہنچی تھی اور خود انہوں نے فرما بھی دیا کہ ہمارے قول کو حدیث کے سامنے چھوڑ دینا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ امام ابوحنیفہ صاحب کو حدیث کے ساتھ وہ نسبت نہ تھی جیسا کہ اوپر محققین کے اقوال سے محقق ہو چکا بلکہ ان کا پایہ حدیث میں اس سے عالی تھا اور وہ دیگر محدثین کی طرح مثل امام مالک بلکہ امام شافعی کے منزلت رکھتے تھے، جانے دو بلکہ امام احمد صاحب کی طرح کثیر الحدیث تھی تو ان صاحبوں کے بھی تو جملہ مسائل مخالفت حدیث سے نہیں بچ سکے اور زمانہ مابعد کی فراہمی احادیث اور تحقیقات بالغہ نے ان کے بھی بہت سے مسائل ایسے نکالے

جو حدیث کے خلاف ہیں [۱]۔ پس امام صاحب کے جملہ مسائل کیسے بچ سکتے ہیں۔ ہم خود ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو بڑے زور سے امام صاحب کے مذہب کی تائید کرتے ہیں اور کبھی جوش میں آ کر یہ بھی کہہ [۲] دیتے ہیں کہ ان کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں آخر کار وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو تمام احادیث [۳] نہ پہنچیں تھیں اور بعض انہیں وجوہ [۴] کو جو ہم نے ان کی قلت حدیث کی لکھیں، پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ان کو احادیث نہ پہنچ سکیں، لہذا ان کو کثرت سے قیاس کرنا پڑا۔ اور ضرور ان کے مسائل [۵] ایسے بھی جن میں ان سے خطاء اجتہادی ہوئی اور کم سے کم اس سے انکار کی تو ذرا بھی گنجائش نہیں کہ امام صاحب جملہ احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محیط نہ تھے اور نہ اس کا کوئی متعصب سے متعصب دعویٰ کر سکتا ہے۔ پس تب بھی جو مسئلہ ان کا حدیث کے خلاف ثابت ہو، احتمال ضرور ہے کہ اس کی بابت ان کو حدیث نہ ملی اور ان کے خلاف میں حدیث کا موجود ہونا یقینی امر ہے۔ تاہم یہ لائق نہیں کہ اس یقینی حدیث کو چھوڑ کر ان کے قول کا التزام کر لیا جائے۔

---

(۱) چنانچہ علامہ ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جس میں ائمہ اربعہ کے مسائل جو مخالف حدیث میں جمع کئے جیسا کہ علامہ فلانی نے ذکر کیا۔ (ایقاظ الھمم)

(۲) الفتح المبین میں لکھتے ہیں ''آج تک کوئی ایسی حدیث پائی نہیں گئی کہ کوئی مسئلہ حنفیہ کا مخالف اس کے نکلے۔''

(۳) چنانچہ الفتح المبین کا قول امام صاحب کے جملہ احادیث نہ پانے کی بابت گزر چکا۔

(۴) چنانچہ امام شعرانی اور نعمانی کے اقوال پہلے گزر چکے۔

(۵) نعمانی صاحب لکھتے ہیں ''لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت عام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں امام ابوحنیفہ مجتہد تھے، پیغمبر نہ تھے۔ اس لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل ہیں۔ ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضا قاضی کا ظاہراً و باطناً ہونا۔ قتل بالثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی اور ایسے اور بھی مسائل ہیں۔ (انتہیٰ ص: ۲۸۰)

امام صاحب سے خلاف حدیث ہو جانے کے چند دیگر وجوہ:

اس سب کے علاوہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ان کو وہ حدیث پہنچی تھی۔ تو ممکن ہے کہ کسی ۱ ضعیف سند[1] سے پہنچی ہو۔

یا کوئی ۲ اور علت قادحہ اس میں ان کو پیش آئی جس سے انہوں نے اس کو نہیں لیا۔ اب جب ہم اس میں کوئی موجب ترک کا نہیں پاتے تو پھر کس طرح اس کو ترک کر سکتے ہیں۔

یا یہ ۳ کہ اسی سند سے ان کو بھی ملی تھی جس سند سے ہم کو ملی لیکن اس کے راویوں کو وہ ضعیف سمجھتے تھے۔ اور[2] ہم کو دوسری شہادتوں سے ثابت ہوا کہ وہ ضعیف نہیں۔

یا ۴ جس کو وہ علت قادحہ خیال کرتے تھے۔ تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ وہ قادح[3] نہیں۔

یا انہوں نے کسی حدیث کو تمام ان مذاہب کے جو ان کے علم میں تھے، مخالف پانے کی وجہ سے خلاف اجماع سمجھ کر قبول نہ کیا۔

یا ۶ قرآن کی کسی آیت کے خلاف کر کے رد کر دیا۔ حالانکہ دوسروں کو وجہ تطبیق کی ظاہر ہوئی اور ثابت ہوا کہ وہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف نہیں۔

یا ۷ یہ کچھ نہ تھا لیکن امام مسئلہ فرماتے وقت اس حدیث سے ذہول ہو گیا۔ اور بالکل اس کا

---

(۱) امام شافعی صاحب سے متعدد مسائل میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، اس مسئلہ میں میرا قول یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک حدیث ہے جس کا مدلول ان کے قول کے منافی تھا اور وہ ان کو بسند ضعیف پہنچی تھی تو فرمادیا کہ اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو پھر وہی میرا مذہب ہے، چنانچہ کتنی حدیثیں اسی قسم کی بعد کو صحیح ثابت ہوئیں، منجملہ ان کے ایک مسئلہ اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹنے کا ہے جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا۔

(۲) اس واسطے کہ بعض رجال کی بابت اختلاف بھی ہے۔

(۳) اس کی تفصیل فن اصول میں ہے اور کچھ تذکرہ شاہ صاحب کے کلام میں بھی آتا ہے۔

خیال نہ رہا اور اپنے اجتہاد سے مسئلہ اس کے خلاف بنادیا، اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بہت اکابر کو اس (۱) طرح پیش آیا ہے۔ حدیث تو درکنار آیات قرآنی سے ذہول ہوگیا۔ بسا اوقات انسان کے علم میں ایک بات ہوتی ہے، لیکن اس طرح خیال بھی نہیں جاتا۔ ایک مدت کے بعد خود ہی یا کسی کے ٹوکنے سے اس کا خیال ہوتا ہے۔

پس باوجود ان تمام احتمالات کے ایک امام کی ذاتی رائے کو پکڑے رہنا اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس گمان پر کہ اگر قابل عمل ہوتی تو وہ ضرور اس کو اختیار کرتے رد کر دینا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے سوا امام صاحب (رحمہ اللہ) کے زمانہ تک اصول وضوابط مرتب نہ ہوئے تھے اس واسطے نصوص پر عمل اور ان کے ترک کا مدار بیشتر ان کے ذاتی سلیقوں اور دلی شہادتوں پر تھا۔ لہذا بعض احادیث کا اخذ وترک اس طرز پر وقوع میں آیا تھا، جو زمانہ مابعد کی تحقیقات نے اس کے خلاف ثابت کیا۔ اسی طرح بعض ان کے معمولات احادیث کے قبول ورد کی بابت جو کہ بطور قواعد کے ان میں جاری تھے۔ اس میں کے بھی بعض پچھلے اماموں کے تجربوں نے نامعتمد ثابت کیئے، جن کی بنا پر اس وقت جو احادیث مقبول یا غیر مقبول ٹھہرائی گئیں تھیں، وہ بعد کو اس طرح قائم نہ رہ سکیں۔

---

(۱) یہ ایک ایسی معمولی بات ہے، جس کو تجربہ ہے وہ کبھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ تاہم دیکھو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے آیت ''وَآتَيْتُم إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا'' سے ذہول ہوگیا کہ زیادت مہر سے ممانعت فرماتے تھے، جب ایک عورت نے ان کو یہ آیت یاد دلائی، تب منع کرنے سے توقف فرمایا اور اس کو تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ کو آیت ''أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ'' اور آیت ''إِنَّکَ مَيِّتٌ'' الآیۃ سے ذہول ہوگیا تھا اور حضرت کو میت کہنے پر لڑنے کو تیار تھے۔ حتی کہ حضرت ابو بکر نے یہ آیت یاد دلائی، تب باز رہے۔ اور جنب کے تیمم والی حدیث کو تو ہو بالکل ہی بھول گئے تھے، یہاں تک کہ عمار نے ان کو یاد بھی دلایا۔ اور اپنے اور ان کے موجود ہونے کا قصہ بھی ذکر کیا، تب بھی ان کو یاد نہ آیا۔

امام شافعی کا تجدیدی کارنامہ:

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے امام شافعی کے مذہب کی بنیاد اور ان کے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کی مخالفت کرنے کی وجہ میں لکھا ہے کہ اس سے تم کو ہماری ان باتوں کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں[1]:

"(امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ) دونوں (کے) مذہبوں کے ظہور اور ان کے اصول وفروع کی ترتیب کے اوائل میں **امام شافعی** پیدا ہوئے تو انہوں نے پہلوں کے (طرز) عمل کو دیکھا تو ان میں ایسے امور پائے جن پر چلنے میں ان کو توقف ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی کتاب الأم کے اول میں ذکر کیا ہے۔"

مرسل سے استدلال اور اس میں خلل:

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ) وغیرہ مرسل و منقطع (حدیث) سے حجت پکڑتے ہیں اور (حالانکہ) ان دونوں میں خلل ہے۔ کیونکہ طرق حدیث جمع کیا جائے، تو ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی مرسل ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں (ملتی) اور کتنی مرسل ہیں کہ وہ مسند (حدیث) کے مخالف ہیں، تو امام شافعی نے قرار دیا کہ مرسل کو بلا ان شروط کے جو کہ کتب اصول میں مذکور ہیں قبول نہ کریں گے۔ اور **منجملہ** ان کے ایک یہ کہ مختلف نصوص میں جمع کرنے کے قاعدے ان لوگوں کے پاس ضبط نہ تھے، اس وجہ سے ان کے مسائل اجتہادیہ میں خلل پہنچتا تھا۔ پس امام شافعی نے اس کے قاعدے بنائے اور ایک کتاب میں ان کو جمع کیا اور یہ **اصول فقہ** کی سب سے پہلی تدوین ہے۔

---

(۱) دیکھو، حجۃ اللہ البالغۃ ص: ۱۵۱ و ۱۵۲، عبارت طول کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

امام شافعی اور تدوین اصول فقہ:

اس کی مثال جو ہم کو پہنچی ہے یہ ہے کہ امام شافعی (۱) (ایک مرتبہ) امام محمد بن الحسن (امام صاحب کے مشہور شاگرد) کے پاس آئے اور وہ مدینہ والوں پر (مسئلہ) قضاء بالشاہد الواحد بالیمین کی بابت طعن کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے تو شافعی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ (خبر واحد) سے زیادتی کتاب اللہ پر نہیں جائز۔ انہوں نے کہا ہاں۔ شافعی صاحب بولے تو پھر آپ حدیث لا وصیۃ لوارث کی وجہ سے (جو خبر واحد ہے) وارث کے لئے عدم جواز وصیت کے کیوں قائل ہوئے۔ حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ} الآیۃ۔ (جس میں عموماً وصیت کا حکم ہے)۔ امام شافعی (رحمہ اللہ) نے امام محمد (رحمہ اللہ) پر اسی قسم کے اور کتنے اعتراض کئے۔ آخر محمد بن الحسن (رحمہ اللہ) بند ہو گئے۔" (اس سے ثابت ہوا کہ جمع نصوص کے ٹھیک قاعدے ان کے پاس مقرر نہ تھے جن کی ہر جگہ پابندی کرتے ہوں۔)

منجملہ ان کے ایک یہ کہ علماء تابعین میں سے جن پر فتویٰ کا اعتماد تھا، ان کو بعض احادیث صحیحہ نہ پہنچیں تھیں۔ پس انہوں نے (ان کے متعلق مسائل میں) اپنی رائے سے اجتہاد کیا تھا اور عمومات کے تابع ہو گئے تھے اور صحابہ میں سے جو پہلے ہو چکے تھے، ان (کے اقوال) کی اقتداء کر لی تھی۔ اور اسی کے موافق فتوے دیئے تھے۔ پھر وہ احادیث صحیحہ اس کے بعد طبقہ ثالثہ میں ظاہر ہوئیں۔

---

(۱) نعمانی صاحب نے فرط حمیت کی وجہ سے بلا کسی سند کے اس قصہ سے انکار کر دیا حالانکہ وہ اسناد کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے توالی التاسیس میں لکھا اور مستند لوگوں نے اسے تسلیم کیا نعمانی کے اس انکار کا رد حسن البیان میں بھی کیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا بعض احادیث کو خلاف اجماع سمجھ کر ان پر عمل نہ کرنا:

مگر (اس طبقہ کے) لوگوں نے جن میں کہ امام ابوحنیفہ و مالک ہیں عمل نہ کیا، اس خیال سے وہ احادیث ان کے تمام ملک کے عمل وطریقہ کے، جس کی بابت ان میں کچھ بھی اختلاف نہیں، خلاف ہیں (گویا اجماع کے مخالف ہیں۔ پس ضرور ان میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے، جس کی وجہ سے وہ قابل عمل نہیں) اور یہ بات (یعنی خلاف سب کے عمل کے ہونا) حدیث (کے ثبوت) میں قادح ہے۔ اور اس کے سقوط کا باعث یا وہ احادیث طبقہ ثالثہ میں (بھی) ظاہر نہ ہوئیں اور بعد میں جا کر ظاہر ہوئیں۔ جب کہ اہل حدیث نے طرق حدیث کے جمع کرنے میں کوششیں کیں اور زمین کے کناروں تک (طلب حدیث میں) سفر کئے اور علم والوں کی (تلاش و) تفتیش کی۔ تو بہت سی احادیث ایسی ملیں جن کو صحابہ میں سے صرف ایک دو شخص روایت کرتے تھے اور پھر ان سے بھی ایک ہی یا دو شخص روایت کرتے تھے اور اسی طرح پر (کمی رواۃ کے ساتھ) سلسلہ چلا گیا تو (ایسی احادیث) فقہ والوں پر پوشیدہ رہیں اور حفاظ (حدیث) کے زمانہ میں جنہوں نے طرق حدیث کو جمع کیا، کثرت سے ظاہر ہوئیں۔ جو کہ مثلاً ان کو صرف بصرہ والے روایت کرتے تھے اور تمام ملکوں کے لوگ ان سے بے خبر تھے۔

عدم استدلال موجب قدح نہیں:

تو شافعی صاحب نے بیان کیا کہ علماء صحابہ وتابعین کا ہمیشہ دستور رہا کہ وہ مسئلہ کے لئے حدیث تلاش کرتے تھے۔ جب نہیں ملتی تھیں تو کسی دوسرے طبقہ سے استدلال کرتے تھے۔ پھر جب ان کو حدیث ظاہر ہو جاتی تھی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ اور جب یہ بات ہے تو ان کا کسی حدیث سے نہ تمسک کرنا اس حدیث میں قدح (کی دلیل) نہیں (بلکہ یہ تمسک نہ کرنا حدیث نہ ملنے کی وجہ سے تھا)۔ ہاں اگر (صاف طور پر) علت قادحہ کو بیان کر دیں (تو بے شک

ثابت ہوگا کہ ان کے نزدیک وہ حدیث مقدوح ہے، لہذا ویسے طبقے ثانیہ یا ثالثہ کا ان احادیث پر باوجود ملنے کے عمل نہ کرنا صحیح نہیں)۔

اس کی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور بہت سی سندوں سے مروی ہے، جن میں اکثر ابوالولید بن کثیر کی طرف جو محمد بن جعفر سے اور وہ عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے (جو کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہیں یا محمد بن عباد بن جعفر کی طرف سے جو عبیداللہ بن عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں رجوع کرتی ہیں اور وہ (عبداللہ و عبیداللہ) دونوں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے اس کو روایت کرتے ہیں اور پھر بعد کو اس کے بہت سے سلسلے پھیل گئے اور وہ دونوں اگرچہ ثقات میں سے ہیں۔ لیکن ان لوگوں میں سے نہ تھے جن پر فتوی کا تکیہ تھا اور لوگ عموماً ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ حدیث نہ سعید بن المسیب کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور نہ زہری کے زمانے میں اور مالکیہ اور حنفیہ اہل فتویٰ کے عمل کے خلاف دیکھ کر اس پر نہ چلے اور اس کے موافق عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کرلیا اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا)۔

اسی طرح حدیث خیار مجلس کی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح حدیث ہے (اور) بہت طرق سے مروی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمر (رضی اللہ عنہما) اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا اس پر بھی عمل ہے۔ لیکن وہ فقہاء سبعہ اور ان کے معاصرین پر ظاہر نہ ہوئی۔ لہذا وہ اس کے قائل نہ تھے تو (امام) مالک (رحمہ اللہ) اور (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) نے اس بات کو اس حدیث کے لئے علت (قادحہ یعنی اس کا موجب ضعف) خیال کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کرلیا۔

اور منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ (امام) شافعی کے وقت میں اقوال صحابہ جمع کئے گئے تو وہ بکثرت فراہم ہوئے اور (انہوں نے دیکھا) تو وہ آپس میں مختلف اور متفرق تھے اور بہتوں کو حدیث صحیح کے مخالف پایا۔ کیونکہ ان صحابہ کو وہ حدیث نہ پہنچی تھی اور سلف کو دیکھا کہ وہ برابر ایسے موقعوں میں

حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔لہذا انہوں نے اقوال صحابہ سے حجت پکڑنے کو، جب تک کہ وہ متفق نہ ہوں، چھوڑ دیا۔اور کہنے لگے ھم رجال ونحن رجال۔

استحسان کا حال:

اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک گروہ فقہاء کو دیکھا کہ وہ اس رائے کو' جس کی شرع نے اجازت دی، قیاس (شرعی) کے ساتھ، جس کو شرع نے ثابت کیا ہے، غلط (کرکے) اس سے حجت پکڑتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز نہیں کرتے۔اور کبھی اس رائے کا نام استحسان رکھ لیتے ہیں اور رائے سے میرا مطلب یہ ہے کہ حرج یا مصلحت کے خیال کو کسی حکم کی علت (قرار دے کر اس پر حکم کا مدار) ٹھہرانا (یعنی حرج یا مصلحت کے خیال کی بناء پر اپنی طرف سے جدید حکم دینا) اور قیاس (شرعی) یہ ہے کہ حکم منصوص سے علت نکال کر اس پر حکم کا مدار رکھا جائے (اور غیر منصوص میں اس کو جاری کیا جائے) تو امام شافعی نے اس قسم کی رائے کا پورے طور پر ابطال کیا، اور کہا، جو استحسان کا طریقہ برتتا ہے، وہ شارع بننا چاہتا ہے۔انتہیٰ۔

شاہ صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ حدیث نہ پہنچنے ہی پر موقوف نہیں۔امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کو بعض اسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے انہوں نے باوجود حدیث پہنچنے کے بھی اس پر عمل نہ کیا اور ان کے اجتہاد و رائے نے ان کو یہی ثابت کیا (نہ یہ کہ عمداً انہوں نے حدیث رسول (ﷺ) کو حدیث سمجھ کر چھوڑ دیا)۔لیکن مابعد کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ ان احادیث پر عمل نہ کیے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

واضح مفہوم تک پہنچنے کے لئے استحضار کی ضرورت:

یہ تو نفس حدیث کے رد و قبول کے لحاظ سے تھا۔ابھی ایک بحث معنی کی باقی ہے۔بعض

نصوص کے صحیح معنی تک پہنچنا اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسری نصوص سے ملا کر اس کو دیکھا جائے۔ لہذا جب تک دیگر نصوص کو جن میں اس کی تفسیر ہے نہ دیکھا جائے صحیح مراد نہیں معلوم ہوتی۔ اور ایک ہی حدیث جو مختلف طریقوں سے مروی ہوتی ہے، جب اس کے تمام طریقوں کو جمع کر کے اس کے تمام مختلف الفاظ کو ملایا جائے تو اس کا مفہوم پورے طور پر قائم ہوتا ہے۔ ورنہ بلا اس کے بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے اور صحیح مفہوم نہیں قائم ہوتا۔ زمانہ مابعد والوں کو احادیث کے فراہم ہونے اور طرق احادیث کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ بات بخوبی حاصل ہوئی اور ان کو تعداد حدیث کے علاوہ معنیٰ حدیث کی واقفیت کا بھی زیادہ حصہ ملا۔ جیسا کہ شاہ صاحب کے کلام میں پہلے تم پڑھ چکے ہو۔ پس پہلے ائمہ کو باوجود حدیث پہنچنے کے اس کے صحیح مطلب تک نہ پہنچنے اور صحیح مراد پر عمل نہ ہونے میں ایک معذوری یہ بھی تھی۔ اور یہ اس سے علاوہ ہے جو معمولاً ایک بشر سے کسی نص کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ الحاصل ائمہ متقدمین میں سے کسی امام کا کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے کوئی وجہ نہیں کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ بلکہ اور اس تعجب کرنے پر تعجب ہونا چاہئے۔ پس بڑا افسوس ہے کہ حدیث رسول (ﷺ) جس کا وجود یقینی ہے آدمی چھوڑ دے اور محض احتمال پر ایک ایسے قول کو جس کا حدیث رسول (ﷺ) کے مخالف ہونا صاف دِکھ رہا ہے پکڑے رہے۔

حدیث پر عمل سے گریز کے حیلے!

لیکن اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض لوگ اپنے مذہب کی حمایت کے لئے جب کہ ان سے اور کچھ نہیں بنتی تو یہی کرنا چاہتے ہیں کہ سرے سے حدیث ہی کو بیکار ٹھہراویں یا فن حدیث کو ایک بے اعتبار فن ثابت کریں۔ چنانچہ وہ حدیث کی فہم اور اس پر عمل کی مزاحمت (۱) میں اشکالات کا ایک طومار تیار کر کے لا کھڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کی فہم اور

(۱) دیکھو: تقریظ مولوی محمد حسن سنبھلی بر الفتح المبین وغیرہ۔

اس سے استدلال وغیرہ تو ائمہ اربعہ ہی کا حصہ تھا۔ اور حدیث، گو کیسے ہی صحیح ثابت ہو جائے، مگر اس میں بیسیوں رخنے نکلتے ہیں۔ لہذا اس پر عمل کیسے کیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ فن حدیث اب ایک بیکار شئے ہے۔ کوئی حدیث کو بے اعتبار کرنے کے لئے اس میں بکثرت اختلاف [1] ہونا پیش کرتا ہے۔ کوئی سب میں زیادہ [2] جو احادیث کی مقبول ومسلم کتابیں صحیحین میں اس کے راویوں کو مجروح [3] دکھانے کے لئے فہرست بنا کر شائع کرتا ہے۔ کوئی صحاح ستہ وصحیح بخاری کے ان راویوں کو جو امام صاحب سے زمانہ بعد میں ہوئے ہیں صاف صاف کاذب [4] ومتعصب، اور حقانیت وسچائی سے دور رکھتا ہے اور صحاح ستہ میں اقوال معاندین ومنافقین کے داخل بتاتا ہے

---

(۱) الفتح المبین میں لکھتے ہیں: ''پھر اخذ حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک شخص اس کو منسوخ جانتا ہے اور دوسرا معمول بہ سمجھتا ہے۔ ایک کے نزدیک بنا اس کی ایک امر ہے اور دوسرے کے نزدیک اور امر پر مبنی ہے، اگر اس قسم کا اختلاف نہ ہوتا تو ہم ائمہ کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے ہم کو اختلاف رواۃ نے تقلید پر مجبور کر دیا ہے۔ انتہیٰ۔ (ص: ۱۱-۱۲) فتح مبین کا جو الکلام المبین میں دیکھو۔ اور مولوی رشید احمد صاحب سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں'' احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔''

(۲) چنانچہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ مقلدین نے شائع کی ہے۔

(۳) حالانکہ عند التحقیق صحیحین کا کوئی راوی مجروح نہیں یا اس سے روایت متابعۃً ہے، نہ استقلالاً اور اگر مجرد کسی کا جرح کرنا کافی ہے، تو خود امام صاحب میں جو جرح کی گئی ہے؟۔

(۴) دیکھو: تقریظ فتح مبین منجانب بعض مدرسین ہوگلی ان کے نامبارک الفاظ یہ ہیں: فلا شک أن فیها (أي الصحاح) أقوال المعاندین المتعصبین والمنافقین قد دخلت۔ اور لکھتے ہیں: الرواة للبخاري قد كانوا متعصبين ومنكرين على الإمام الهمام۔ فالحقيقة والصداقة من الرواة النازلين من الإمام بالتعصب أو بتداول الزمان قد فقدت فإن الآية السابقون السابقون والأحاديث خير القرون قرني قد سبقت بل على كذب الرواة النازلين قد شهدت فأين الإعتماد جميع روايات الصحاح۔ اور لکھتے ہیں: من رواة الصحاح النازلين عنه في الدرجة البعيدة التي قد شهدت بكذبه الأحاديث المذكورة۔ انتهیٰ۔

تاکہ ان کا اعتبار اٹھا دے۔ کوئی فن رجال [1] اور سلسلہ مروجہ اسناد وتحدیث کی جس پر حدیث کا مدار ہے، عیب چینی میں مبالغہ کر کے اس کو نا قابل اطمینان ثابت کرتا ہے۔

انکار حدیث کا چور دروازہ:

لیکن انہوں نے ایسا کر کے اہل حدیث کا رد نہیں کیا۔ بلکہ خود اسلام پر حملہ کیا اور اسلام کے ایک رکن رکین کی جڑ کھودنا چاہی اور اعدائے اسلام کو موقع دیا کہ ان کے اقراروں کے موافق، جو کہ اصل میں خود ہی بے اصل ہیں یا غلط فہمی پر مبنی ہیں، اسلام پر مواخذہ کریں اور اس کے ارا کین کی بے ثباتی مسلمانوں کے تسلیم کردہ بیانوں کی رو سے بیان کیا کریں۔ افسوس کہ ان کے اپنے مذہب پر تعصب اور اس کی حمایت نے کس حد تک اس کی نوبت پہنچا دی۔ لیکن انہیں کے مقتداء پہلے علماء حنفیہ [2] ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ انہیں کتابوں کو اور ان کے مؤلفین کی روایات کو مدار کار سمجھتے تھے اور حق و باطل کی تمیز کا ذریعہ انہیں کو قرار دیتے تھے اور ان کا معتبر و صحیح ہونا تسلیم کرتے تھے اور ہے بھی نفس الأمر میں یہی بات۔ چنانچہ اہل تحقیق کو کسی زمانہ میں شک نہیں ہوا اور نہ اب ہے۔ اگر حدیث ہی (جس پر احکام اور شرع کے بڑے حصہ کا مدار ہے)، غیر قابل عمل اور نا مفہوم المراد ہو جائے یا وہ عموماً بلا کسی تفصیل کے بے اعتبار یا فن رجال نا قابل اعتماد ٹھہر جائے تو پھر صحیح و غیر صحیح بات، اور راجح و مرجوح مذہب کے دریافت کا کیا ذریعہ رہے گا اور تمام متقدمین اور متأخرین برابر اس سے اپنے اپنے مطالب پر استدلال کیوں کرتے رہے۔ اور پھر جو شکوک اس میں پیدا کئے جاتے ہیں، اتنے ہی یا اس سے زائد روایات فقہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ لیکن

---

(۱) چنانچہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں اخبار آحاد کے ظنی ہونے کا ذکر چھیڑ کر اور اپنی طرف سے محدثین کو اس کا مخالف قرار دے کر اس بیان میں اس قدر طول دیا اور مبالغہ کیا کہ جس کا ظاہر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حدیث کوئی قابل اعتماد فن نہیں، لیکن اس کا مفصل جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے۔

(۲) چنانچہ طحاوی کا قول پہلے گزر چکا۔

ان مقلدین کو اقوال فقہاء قبول ہیں وہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کرنا نہیں چاہتے۔

ایک زبردست مغالطہ:

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نئی روش یہ اختیار کی ہے کہ وہ کسی مسئلہ کی حدیث کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی بحث میں بات بنانے کے لئے کہنے لگتے [1] ہیں کہ ہر امام کا ماخذ حدیث وقرآن ہے۔ اگر ایک امام مجتہد نے ایک حدیث سے اخذ کیا ہے تو دوسرے امام ومجتہد کا ماخذ دوسری حدیث ہے۔ غرض کوئی امام مخالف حدیث وقرآن کے نہیں کہتا۔ حالانکہ ماخذ ہونے میں بحث نہیں ہے۔ ہر عالم نے اپنے ارادے سے تو قرآن وحدیث ہی کا قصد کیا مگر کوئی شبہ نہیں کہ سب کے سب ہر بات میں فی نفس الأمر قرآن وحدیث کو نہیں پہنچے بلکہ کسی نہ کسی سے ضرور خطاء اجتہادی ہوئی۔ ورنہ ہر ایک کے قول کو واقع کے اعتبار سے مطابق قرآن وحدیث کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ اگر ہر ایک مطابق قرآن وحدیث کہا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن وحدیث میں بکثرت اختلاف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا} (یعنی یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔) معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اس قسم کے مواقع میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس سے سمجھا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث کسی مجنون کی بڑ یا دیوانے کا کلام ہے کہ اس نے ذرا دیر میں کچھ کہا اور ذرا دیر میں کچھ اور اس میں ہر قسم کے متضاد اقوال موجود ہیں۔ اور تمام مختلف

---

(۱) دیکھو: الفتح المبین ص: ۱۱۱ اور ۱۱۳ میں لکھتے ہیں: ''حنفیہ اس کے مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن وحدیث کے برخلاف نہیں اور ماخذ وفقہ کا قرآن وحدیث ہے، علی ہذا القیاس فقہ شافعی اور مالکی اور حنبلی بھی ہرگز مخالف قرآن وحدیث کے ہیں''۔ انتہیٰ۔ فتح مبین کے ان اقوال کا اور نیز طعن کی بابت جو لکھا سب کا جواب الکلام المبین میں اچھی طرح دیا گیا ہے۔

الاقوال اس کے مطابق وموافق ہیں۔ چنانچہ وہ اقوال مختلفہ کو حدیث (۱) کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے (۲) ہیں: ''لاریب جو مسئلہ خلاف سب نصوص کے ہے وہ باطل ہے۔'' اور یہ بھی کہتے (۳) ہیں: ''اگر ایک نص کے مقابل اور دوسری نص کے موافق ہو تو مقابل نص کسی طرح اس کو نہیں کہہ سکتے۔'' تو گویا ان کے نزدیک ایک فعل کا کلام شارع کے ساتھ موافق ومخالف دونوں ہونا یا دو مختلف ومتضاد واقوال کا موافق ہونا جائز ہے۔ حالانکہ کوئی قول ہو جب وہ قرآن وحدیث کی کسوٹی پر رکھا جائے تو وہ یا موافق ہی نکلے گا یا مخالف۔ اسی طرح جب کوئی قول موافق ہوگا تو اس کا ضد موافق نہیں ہوسکتا۔ اور گو کسی کو سرسری نظر سے کام لینے کی وجہ سے نصوص میں تعارض معلوم (۴) ہو مگر نظر تحقیق سے دیکھنے کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اور ہر اختلاف کے موقع میں ایک جانب کو ایک صریح ترجیح ظاہر ہو جاتی ہے اور معدودے چند جو مواقع ایسے ہیں کہ جہاں صریح وجہ ترجیح نہیں ملی، یا جو استنباطی مسائل ہیں اور

---

(۱) جیسا کہ ابھی الفتح المبین کے قول میں تم پڑھ چکے ہو۔ حالانکہ ترجیح وتحقیق کے موقع میں اس قسم کی باتیں کرنا محض ملمع سازی ہے، چونکہ اپنے ان مسائل سے جن کی بابت بحث ہے مخالفت حدیث کا دھبہ تو کسی طرح دور نہیں کر سکتے۔ تو ضعیف ضعیف اور ساقط روایتوں سے جو غالباً دور زمانہ میں پیدا ہوگئیں یا بعید بعید استنباطات سے استدلال کر کے کہنے لگتے ہیں، کہ ہمارے مسائل جملہ نصوص کے خلاف تھوڑی ہیں، ایک دو حدیث کے خلاف ہیں۔ تو ایک دو کے تو موافق ہیں، یا کسی عموم سے یا دلالت النص یا اشارۃ النص وغیرہ سے تو مستنبط ہیں اور اختلاف نصوص کی وجہ سے مجتہدین نے جس کو چاہا ترجیح دیا یا جانے دو۔ سب ہی کے مسائل موافق ہیں کسی کے مخالف نہیں۔ مگر پھر اہل حدیث کے مسائل سے مخالفت کیوں کرتے ہو یا ان تمام فقہاء نے ائمہ ثلاثہ باقیہ کے مسائل کا رد اپنی کتابوں میں کیوں کر کرنا چاہا اور ان کے غیر صحیح مرجوح بنانے میں کیوں اس قدر کوششیں کیں۔ ۱۲۔

(۲) دیکھو سبیل الرشاد ص: ۱۳۱، آگے عبارت یہ ہے ''ایسا مسئلہ کہ جملہ نصوص کے مخالف ہو اور کسی نص کی عبارت یا دلالت یا اشارت سے ثابت نہ ہو اور کلیات دین کے خلاف ہو وہ باطل ہوتا ہے، نہ یہ کہ کسی ایک دو حدیث کے مخالف جہلا اہل حدیث کو معلوم ہوتا ہو اور فی الواقع (حنفیہ کی رائے کے موافق) دوسری نص کے موافق اور مستنبط کلیہ دین سے ہو وہ بھی واجب الترک ہو۔'' انتہی۔

(۳) سبیل الرشاد ص: ۱۶۔

(۴) ایسے مواقع جن میں سرسری ہی نظر سے تعارض معلوم ہو کچھ بہت زائد نہیں ہے۔

صریح نص ان میں نہیں اور فریقین کے وجوہ استنباط قریب قریب برابر کے ہیں۔ ان کے خلاف میں اہل حدیث کو اصرار بھی نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو مخالف[1] حدیث کہتے ہیں۔ اہل حدیث کو تو اس قسم کے مسائل میں خلاف ہے۔ جن کی مخالفت احادیث کے ساتھ ان وجوہ سے وقوع میں آئی جن کا ذکر تم اوپر[2] دیکھ چکے ہو جن کو ہم مجمل یا مفصل لکھ چکے، البتہ ایک وجہ جو ہم نے زمانہ متقدم کے ائمہ کا انتشار کی وجہ سے احادیث کا ایک حصہ نہ پاسکنا لکھی تھی، اس کی بابت ہم کو ابھی اور کچھ لکھنا باقی ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب:

اور وہ ایک شبہ کا دفعیہ ہے، جو ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو اس کی نسبت پیش آئے، وہ یہ کہ قولی احادیث اور وہ کہ جن سے خاص خاص اوقات میں کام پڑتا ہے، تو تسلیم ہے کہ امام صاحب یا قریب کے زمانہ کے کسی دوسرے امام کو نہ پہنچی ہوں۔ مگر وہ امور کہ جن سے ہر وقت تعلق رہتا ہے اور وہ کہ روزمرہ برتے جاتے ہیں اور حضرت (ﷺ) کے وقت سے لے کر استمرار کے طور پر برابر مسلمانوں میں جاری رہے۔ مثل ہیئاتِ نماز اور طریقہ وضو یا الفاظ اذان وغیرہ جن کو صحابہ نے حضرت (ﷺ) کو کرتے دیکھا اور ان سے سیکھا اور صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے سیکھا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کو برابر دیکھتا چلا آیا اور ایسے امور میں سے کسی امر کی بابت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی سے بالخصوص ان قریب کے زمانوں والوں سے مخفی رہا ہو۔ پس ان باتوں میں سے کسی بات کی نسبت یہ کہنا کہ فلاں امام کو اُس کی بابت حدیث نہ پہنچی ہو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس کے متعلق بھی ایک مختصر تحقیق ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

---

(۱) اور جو ایسا نہ کرے ہم اس کے ساتھ متفق الرائے نہیں۔
(۲) یا بعض آگے آرہی ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ انہیں متقدم زمانوں، تابعین وغیرہم کے وقت میں ان عملی واستمراری امور کی بابت بھی رواج مختلف تھا۔ کوئی کسی طرح پر عمل کرتا تھا، کوئی کسی طرح پر۔ اور اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ باستثناء ان امور کے جن میں شارع کی طرف سے تخییر وتوسع ہے۔ یعنی جس طرح پر چاہے کرے، دونوں جائز ہیں۔ صحیح عند اللہ ایک ہی رواج وعمل تھا۔ اور دوسرا غیر صحیح۔ پس بالضرور بعض اعمال غیر صحیح بھی کسی نہ کسی وجوہ سے رواج پا گئے تھے۔ تابعین کے اختلاف کی منجملہ اور وجوہ کے سب سے بڑی وجہ صحابہ کا اختلاف تھا۔ اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے اختلاف کی غالب وجہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ پس وہی وجہ اگر بغور پڑھی جائے تو اس شبہ کے بھی بہت حصوں کے رفع کے لئے کافی ہے تاہم خاص طور پر بھی ہم اس کی ایک وجہ اور لکھتے ہیں۔ صحابہ وتابعین کے زمانہ میں بعض ایسے اعمال جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت تھے جن کو وہ لوگ واجب وفرض نہ جانتے تھے بلکہ سنت ومستحب خیال کرتے تھے چھوٹ گئے تھے اور عموماً مروج نہ رہے تھے۔ یہ چھوٹ جانا خواہ اس سے ہو کہ ان کو اِن سے زائد اہم امور میں اشتغال کی وجہ سے ان کی محافظت کی طرف توجہ نہ رہی تھی۔ یا بمقتضائے بشریت یا کسی خاص وجہ سے ایسا وقوع میں آیا یا انہوں نے قصداً اس اظہار کے لئے کہ، ان کو سنت ومستحب کی ہی حد تک رکھا جائے فرض وواجب نہ سمجھ لیا جائے، اس پر استمرار کو ترک کر دیا۔

بہر حال کتنے ایسے اعمال بھی ہیں، جن سے ہر وقت کام پڑتا ہے یا وہ استمراری اعمال کے متعلق ہیں، گو وہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہیں، ان زمانوں میں متروک ہو گئے تھے، اور وہ عام طور پر شائع نہ تھے کہ ہر کسی کا ان سے واقف ہو جانا ضروری ہو۔ چنانچہ دیکھو نماز میں جو اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہا جاتا ہے جس کو تکبیر انتقال کہتے ہیں وہ ایک زمانہ میں عام طور پر متروک ہو گئی

تھیں ۔عکرمہ [۱] تابعی نے اتفاق سے کہیں ابو ہریرۃ (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی اور انہوں نے یہ تمام تکبیرات ادا کیں، ان کو بہت تعجب ہوا اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے آکر کہنے لگے کہ یہ تو کوئی احمق ہے ۔ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا، ارے یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت ہے ۔ عمران بن حصین [۲] نے جب بصرہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی، جنہوں نے ان تکبیرات کو ادا کیا تو کہنے لگے کہ ہم کو انہوں نے وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ۔حضرت ابو موسیٰ [۳] نے بھی خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھ کر ایسا ہی کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم لوگ اس کو بھول گئے یا قصدا چھوڑ دیا۔ یہ تمام باتیں صاف کہہ رہی ہیں کہ ان تکبیرات کا رواج عموماً ترک ہو گیا تھا ورنہ یہ سب کچھ کاہے کو کہا جاتا۔

اسی طرح بعض اور کیفیات میں بھی نماز کی حالت بدل گئی تھی ۔ چنانچہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) [۴] ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھ کر کہتے ہیں ۔میں نے کسی کے پیچھے جو نماز میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مشابہ تر ہو، نماز نہیں پڑھی ۔معلوم ہوا کہ عموماً اس سے غیر نماز پڑھی جاتی تھی ۔ زہری [۵] کہتے ہیں، میں دمشق میں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے ۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں روتے ہیں ۔تو فرمایا کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے کی کوئی [۶]

---

(۱) صحیح بخاری۔

(۲) صحیح بخاری۔

(۳) مسند امام احمد وغیرہ

(۴) مسند امام احمد وسنن نسائی۔

(۵) صحیح بخاری۔

(۶) یعنی باتیں بدل گئیں اور عموماً ان پر عمل نہیں کیا جاتا نہ یہ کہ بالکل دین اٹھ گیا کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا مسلمانوں نے اپنے دین کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور ایک جماعت ہر وقت میں اس کی محافظ قائم رہی۔

بات میں نہیں پاتا بجز نماز کے اور نماز بھی کھودی گئی۔ام درداء (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں [۱]، ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) (صحابی) غصے میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا، غصے کیوں ہو تو فرمایا، میں ان لوگوں میں پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتوں میں سے کوئی بات نہیں پاتا۔مگر صرف ایک یہ بات باقی رہی ہے کہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ان شہادتوں سے ثابت ہے۔نماز کے نفس افعال میں تغیر پیدا ہوگیا تھا اور نفس افعال کے سوا بعض اقسام نماز سے بھی عموماً ان پر عمل نہ رہنے کی وجہ سے بے خبری ہوگئی تھی۔مرثد [۲] بن عبداللہ (تابعی نے) ابوتمیم (رضی اللہ عنہ) کو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا تو ان کو بڑا ہی تعجب ہوا، اور وہ عقبہ (رضی اللہ عنہ) بن عامر صحابی کے پاس آ کر کہنے لگے، میں تم کو ایک تعجب کی بات سناؤں، ابوتمیم (رضی اللہ عنہ) نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔تو عقبہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت میں ہم خود پڑھا کرتے تھے۔میں نے کہا تو اب کون چیز تم کو پڑھنے سے روکتی ہے۔کہا شغل۔

اس بحث کے متعلق روایتیں ہمارے علم میں اور بھی ہیں، مگر ایک سمجھ دار کے لئے اسی قدر شہادتیں کافی ہیں۔یہ شہادتیں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ بہت سے اعمال پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت کے زمانہ مابعد میں بوجوہ چھوٹ گئے جن سے عموماً لوگ بے خبر [۳] ہو گئے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری وغیرہ۔

(۲) صحیح بخاری۔

(۳) کاش ہمارے زمانے کے وہ لوگ جو اپنے رواج کے خلاف جب کوئی بات پاتے ہیں، تو اس کو بہت ہی بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے تمام رواجوں کو صحیح و درست خیال کرتے ہیں، ذرا اس سے عبرت پکڑتے، جب ان خیر و برکت کے زمانوں کے رواج کی یہ حالت ہے تو مابعد زمانوں کی کیا حالت ہوگی جیسا کہ علامہ ابن حجر مذکورہ بالا حدیث ام درداء کی تحت لکھتے ہیں: وكان ذلك صدر من أبي الدرداء في أواخر خلافة عثمان فيا ليت شعري إذا كان ذلك العصر والفاضل بالصفة المذكورة عند أبي الدرداء فكيف بمن جاء بعدهم من الطبقات-----

پس کوئی تعجب نہیں کہ اس قسم کے امور میں بسبب اس کے عام رواج نہ رہنے اور عموماً شائع نہ ہونے کے کوئی امر کسی امام سے پوشیدہ رہا ہو اور وہ زمانہ مابعد میں اس کے بہ سلسلہ روایت محفوظ ہو جانے اور کتب حدیث میں مندرج ہو جانے کی وجہ سے ظاہر ہو جائے۔ الحاصل حدیث کی یہ چھ مشہور اور مستند کتابیں، جو صحاح ستہ کہلاتی ہیں، جن پر زیادہ تر احادیث کا مدار ٹھہرا ہے اور جو بیشتر احادیث احکام کو حاوی ہیں، ائمہ اربعہ کے بعد تالیف ہوئیں اور صحاح ستہ کے سوا اور بھی حدیث کی بہت سی کتابیں جن سب نے مل کر احادیث کو جو کہ منتشر تھیں جمع کر کے لوگوں کے لئے آسان کر دیا، ائمہ اربعہ کے بعد ہی مدون ہوئیں۔ لہٰذا ہر قسم کے احکام کے متعلق اور ہر بات میں حدیث کا تلاش کر لینا اور اس کا پالینا پچھلوں کو بہت آسان ہو گیا۔ اور جو بات پہلوں کے افراد کو بہ مشکل معلوم ہو سکتی تھی یا معلوم نہ ہوئی اس کا علم پچھلوں کو بخوبی میسر آ گیا۔ اب تو ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو ان ائمہ میں سے کسی امام سے اس کے پوشیدہ رہنے یا اس کے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف ہو جانے میں تعجب کو ذرا بھی گنجائش نہیں، بلکہ خود ایسا ہونا نہایت قرین قیاس ہے۔

حدیث مدون ہونے کے بعد فقہاء کا طرز عمل:

لیکن اس جگہ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ان اماموں کی نسبت تو ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ ان کو احادیث کے مدون نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی یا بہت احادیث نہ پہنچی ہوں، لیکن زمانہ مابعد میں جب کہ احادیث مدون ہو گئیں، اس کے بعد جو یہ تمام فقہاء گزرے ہیں جنہوں نے فقہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کی نسبت احادیث کے پانے سے معذوری کا عذر تو کسی طرح نہیں خیال کیا جا سکتا تو مثلاً فقہاء حنفیہ جو ان فقہی مسائل کو لکھتے پڑھتے اور انہیں پر عمل کرتے اور انہیں کے حامی رہے، تو ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ہے تو کیا سب کے سب وہ ایسے بے

---إلى هذا الزمان۔ انتهىٰ۔ (فتح الباری)

دین تھے کہ ان کو حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بمقابلہ قول امام کے چھوڑتے ہوئے ذرا اللہ کا ڈر نہ آیا یا سارے کے سارے ایسے کند فہم اور بے سمجھ تھے کہ ان کو اس مسئلہ کا حدیث کے خلاف ہوتا سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ پھر ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ فقہ کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ہو۔ اس لئے کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو فن حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد کے جو فقہاء ہیں ضرور ان مسائل کو خارج کر دیتے۔ اور کبھی مسلم نہ رکھتے۔ اور جب ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث کے خلاف نہیں۔

جواب:

ہر چند کہ ایسی حالت میں فقہ کے کسی مسئلہ کو خلاف حدیث کہنا، ایک تعجب خیز امر معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کچھ مسائل فقہ کے ضرور ایسے ہیں جن میں خطاء اجتہادی [1] ہوگئی اور جن کے خلاف حدیث ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں۔ پس اس قسم کے مسائل پر فقہاء کے قائم رہنے کی، اگر وہ [2] قائم رہے ہیں، چند وجوہ ہیں، جن کو حق پسندی کے ساتھ دیکھنے کے بعد یہ سارے شبہے و تعجب ان شاء اللہ تعالیٰ بخوبی زائل ہو جائیں گے۔

وجہ اول، چند ایسے اسباب پیش آئے جن کی وجہ سے عموماً فقہاء فن حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے اور نہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے۔ ایک سبب تو وہی ہے۔ جو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہل الرائے کے طرز عمل نے جس نے مذہب تقلید کی بنا ڈالی حدیث سے استدلال اور اس کی طرف توجہ

---

(۱) جیسا کہ پہلے بیانات وشہادت علماء کثیر سے ثابت ہوا اور آگے بھی آتا ہے۔

(۲) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ممکن ہے کہ اصحاب کتب نے جو کتابوں میں یہ فقہی مسائل ذکر کئے ہیں اس میں محض اصحاب مذاہب (امام صاحب وغیرہ) کے نقل مذہب کا ارادہ کیا ہو اور اسی کو ذکر کیا نہ ذاتی تحقیقات اور اپنے مذہب کا پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان تمام مسائل سے اتفاق رائے تھا۔ ممکن ہے کہ بعض میں ان کو خلاف ہو چنانچہ بعض بعض فقہاء کے خلاف کا پتہ چلتا بھی ہے۔

کر کے ترک کا عادی بنا دیا تھا اور حدیث کا شغل کم کرنے اور اقوال علماء پر کار بند رہنے اور ان سے ہی سند پکڑنے کا طریقہ جاری کر دیا۔ جن لوگوں (۱) میں اس طرز عمل نے اپنا رنگ جمایا ان کے لئے ایک شدنی امر تھا کہ ان کا شغل حدیث کے ساتھ کچھ زائد نہ ہو۔

دوسرا سبب وہ ہے جو شاہ صاحب کے کلام میں تقلید کے جاری ہونے کے سبب میں گزر چکا کہ فقہاء کی باہم نزاع کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ جب تک کہ وہ متقدمین سے کسی عالم کا قول پیش کریں۔ اسی طرح ان کی قضاء وافتاء عالم ماسبق کے قول کے حوالے کے بغیر معتبر نہ ہوتی تھی، اور اس بات کی ان لوگوں میں اس حد تک کثرت ہوئی کہ طریقہ تقلید کا پورا رنگ ہی قائم ہو گیا۔ پس ان کو اپنے فتاوے وفیصلوں اور استدلال ومناظرات میں جس بات کی ضرورت تھی وہ صرف اقوال علماء ہیں نہ کہ قرآن وحدیث۔ اگر قرآن وحدیث کے ساتھ استدلال کا رنگ موجود وقائم ہوتا تو تقلید کا رنگ ہی کیوں جمنے پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں تقلید نے رواج پایا حدیث سے استدلال کا طریقہ اور اس کا شغل ان میں جاری نہ رہ سکا۔

تیسرا سبب خود مسلک تقلید ہے۔ تقلید کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ایسا ہونا، ایک لازمی اثر تھا۔ اس لئے کہ جس نے جس امام کی تقلید کی اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ ہر وقت وہر موقع میں اسی امام کے عندیہ وقول کو دریافت کرے اور اسی کا طالب ہو اور اسی سے اس کی غرض متعلق رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور وہ اسی پر عامل ہوا اور اسی کو اپنے لئے کافی ووافی سمجھتا رہا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا تھا اور رہا کہ حدیث کے شغل اور اس سے استنباط احکام کی طرف ان کی توجہ نہ ہو سکی اور نہ وہ اس کو اس کی اصلی غایت وموضوع لہ میں استعمال کر سکے۔

چوتھا سبب انہیں فقہی مسائل کا منظور نظر سلاطین ہونا اور عوام وخواص کا انہیں کی طرف

---

(۱) جو کہ اہل تقلید ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

توجہ کرنا اور انہیں میں تجر وکمال سے ملکی عہدوں ومعزز خدمتوں پر ممتاز ہونا ہے۔ اس وجہ سے انہیں کی زائد ضرورت ہوئی اور انہیں کی بڑی قدر ہوئی۔ اس سبب سے انہیں کے حاصل کرنے میں سرگرمی کی وجہ سے تحصیل حدیث کی طرف عموماً لوگ متوجہ نہ ہوسکے اور اس سے بیشتر بے خبر رہے۔

امام غزالی (رحمہ اللہ) فاتحۃ العلم میں تحریر فرماتے ہیں:

''اقسام علوم (۱) کی طرف مخلوق کی توجہ کی بابت زمانوں کی حالت مختلف رہی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد خلافت کے متولی خلفائے راشدین ہوئے۔ وہ خود بڑے بڑے عالم تھے جو

---

(۱) عبارت یہ ہے: إعلم أن الأعصار قد اختلف في إقبال الخلق على أنواع العلوم۔ فالخلاقة بعد رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) تولاها الخلفاء الراشدون وهم أئمة يستقلون بالفتوىٰ كانوا لا يستعينون بالفقهاء إلا في وقائع نادرة وكان الإسلام في زمانهم على طرادته فلم يكن لهم رغبة في العلم إلا لله تعالىٰ فلا جرم كان اشتغالهم بمهمات الدين ومراقبة القلب وملازمة التقوىٰ وطلب علم الحديث والقرآن للعمل والهداية لا للرواية فلما انقضى عصرهم تولى الخلافة أقوام لا استقلال لهم بعلم الفتاوىٰ واتسعت الولاية فاحتاجوا إلى القضاة والفقهاء المستقلين بالفتاوىٰ والأقضية وكان قد بقي من علماء التابعين من هو على الصفة الأول في ملازمة صفو الدين فكانوا إذا طلبوا وهربوا فاضطر الخلفاء إلى إكرامهم والإلحاح في طلبهم فرأى أهل تلك الأعصار العلماء وإقبال الخلفاء والولاة عليهم مع أعراضهم عنهم فاكبوا على طلب علم الفتاوىٰ توصلا إلى أهل العز والجاه وكثرت الرغبة في علم المذاهب واتسع هذا العلم وأكب الناس عليه ثم عرضوا أنفسهم على الولاة وتعرفوا إليهم وطلبوا الولايات منهم فمنهم من حرم ومن هم من انجح إلا من وفقه الله تعالىٰ فلم يخل عصر من الأعصار من العلماء بالله معرضين عن السلاطين لكن كان أكثر الإقبال في ذلك العصر على علم الفتاوىٰ والأقضية وهو سميته الآن علم المذهب ثم بلغت بالغة المتكلمين من المعتزلة وغيرهم وظهر من الصدور والخلفاء من مال إلى البحث عن العقائد وإلى التعصب فيه وأقبلوا على من اشتغل بذلك العلم فأكب الناس على علم الكلام فأكثروا فيه التصانيف ورتبوا فيه طرق المجادلات والمناقضات وزعموا أن غرضنا الذب عن الله والنضال عن السنة كما زعم من قبلهم أن غرضنا الإشتغال بالفتاوىٰ لتميز الحلال---

بذاتہ علم فتویٰ پر قادر تھے، اور جو سوائے نادر مسائل کے کسی دوسرے عالم سے مسائل میں مدد نہ لیتے تھے اور اسلام ان کے وقت میں اپنی تازگی پر تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی رغبت علم کی طرف اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے تھی۔ ان کا علم حدیث وقرآن کو طلب کرنا خاص عمل وہدایت کے لئے تھا نہ صرف روایت کے لئے۔ جب ان کا زمانہ گزر گیا تو خلافت کی ایسی قومیں مالک ہوئیں جو بذاتہ علم فتویٰ کا نہ رکھتی تھیں اور سلطنت بھی وسیع ہوگئی۔ لہٰذا ان کو علماء وقضاۃ کی ضرورت پڑی جو علم فتویٰ وقضا یا رکھتے ہوں۔ علماء تابعین میں سے کچھ لوگ اس وقت تک باقی تھے، جو پہلے طریقہ کے موافق خالص دین کو پکڑے ہوئے تھے، تو جب ان سے درخواست ملکی خدمات قبول کرنے کی جاتی تھی تو وہ دور دور بھاگتے تھے۔ پس سلاطین ان کا اکرام کرنے اور خوش آمد کے ساتھ قبول کرانے پر مجبور ہوئے۔ اب جب اس زمانے کے لوگوں نے علماء کی یہ قدر دیکھی تو وہ علم وفتویٰ کی تحصیل کی طرف عزت وجاہ حاصل کرنے کے لئے جھک پڑے۔ اور علم مذہب فقہ کی طرف توجہ بہت زائد ہوئی اور یہ علم خوب

--- من الحرام ثم ظهر بعد ذلك من الصدور من لم يستصوب الخوض في أصول العقائد لما فيه من الفتنة فأعرض عن المتكلمين وأقبل على المتعصب... للمذاهب في الفروع وأقبل على من يناظر في الفقه وبيان الأولى من مذهب الشافعي وأبيحنيفة خاصةً وزعموا أنهم يفعلون ذلك لله تعالىٰ وغرمنهم استنباط دقائق الشرع وبيان ماخذ الأحكام وأكثروا فيه التصانيف والإستنباط ورتبوا طرق المجادلات وأعرضوا عن الخلاف عن مالك وأحمد بن حنبل وسفيان مع أنهم إنما يخالفون من جهة الأحاديث والبحث عن معاني الأحاديث وما يصح منها ومالا يصح لهم في ماخذ الأحكام ولكن كانت رغبتهم بحسب ميل الولاة والصدور إذ كان بهم التوسل إلى الأوراد والصلات والولايات فلم يشتغلوا إلا بما يروج عندهم ولو مالت نفوس أرباب الولايات إلى الخلاف مع أحمد أو مع مالك لا شتغلوا بالبحث عن مذاهبم ومناقضاتهم ولم يسكتوا عن دعواهم انا إنما تطلب مأخذ الدين لله وفي الله فهكذا كان ترتيب الأعصار إلى الآن ولا تدري ما قدره الله تعالىٰ فيما بعد من الأعصار۔ انتهىٰ۔ (نیز دیکھئے :إحیاء العلوم ص:۴۲، جلد :اول، باب : رابع۔ع۔ح۔)

زائد وسیع ہوگیا۔ اورلوگ اس پر جھک پڑے۔ پھر اپنے آپ کو سلاطین کے سامنے پیش کیا، اور شناسائی پیدا کی اور حکومتیں حاصل کرنا چاہیں، سوکوئی مراد کو پہنچا اور کوئی محروم رہا۔ مگر کوئی زمانہ ایسے حقانی علماء سے خالی نہیں رہا جو سلاطین سے اعراض کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں زیادہ توجہ علم فتویٰ وقضایا مسائل فرعیہ کی طرف رہی جس کا نام میں نے ابھی علم مذہب لیا ہے۔

پھر ایک جماعت متکلمین معتزلہ وغیرہ کی آپہنچی اور امراء وسلاطین میں سے وہ لوگ ظاہر ہوئے، جن کی رغبت ہوئی کہ عقائد میں بحث کی جائے اور اس میں تعصب برتا جائے۔ پس لوگ علم کلام کی طرف جھک پڑے اور اس میں کثرت سے کتابیں تصنیف کیں اور اس میں مجادلوں اور مناقضات کے طریقے مرتب کردیے اور خیال کیا کہ ہم اللہ کے دین کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور سنت کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ پہلے والوں نے خیال کیا کہ ہماری غرض علم فتویٰ میں مشغول ہونے سے یہ ہے کہ حلال وحرام میں تمیز ہوجائے۔ پھر بعض وہ امراء ظاہر ہوئے جنہوں نے عقائد میں بحث کو فتنہ کے خیال سے ٹھیک نہ جانا پس انہوں نے متکلمین سے بے توجہی کی اور اس شخص کی طرف توجہ مبذول کی جو ان فروعی مسائل کے مذاہب میں تعصب برتے اور مسائل فقہ میں اور خاص کر مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے باہم ترجیح [1] میں بحث ومناظرے کرے اور خیال یہ کیا کہ یہ صرف اللہ ہی کے واسطے کرتے ہیں، اور غرض اس سے نکات [2] شریعت کا استنباط اور احکام کی اصل کا بیان کرنا ہے۔ آخر انہوں نے اس میں کثرت سے تصانیف کیں اور استنباط کیے اور مجادلے کے طریق (جیسا کہ کتب اصول اور بعض کتب فقہ میں مثل ہدایہ وغیرہ کے

---

(۱) یعنی حنفی بمقابلہ شافعی کے اپنے مذہب کی ترجیح اور اپنے مذہب کے مسائل کی خوبیاں بیان کرے اور شافعی اپنے مذہب کے لئے بمقابلہ حنفی کے ایسا ہی کرے۔

(۲) یعنی یہ مباحثے بیشتر عقلی دلائل اور وجوہات پر مبنی تھے، جیسا کہ اگلی عبارت بھی شاہد ہے۔

مذکور ہیں [۱] مرتب کر ڈالے اور ان لوگوں نے مالک اور احمد بن حنبل اور سفیان کے خلاف سے (اور ان کے مسائل کے ساتھ مقابلہ سے) تعرض نہ کیا۔ حالانکہ وہ لوگ احادیث کی رو سے خلاف کرتے تھے اور ماخذ احکام کی بحث میں احادیث کے معانی کی رو سے بحث کرنا اور یہ کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی نہیں صحیح زیادہ ضروری [۲] تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ماخذ احکام کے بیان میں دوسرے طریقے پر چلے۔ اس واسطے کہ ان کی رغبت تو امراء و سرداروں کی توجہ کے موافق تھی تو وہ اسی میں مشغول ہوئے اور جو امراء کے پاس رواج پاسکے۔ اور اگر ارباب حکومت احمد یا مالک کے ساتھ خلاف کی بحث کی طرف مائل ہوتے (یا فنون حدیث کی طرف رغبت کرتے) تو وہ لوگ انہیں کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ (لیکن چونکہ امراء اس طرف مائل نہ ہوئے لہذا وہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ پس یہ ہے زمانوں کی ترتیب ہمارے وقت تک اور ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے۔''

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

''مناظرہ [۳] سے غرض ماخذ شرع کا معلوم کرنا ہوتا ہے تاکہ آدمی رتبۂ اجتہاد کو پہنچ جائے اور وہ فروض کفایہ سے ہے۔ تو اگر کسی فرض کفایہ کو دیکھے کہ وہ متروک ہو رہا ہے۔ کوئی اس کا قائم کرنے والا نہیں تو اس کو چھوڑ کر ایسے فرض میں مشغول نہ ہو، جس کو ایک جماعت قائم کر رہی ہے اور علم حدیث اس زمانے میں فروض کفایہ سے ہے کوئی اس کا قائم کرنے والا نہیں اور وہ معدوم ہو جانے کے قریب ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہی اصل دین ہے۔''

---

(۱) جیسا کہ شاہ صاحب کے قول سے گزر چکا، دیکھو: حاشیہ ص: ۱۰۹۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کی بحث و مناظرے احادیث کی رو سے نہ تھے بلکہ وہ اور ہی طریق پر تھے۔

(۳) عبارت یہ ہے: فإن غرض المناظرة طلب ماخذ الشرع لينال رتبة الاجتهاد هذا من فروض الكفاية فإن رأى فرض كفاية معطلة لا قائم بها فلا يشتغل بما قام جماعة وعلم الأحاديث---

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً لوگوں کی انواع علوم کی طرف رغبتیں، امراء وسلاطین کی توجہ کے تابع رہیں اور امراء وسلاطین کی بیشتر توجہ فقہی مسائل اور بالخصوص خلافیات امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام شافعی ہی کی طرف رہی اور ان خلافیات میں بھی وجوہ ترجیح کی طرف جو توجہ تھی تو وہ حدیث کی تحقیق کی رو سے نہ تھی بلکہ دوسرے ہی طریقوں سے تھی۔ اسی وجہ سے حدیث کا چرچا ان زمانوں میں بہت کم رہا۔

حتی کہ امام غزالی (رحمہ اللہ) کے زمانے میں فن حدیث معدوم ہوجانے کی قریب ہوگیا تھا۔ امام غزالی کے زمانہ کی تخصیص نہیں۔ یہی حالت علم حدیث کی قریب قریب اور زمانوں میں بھی رہی امام غزالی ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

امام ابوشامہ کا قول جو ۵۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۶۵ھ میں وفات پائی، تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ امام ذہبی جو ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۴۸ھ میں وفات پائی وہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں(۱):

''اصحاب حدیث کم ہو گئے اور کم ہو گئے اور اکثر علماء زمانہ فروعات میں

---في هذا العصر من فرائض الكفايات ولا قائم به وقد أشرف على الاندراس وهو أصل الدين۔ انتهىٰ۔

(۱) عبارت یہ ہے: فلقد تقال أصحاب الحديث وتلاشوا وصار علماء العصر في الغالب عاكفين على التقليد في الفروع من غير تحرير لها ومكبين على عقليات من حكمة الأوائل وآراء المتكلمين فعم البلاء واستحكمت الأهواء ولاحت مبادى رفع العلم وقبضه من الناس فرحم الله امرأ أقبل على شانه وقصر من لسانه وأقبل على تلاوة قرآنه وبكى على زمانه وأمعن النظر في الصحيحين وعبدالله قبل أن يبعثه الاجل اللهم وفق والرحم واجعلنا منهم۔ انتهىٰ۔ ملخصا۔ دیکھو، تذکرة الحفاظ، ج: ۲، ص: ۵۳۰۔

تقلید (۱) کے مجاور ہو گئے، کچھ بھی مسائل کی تحقیق نہیں کرتے اور عقلیات یعنی علوم حکومت اور آراء متکلمین پر جھک پڑے۔ پس کیسی بلا پھیل گئی اور بدعات قوی ہوگئیں اور علم کے اٹھ جانے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ سو اللہ بھلا کرے، اس شخص کا جو اپنے حال پر توجہ کرے اور اپنی زبان کو روکے اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کرے اور اپنے زمانے کی حالت پر روئے اور بغور صحیحین (بخاری ومسلم) کو دیکھے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ کی ٹھیک ٹھیک طریقہ پر عبادت کرلے۔ اے اللہ! تو توفیق دے اور ہمارے حال پر رحم کر اور ہم کو انہیں لوگوں میں داخل کر دے۔ (جن کے یہ نصیب ہیں)''۔

اور علامہ تاج الدین سبکی جو ۷۲۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۷۱ھ میں وفات پائی اپنے زمانہ کی حالت لکھتے ہیں:

''منتہائے نظر (۲) ہمارے زمانے کے لوگوں کا علم حدیث میں مشارق (۳) الأنوار تک (۴) ہے اور اگر کبھی مصابیح تک نظر پہنچ گئی تو خیال ہو گیا کہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے۔ اور یہ

---

(۱) مسائل کو حدیث سے ملا کر انہیں دیکھتے اور ان کی تحقیق نہیں کرتے کہ جانیں ان میں سے کون سا حدیث کے موافق ہے اور کون سا نہیں ہے بلکہ بے تقلید پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: واعلم أن قصارى نظر أبناء زماننا في علم الحديث النظر إلى مشارق الأنوار فإن ترفعت إلى مصابيح البغوي ظنت أنها تصل إلى درجة المحدثين وما ذلك إلا لجهلهم بالحديث وإنما الذي يعده أهل الزمان بالغاً إلى النهاية ويناودونه محدث المحدثين وبخاري العصر من اشتغل بجامع الأصول لابن الأثير مع حفظ علوم الحديث لابن الصلاح وتقريب النواوي۔ انتهى۔

(۳) مشارق الأنوار میں صرف صحیحین کی قولی حدیثیں مذکور ہیں، صاحب مشارق الأنوار نے بھی اپنے زمانے کے لوگوں کی حدیث سے بے علم ہونے کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ کم علم نافہم جن کو صحیح وضعیف حدیث کی تمیز نہیں عالم اور پیشوا مشہور ہو گئے۔ انتہیٰ۔ صاحب مشارق الانوار نے جیسا کہ اپنے زمانے کی یا دیگر اصحاب نے اپنے اپنے ملکوں اور اپنے اپنے کی کمی علم حدیث کی بابت شکایت کی اس سبب سے بدتر حالت اس بارے میں ہندوستان کی رہی ہے اور افغانستان اور بعض دیگر ممالک میں اب تک یہی حال ہے، چنانچہ کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۴) جیسا کہ ہندوستان میں مشکوٰۃ المصابیح۔

صرف ان لوگوں کے حدیث سے جاہل ہونے کی وجہ سے ہے اور جس کو زمانہ کے لوگ اعلی درپر پہنچا ہوا سمجھتے ہیں اور اس کو محدث المحدثین اور بخاری العصر کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ وہ شخص ہے جو جامع الاصول کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوا اور اس نے ابن الصلاح کی علوم الحدیث اور تقریب نووی کو یاد کرلیا ہو۔"

ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ ان زمانوں میں فن حدیث کس کمی کے ساتھ مروج رہا، اسی پر زمانہ مابعد کی حالت کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔ گوفن حدیث مدون و مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ بجز خاص خاص افراد کے جن کے ذریعہ سے اللہ جل شانہ کو اس فن کا قائم و باقی رکھنا منظور تھا۔ عموماً علماء وفقہاء ان تمام زمانوں کے جب سے تقلید مذاہب نے اپنا قدم جمایا اس سے بے خبر رہے یا اس میں معتدبہ دخل نہ پیدا کرسکے۔

حدیث میں فقہاء غیر معتبر ہیں:

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے جو کہیں کہیں اپنی تالیفات میں احادیث ذکر کیں اور ان سے تمسک کرنا چاہا تو اس میں قابل افسوس غلطیاں کھائیں اور اسی وجہ سے فقہاء کی احادیث کا جو وہ اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اعتبار نہیں رہا، **ملا علی قاری** (رحمہ اللہ) کی موضوعات میں من قضی صلوٰۃ من الفرائض الخ کے تحت میں لکھتے ہیں:

"یہ روایت [1] باطل ہے، یقینا اور کچھ اعتبار نہیں [2]۔ صاحب نہایہ شرح ہدایہ یا دوسرے شارحین ہدایہ کے اس کو ذکر کرنے کا جو کہ انہوں نے اس کو شروح ہدایہ میں ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ

---

(۱) عبارت یہ ہے: باطل قطعا ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين لا أسندوا الحديث إلى أحد المحدثين۔ انتهى۔

(۲) یعنی موضوع۔

محدثین [1] میں سے نہیں ہیں اور نہ انہوں نے کسی محدث کا حوالہ دیا۔"

مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں:

"ملا [2] علی قاری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کتب فقیہ گوفی نفسہا فروعات مسائل کے نقل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنفین معتبر لوگوں اور فقہاء کاملین میں سے تھے۔ مگر ان کی احادیث پر اعتماد نہ کرلیا جائے اور نہ ان میں واقع ہونے سے ان احادیث کے ثابت ہونے اور وارد ہونے کا یقین کرلیا جائے۔ کیونکہ بہت سی احادیث فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئیں حالانکہ وہ موضوع اور بنائی ہوئی ہیں جو پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جھوٹ جوڑ دی گئی۔

اور مولانا موصوف اجوبہ فاضلہ [3] میں لکھتے ہیں:

"اسی وجہ سے علماء نے صاف لکھ دیا کہ کچھ اعتبار نہیں ان احادیث کا جو فقہ کی بڑی بڑی

---

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ یہ تمام شراح ہدایہ جو بڑے بڑے مقتدر عالموں میں شمار ہیں، محدث نہ تھے، اسی طرح اگلی عبارتیں جو فقہاء کے بارے میں آتی ہیں کہ یہ تمام بڑے بڑے فقہاء اصحاب تالیف وتصنیف جن پر مسائل فقیہ کا مدار ہے اور ان کی ترجیح وفتوی پر اعتماد کیا جاتا ہے محدث نہ تھے کہ جن کے علم سے فن حدیث کی بابت کوئی نتیجہ مرتب ہو سکے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وهذا الكلام من القاري أفاد فائدة حسنة وهي أن الكتب الفقهية وإن كانت من معتبرة في أنفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها أيضا من المعتبرين۔ والفقهاء الكاملين لا يعتمد على الأحاديث المنقولة فيها اعتمادا كليا ولا يجزم بورودها وثبوتها قطعا بمجرد وقوعها فيها فكم من أحاديث ذكرت في الكتب المعتبرة وهي موضوعة مختلفة۔ انتهى

(۳) عبارت یہ ہے: من ههنا نصوا على أنه لا عبرة للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم ينظر سندها أو يعلم اعتماد أرباب الحديث عليها وإن كان مصنفها فقيها جليلا يعتمد عليه في نقل الأحكام وحكم الحلال والحرام ألا ترى إلى صاحب الهداية من أجلة الحنفية والرافعي شارح الوجيز من أجلة الشافعية مع كونهما ممن يشار إليهما بالأنامل ويعتمد عليه إلا ماجدو إلا ماثل قد ذكرا في تصانيفهما ما لم يوجد له أثر عند خبير بالحديث كما لا يخفى على من طالع تخريج أحاديث الهداية للزيلعي وتخريج أحاديث شرح الرافعي لابن حجر العسقلاني وإذا كان حال هولاء الأجلة هذا فما بالک بغيرهم من الفقهاء الذين يتساهلون في إيراد الأخبار ولا يتعمقون في سند الآثار۔

کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں۔جب تک کہ ان کی سند ظاہر نہ ہو یا اہل حدیث کا ان احادیث پر اعتماد کرنا معلوم نہ ہو۔گو ان کتابوں کے مصنفین بڑے پایہ کے فقیہ کیوں نہ ہوں، جن پر نقل احکام و حکم حلال وحرام میں اعتماد کیا جاتا ہو۔کیا تم صاحب ہدایہ کو نہیں دیکھتے جو جلیل القدر حنفیوں میں سے ہیں اور رافعی شارح وجیز کو جو جلیل القدر شافعیوں میں سے ہیں، باوجودیکہ وہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عظمت شان کی طرف اشارہ کئے جاتے ہیں اور ان پر بزرگان قوم اور عالی پایہ لوگ بھروسہ کرتے ہیں۔پھر بھی ان دونوں نے اپنی کتابوں میں ایسی روایتیں درج کیں، جن کا کوئی نشان حدیث جاننے والوں کے نزدیک نہیں پایا جاتا۔چنانچہ جس نے تخریج ہدایہ زیلعی اور تخریج شرح رافعی ابن حجر عسقلانی کو دیکھا اس پر پوشیدہ نہیں۔اور جب حال ان بڑوں کا ایسا ہے تو اور فقہاء کو تم کیا خیال کرتے ہو۔جو احادیث کے لانے میں بے پرواہی برتتے ہیں اور ان کی سندوں میں غور نہیں کرتے۔''

اور نووی شرح مسلم میں لکھتے (۱) ہیں:

''ائمہ حدیث ضعیف راویوں سے کوئی حدیث روایت کر کے تنہا اس کے ساتھ احکام میں حجت نہ پکڑتے۔اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کو محدثین میں کا کوئی امام یا ان کے سوا کوئی اور محقق عالم نہیں کرنے کا۔بہت سے فقہاء یا اکثر فقہاء کا ایسا کرنا اور ضعیف ضعیف روایتوں پر اعتماد کرنا جیسا کہ وہ کرتے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ سخت برا ہے۔''

یہ صرف فقہاء کے فن حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

---

(۱) عبارت یہ ہے: فإن الأئمة لا يروون من الضعفاء شيئا يجتمعون به على انفراده في الأحكام هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء وإما فعل كثير من الفقهاء أو أكثر ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جداً۔ انتهى۔

عموماً فقہاء نے جو فقہی مسائل لکھے اور فقہ کی کتابیں تصنیف کیں تو اول تو سرے سے دلائل لکھے ہی نہیں اور جو کہیں کہیں اور کسی کسی نے لکھے اور احادیث سے استدلال کیا تو بیشتر کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو بہ نظر تحقیق دیکھا جائے اور ان کی تفتیش کی جائے تو مشکل سے ان کا بہت قلیل حصہ ایسا نکلے گا، جو اسی طور پر ثابت ہو جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا، ورنہ اکثر ساقط یا ضعیف ہیں یا قول کسی صحابی کا یا اور کسی نیچے والے کا ہے کہ اس کو قول رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیا۔ یا حدیث کس کی ہے اور کسی اور کی طرف اس کی نسبت کر دی یا ہے کیونکر اور بیان کر دی کسی طور سے۔ غرضیکہ بہت کم روایتیں ایسی نکل سکیں گی جو خطا یا صریح غلطی سے پاک ہوں۔ حالانکہ ایک مقتداء ومقتدر وصاحب تصنیف عالم کے لئے اس قدر صریح غلطیاں کرنا سخت قابل افسوس ہے۔

حدیث سے بے اعتنائی اور اس کے کرشمے:

مگر اصلی بات وہی ہے فن حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنا اور کتب حدیث کی جانب رجوع نہ کرنا، عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

”کہ صاحب [1] نہایۃ اور جو ان کے متبع شراح ہدایہ ہیں، روایت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو معارضہ سے بچی ہوئی جو بتاتے ہیں تو وہ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے سے صحیح ہی نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور یہ ساری غلطیاں تقلید کی آفت سے ہیں اور ان لوگوں کی کتب حدیث کی طرف رجوع نہ کرنے سے۔“

---

(۱) عبارت یہ ہے: و کیف یقول صاحب النہایۃ ومن تبعہ من الشراح أن روایۃ ابن عباس أسلم من المعارضۃ والحال أنہ لم یصح کما ذکرنا وھذا کلہ من آفۃ التقلید وعدم رجوعھم إلی مدارک الحدیث۔ انتھیٰ۔

اور عینی [۱] صاحب ہدایہ کے اس قول کے تحت میں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ابودجانہ کو قبر میں رکھا۔ لکھتے ہیں:

''یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ابودجانہ بعد رسول اللہ (ﷺ) کے واقعہ یمامہ میں شہید ہوئے اور سبب اس غلطی کا تقلید ہے۔ کیونکہ **شیخ الاسلام** نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا اور اسی طرح [۲] صاحب بدائع نے بھی ذکر کیا۔''

اسی طرح صاحب **نورالأنوار** نے **اَلْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا وَالْخَنَازِيْرُ لَهُمْ كَالشَّاةِ لَنَا** کو حدیث کرکے لکھ دیا۔ حالانکہ وہ صاحب ہدایہ کا قول اور ہدایہ کی ایک عبارت ہے۔ مگر غالباً بات یہ ہوئی کہ وہ اصل فن سے بوجہ توجہ نہ کرنے کے ناواقفیت تھی اور صاحب ہدایہ کا قول زبان زد ہوگیا تھا۔ بے پرواہی سے اس کو حدیث سمجھ کر حدیث کہہ دیا۔ اسی طرح نورالانوار میں اور بھی کتنی بے اصل حدیثیں ہیں جن کو یقینی طور سے حدیث کرکے بیان کردیا۔ فن اصول میں ضرورتاً حدیث کی بحث آتی ہے وہ ان اصول کی کتابوں میں جس عنوان اور جن مثالوں کے ساتھ ذکر کی ہے، فن حدیث سے واقف کار کے نزدیک بالخصوص ان عالی پایہ **مصنفین** سے ایک شرمناک بحث ہے۔ جس کی وجہ بس یہی ہے کہ ان لوگوں نے فن حدیث میں دخل نہ پیدا کیا۔ وہ جو لوگوں میں ایک مشہور حدیث ہے:

''يكثر لكم الأحاديث من بعدي فإذا روي لكم حديث فاعرضوا على كتاب الله''۔

صاحب **تلویح** نے اس حدیث کا صحیح بخاری [۳] میں ہونا ذکر کیا۔ اور یہ بھی اقرار ہے کہ وہ منقطع ہے اور

---

(۱) عبارت یہ ہے: هذا وهم فاحش فإن أبا دجانة قتل يوم اليمامة كما أسنده الطبراني في معجمه عن محمد بن اسحاق وسبب هذا الوهم التقليد، فإن شيخ الإسلام ذكر في المبسوط أيضا هكذا وكذا ذكره صاحب البدائع۔ انتهى

(۲) ان سب صاحبوں نے سخت غلطی کھائی اور کتب حدیث کو کھول کر نہ دیکھا۔

(۳) اصول کی کتاب جو کشف ہے اس کے مصنف نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری میں بتایا ہے، اول غلطی ---

اس کا راوی غیر معروف ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس حدیث کا کہیں پتہ بھی نہیں۔

دوسرے جو لوگ فن حدیث سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں، ان پر ظاہر ہے کہ یہ حدیث اس [1] اس درجہ سے بہت دور ہے کہ صحیح بخاری میں آسکے۔

تیسرے منقطع یا غیر معروف راوی کی حدیث کو بخاری کی شرط کے خلاف نہ سمجھنا بھی تعجب ہے۔

اسی کے قریب قریب وہ قصہ [2] بھی ہے جو علامہ ابن البغدادی سے وقوع میں آیا چھٹی صدی کا ذکر ہے کہ: ''شاہی دربار میں فقہاء لوگ جمع تھے۔ ایک اہل حدیث نے ان کے خلاف کسی مسئلہ پر صحیحین کی ایک حدیث سے استدلال کیا۔ **علامہ ابن البغدادی** حنفی اس کے جواب میں بولے۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس حدیث کو تو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور ان صحیحین کی احادیث کی بابت مسلم ہے کہ کوئی ضعیف نہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن البغدادی نے فرمایا: بخاری اور مسلم میں تو امام ابو حنیفہ صاحب نے جرح کی ہے۔'' یہ کیسا تعجب خیز قصہ ہے۔

اول تو بلا تحقیق حدیث کو اپنے مخالف دیکھ کر غیر صحیح کہہ دیا۔

دوسرے بخاری و مسلم کو جن کی ثقاہت اور جلالت شان پر اجماع امت ہے، بے تامل مجروح کہہ دیا۔

تیسرے امام صاحب کا بخاری و مسلم کی جرح کرنا کیسی عجیب بات ہے۔ امام صاحب

---۔ غالباً انہیں نے کھائی انہیں کی تقلیداً تفتازانی نے بھی لکھ دیا اور خود بخاری کو کھول کر نہ دیکھا اور باتوں پر غور کیا جس کی وجہ تحقیقات حدیثیہ کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

(۱) کتنے محدثین نے اس کو موضوع بنایا ہے۔

(۲) التاج المکلل ص: ۱۳۱۔

پہلے وفات پا چکے۔ بخاری ومسلم اِن سے مدت بعد پیدا ہوئے۔ پھر امام صاحب نے ان میں پہلے سے کیسی جرح کر رکھی۔

اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ فقیہ ابن البغدادی حنفی کو فن حدیث میں دخل نہ تھا، اس وجہ سے ایسا ان سے وقوع میں آیا۔

علامہ [1] محمد بن علا حنفی بڑے متبحر عالم تھے۔ یہ ہندوستان میں بھی آئے اور ہند میں انہوں نے علم پھیلایا۔ بہت متورع عالم تھے۔ مگر علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ معرفت سنن وآثار سے دور ہونے کی وجہ سے کچھ خلاف امور کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور حدیث اور اہل حدیث سے انحراف رکھتے تھے۔ حتی کہ نووی کے بھی کلام کو دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ظاہری تھے۔

علامہ [2] احمد بن سلیمان حنفی مما لک روم میں ایک بہت مشہور عالم گزرے ہیں، جن کی تصانیف تین سو سے بھی زیادہ ہیں، دار السلطنت میں برابر مفتی رہے۔ باایں ہمہ فن حدیث میں مہارت نہ رکھتے تھے، حدیث میں بہت [3] کم مایہ تھے۔

اسی طرح **قاضی القضاۃ محمد** بن عبد اللہ حنفی مقدسی تمام علوم میں ماہر تھے اور تحصیل علوم میں انہوں نے بہت کچھ کوشش کیں، لیکن حدیث میں دخل [4] نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ خود انہیں کے قول سے ثابت ہے۔

غرض ان تمام بیانوں سے بخوبی واضح ہے کہ اس وسطی زمانہ میں جو یہ تمام علماء وفقہاء

---

(۱) التاج المکلل ص: ۳۲۲، یہ آٹھویں صدی کے اخیر میں ہوئے ہیں۔

(۲) ۹۴۰ھ میں وفات پائی فقہاء کا ان پر بھی بہت اعتماد ہے۔ دیکھو: درمختار شامی وغیرہ۔

(۳) دیکھو: الفوائد البهية للعلامة اللكهنوي۔

(۴) دیکھو: الفوائد البہیۃ۔ انہوں نے ۷۸۲ھ میں وفات پائی۔

واصحاب تصنیف وتالیف گزرے ہیں ان میں سے کسی کے بڑے بڑے القاب کے ساتھ ملقب ہونے یا معز زعہدوں پر ممتاز ہونے یا عرفی بڑے فقیہ مشہور ہونے یا صاحب تالیف وتصنیف ہونے یا امام ومجتہد فی المذہب یا بڑے عالم کہلانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علم الحدیث میں بھی ماہر یا اس سے واقف تھا۔ بلکہ کچھ شک نہیں کہ اس دوران اکثر علماء وفقہاء حدیث سے ناواقف رہے اور وہ اسباب مذکور کی وجہ سے علم حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے۔ بالخصوص فقہاء حنفیہ کا حدیث کے ساتھ اشتغال ہمیشہ ہی سے اور بھی کم رہا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف (۱) میں تحریر فرمایا۔

فقہاء (۲) کا شغل احادیث سے علیحدہ رہنا اور احادیث کا تتبع نہ کرنا شاہ صاحب کے وصیت امہ (۳) سے بھی ظاہر ہے۔ پس اس صورت میں کوئی تعجب نہیں اگر فقہاء کسی ایسے مسئلہ کے قائل رہے، جو دراصل حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے ایسا ان کے حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنے اور اس سے بے خبر رہنے کی وجہ سے وقوع میں آیا۔ لہٰذا ان بزرگوں پر نہ الزام عمداً ترک حدیث کا ہے اور نہ دھبہ بے فہمی کا۔

معرفت حدیث کے بعد تقلید سے علیحدگی:

اور جن لوگوں نے فن حدیث کی طرف توجہ کی اور اس کو حاصل کیا اور اس میں نظر تحقیق سے کام لیا تو ان کی کسی طرح وہ حالت نہ رہی جیسے دوسرے مقلدین فقہاء کی ہے بلکہ جس نے جس قدر امام کے مذہب کی طرف داری کو علیحدہ رکھ کر انصاف وتحقیق سے کام لیا۔ بحسب اپنے انداز طبع او رانتقال ذہن کے اتنا ہی اس کو اپنے امام کے ان مسائل سے جو بوجوہ مذکورہ حدیث کے خلاف ان

---

(۱) یہ عبارت حاشیہ ص: ۸۷ میں گزری۔

(۲) یعنی فقہاء حنفیہ (ع۔ ح۔)

(۳) یہ عبارت عنقریب آتی ہے۔

سے وقوع میں آئے، جن میں اہل حدیث کو کلام ہے علیحدہ ہونا پڑا۔ ہم اس بات کو اگر کسی تفصیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہیں، تو اس کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب چاہئے تاہم اس جگہ دو چار صاحبوں اور چند مسائل کو بطور مثال کے ذکر کئے دیتے ہیں۔

علامہ [۱] منصور بن محمد متوفی ۴۸۹ھ حنفی المذہب تھے۔ اور حنفی مذہب کی تائید میں تیس / ۳۰ برس تک فریق مقابل سے مناظرے کرتے رہے۔ اتفاق کی بات ان کو حدیث کا شوق ہوا۔ کتب حدیث کے مطالعے میں مشغول ہوئے، اس سے ان کو حنفی مذہب سے بیدلی پیدا ہوئی۔ اسی عرصہ میں سفر حج کی نوبت آئی وہاں غالباً اہل حرمین یا دیگر ممالک کے علماء محدثین سے نوبت استفادہ کی پہنچی اس سے ان کے خیالات وجدید معلومات کی اور تائید ہوئی، آخر انہوں نے ۴۶۸ھ میں اعلان کے ساتھ حنفی مذہب کو ترک کر دیا اور شافعی مذہب کے ساتھ جو نسبتاً حدیث کے ساتھ زائد موافق ہے اپنے آپ کو نامزد کیا۔ اور گو ان کے اس انتقال سے ان کو سخت سخت مصائب کا سامنا ہوا اور ان کے وطن کے عوام وخواص ان کے دشمن ہو گئے۔ اور امیر بلخ سے ان کی بابت تشدید کے احکام پہنچے۔ آخر وہ وہاں سے نکل گئے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی تحقیقات سے ہٹے نہیں۔ اور اسی پر قائم رہے، جو ان کو ثابت ہوا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے جب علوم حدیث میں دخل پیدا کیا اور مذاہب کو دلائل سے پڑتالا تو ان کو محدثین ہی کا طریقہ پسند ہوا اور اس طرز عمل پر قائم نہ رہے جو عموماً مقلدین کا ہے۔ چنانچہ وہ خود تحریر [۲] فرماتے ہیں:

”وبعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ واصول فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشاں ست قرار

---

(۱) الفوائد البهية ترجمہ محمد بن الفضل۔

(۲) شاہ صاحب نے خود ہی اپنے ترجمہ میں ایک مختصر رسالہ لکھا ہے اسی کی یہ عبارت ہے۔ (یعنی الجزء اللطیف---

داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد۔"

اور اپنے وصیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

"درفروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودر آنجا تفریعات فقہیہ برکتاب وسنت عرض نمودن وآنچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والا کالائے بدبریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت زعرض مجتہدات برکتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء را کہ قول عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ نشنیدن وبآں التفات نہ کردن وقرب خدا جستن بدوری ایناں"۔

شاہ ولی اللہ صاحب (رحمہ اللہ) اور برصغیر ہندو پاک میں اشاعت حدیث:

شاہ صاحب کے اہل خاندان مثل شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل صاحب وغیرہم کا بھی یہی رنگ تھا۔ اسی خاندان کے فیض و برکت سے ہندوستان میں بیشتر علم حدیث پھیلا۔ فن حدیث کے مسلسل شیوع اور اس کے اس چرچے کی اسی بابرکت خاندان سے ابتداء ہے۔ اس سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کا رواج نہ تھا اور نہ عموما ہند کے علماء حدیث میں دخل رکھتے تھے بلکہ ہندوستان میں ہمیشہ سے فقہ حنفی کا چرچا رہا اور اسی کی حکومت رہی اور اس میں تبحر کے اعتبار سے منقولی علم کے علماء نامدار ہوتے رہے۔ مشکل سے متفرق وقتوں میں معدودے[1] چند افراد ایسے

---فی ترجمۃ العبد الضعیف۔ع۔ح۔)

(۱) مثل علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ کہ انہوں نے سفر حرمین شریفین میں علم حدیث وہاں کے مشائخ مثل شیخ ابی عبیداللہ زبیدی اور سید عبداللہ مدنی اور شیخ جاراللہ مکی اور شیخ ابن حجر مکی اور شیخ علی مدنی وغیرہم سے حاصل کیا تھا۔ اور مثل شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ یہ بھی حرمین محترمین میں مدتوں رہے اور وہیں علم حدیث کی تکمیل کی۔ دیکھو: مآثر الکرام وغیرہ ان کے فرزند علامہ نور الحق بھی مشہور علماء سے تھے۔

نکلتے ہیں جن (۱) کے حدیث میں دخل کا پتہ ملتا ہے۔لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حدیث کا عام

(۱) یہ افراد بھی غالبا وہی ہیں جو دوسرے ممالک مثل حرمین شریفین وغیرہما کے سفروں میں وہاں کے محدثین سے علم حاصل کر کے ہندوستان میں آئے جیسا کہ تم ابھی پڑھ چکے ہو۔شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی علم حدیث سفر حج میں مشائخ حرمین سے حاصل کیا جیسا کہ خود انہوں نے تحریر فرمایا ہے ان لوگوں کا عرب میں پہنچ کر یہ دولت حاصل کرنا اور علماء ہند سے اس کا نہ پاسکنا اور نیز ان پہلے کے بزرگوں سے پھر آگے کو علم حدیث کا سلسلہ نہ چلتا رہنا صاف دلیل ہے کہ ہندوستان کے اہل علم میں حدیث کا رواج نہ تھا اور نہ عموماً لوگوں کو اس کی طرف توجہ تھی،علامہ محمد طاہر پٹنی نے بھی اپنی تالیفات میں اس کی طرف کئی جگہ اشارہ کیا ہے۔چنانچہ مجمع البحار میں ایک جگہ لکھتے ہیں: **إن هم أهل البلاد إليه فاترة** یعنی حدیث کی طرف ان بلاد کے لوگوں کے قصد سست ہیں اور لکھتے ہیں: **فتقتضي أحوالهم أن يكون لكلام مقتصر أعلى حل الغرائب محذو فا عنه ما لا يحظى إلا من تبحر في هذا الفن و تأهل لتلك الزوائد**۔یعنی ان لوگوں کے حال کے مناسب یہ ہے کہ نادر لفظوں کا مطلب کھول دیا جائے وہ زائد باتیں نہ لکھیں جائیں، جو اس فن کے ماہر ہی کو مزا دیتی ہیں اور ان کو جو ان کے اہل ہیں (برخلاف ہندوستان کے لوگوں کے) انتہیٰ۔اور لکھتے ہیں: **لفقد من أراجعه من الأئمة الأعلام في هذه البلدان۔انتهى**۔یعنی ان بلاد میں (اس فن حدیث کا جاننے والا) کوئی بڑا عالم نہیں ہے جس کو میں یہ کتاب دکھا کر اصلاح لیتا۔انتہیٰ۔علامہ موصوف کا وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان میں اسلامی شوکت نہایت قوی تھی۔اور شاہ اکبر اہل کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔شاہ اکبر نے علامہ موصوف کا بھی بہت اعزاز کیا تھا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔دیکھو: کتب تاریخ۔اور علامہ موصوف موصوف مغنی میں لکھتے ہیں: **بل لا تجد عزماتهم عن طلب نفس الحديث الأبرياء والله المستعان على هذه المصيبة القطعية**۔یعنی اس ملک کے لوگوں کے ارادے نفس حدیث کی طلب سے خالی ہیں (پھر اور زائد تحقیقات کا تو کیا ذکر) اس سخت بری مصیبت کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔انتہیٰ۔ان بیانات سے ہندوستان والوں کی حدیث کی طرف سے بے توجہی اور ان کا حدیث سے غیر ماہر رہنا ظاہر ہے۔**ملاجیون صاحب** مؤلف نور الأنوار کے جو کہ شاہ عالمگیر کے استاد بھی تھے حدیث میں دخل کا اندازہ تم پہلے کر چکے ہو۔یہ باوجود یکہ عرب کو بھی گئے اور وہاں رہے جب بھی اس کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کی جو بزرگ سلاطین کی استادی کے لئے منتخب تھے ان کی حدیث میں مہارت کا یہ حال تھا تو اور دل کا حال اسی پر اندازہ ہوسکتا ہے غرض کوئی مبصر پہلے کے زمانے کے دور کو آنکھ کھول کر دیکھنے کے بعد اس میں شک نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کے اندر گزشتہ زمانے میں ہمارے زمانہ کی طرح علم حدیث کے درس وتدریس کا رواج نہ تھا اور نہ یہ فن اس طرح عام وشائع تھا اسی وجہ سے پہلے زمانے کے لوگ ان مسائل سے جواب فن حدیث کے شائع ہونے سے ظاہر ہوئے۔عموماً ناواقف رہے پس ان لوگوں کے ان مسائل پر کاربند نہ ہونے یا ان کے ان مسائل کے قائل نہ ہونے یا ان کے خلاف قائل ہونے پر کوئی تعجب نہیں لیکن جو لوگ واقعات پر غور نہیں کرتے ان کو تعجب ہے کہ ہندوستان میں اتنی مدت سے سلطنت اسلامی رہی اور ہندوستان میں بڑے بڑے عالم گزرے، یہ نئی باتیں پہلے کبھی سننے میں---

رواج نہ تھا اور نہ مسلسل اس کا سلسلہ قائم تھا۔ جیسا کہ فن تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قوی شہادت یہ بھی موجود ہے کہ اگر ہندوستان میں لگاتار حدیث کا رواج رہا ہوتا تو آج ہم تحصیل و تکمیل علم حدیث کی بکثرت ایسی سندیں پاتے جو علماء ہندوستان کے سلسلہ سے ہم تک پہنچتیں۔ برخلاف اس کے ہم تو دیکھتے ہیں کہ دو ایک ناموں کے بدون عموماً سندوں میں عرب کو رجوع کر جاتا ہے اور آگے علماء ہندوستان کا نام نہیں آتا۔ حالانکہ اسلام اور اسلامی سلطنت کو ہندوستان میں آئے صدہا برس گزر گئے اور مدت سے ہندوستان علوم کا گھر اور علماء کا مرکز بنا رہا۔ لیکن ہم اور علوم کی طرف ہندوستان کے آثار باقیہ میں سے علم حدیث کا اثر ونشان نہیں پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث کا رواج ہی نہ تھا اور نہ عام طور پر لوگ اس میں دخل پیدا کرتے تھے اور یہ تو ابھی تھوڑے دنوں کی باتیں ہیں کہ بیشتر فن حدیث کے درس وتدریس کا مدار جہاں تک ہم جانتے ہیں مشکوۃ شریف [1] پر تھا۔ اور وہ بھی بطور تبرک کے اس کے پڑھنے پڑھانے والا حدیث کہلاتا تھا۔ علم حدیث کے درس وتدریس کا اس کثرت سے رواج تھوڑے ہی عرصہ سے ہوا ہے۔

معمر لوگوں کا مذہب اہل حدیث پر تعجب کرنے کی وجہ:

اور چونکہ یہ رواج قریب زمانے سے ہے اِس وجہ سے ہندوستان کے لوگ مسائل حدیثیہ اور **مذہب اہل حدیث** سے بالکل اجنبی ہیں، لہٰذا وہ مسائل حدیث سن کر بہت تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص معمر لوگ کہ وہ بالکل ہی نظر انکار رکھتے ہیں، اور کسی طرح ان کو ماننا نہیں

---نہیں آئیں اگر یہ لوگ ان تمام واقعات وتحقیقات کو جو ہم نے لکھیں نظر غور وانصاف سے پڑھیں تو ان کے یہ سارے شبہے وتعجب ان شاء اللہ رفع ہو جائیں۔

(۱) شاہ صاحب نے جہاں اپنے تحصیل علوم کا حال لکھا ہے اور لکھا ہے کہ فنون متعارفہ سے بحسب رسم ان دیار کے فراغت حاصل کی تو صرف مشکوۃ شریف اور بخاری تا کتاب الطہارت پڑھنا بتایا ہے اور اس سے بہت مدت کے بعد حرمین کے سفر کی نوبت آئی۔

چاہتے۔ ان کو بڑا تعجب یہ ہے کہ ہم نے بڑے بڑے عالم دیکھے ان سے کبھی ہم نے یہ باتیں نہیں سنیں۔ حالانکہ وہ عالم ایسی حالت میں گزر گئے کہ ان کو اس علم میں جس کی بدولت ان تحقیقات پر دسترس ہوئی ہے۔ اس وقت تک اس کے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے دخل نہ ہوا تھا۔ یا انہوں نے اس کو ایسی جدّت کے زمانہ میں دیکھا کہ تعجب واجنبیت نے ان کو آگے قدم نہ رکھنے دیا۔ یا ان وجوہ میں سے کوئی وجہ پیش آئی جو ہم آگے لکھنے والے ہیں۔

ہندوستان میں شیوع حدیث کے بعد ایک عظیم انقلاب:

بہر حال علم حدیث نے جب سے ہندوستان میں رواج پایا اور اس کا درس وتدریس جاری ہوا اکثر اہل علم کے مسلک وتحقیق میں ایک عظیم انقلاب واقع ہوگیا اور ان کی وہ حالت نہ رہی جو پہلے کے فقہاء مقلدین کی تھی۔ اور جوں جوں وہ حدیث کے اثر سے متاثر ہوتے جاتے ہیں محدثین کے مسلک کو اختیار کرتے جاتے ہیں اور اپنے امام کے ان مسائل کو جن میں محدثین ان سے جدا ہیں چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ تمام افراد اسی کی مثال ہیں جس کی مثالیں ہم یہاں ذکر کرنا چاہتے (۱) ہیں۔

(۱) کیونکہ ہندوستان کے جس قدر علماء اہل حدیث ہوئے یا ہیں، وہ سب پہلے حنفی ہی تھے یا حنفی گھرانے کے۔ علم حدیث کے درس وتدریس اور اس کے اثر نے ان کو ایسا بنا دیا۔ ہمارے شہر کے افضل مشائخ صوفیہ (فیما أحسب) حضرت شاہ مولوی عبدالواجد خان صاحب نقش بندی مجددی (أدام اللہ فیوضھم) جو ہمارے یہاں کے مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ کے رئیس بھی ہیں کیا خوب فرمایا کرتے ہیں جو حدیث پڑھے پڑھائے گا وہ کہاں تک وہابی نہ ہوگا۔ حقیقت میں حدیث کا یہی اثر ہے اور بعض طبائع میں باوجودیکہ وہ حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں جو یہ اثر نہیں پیدا ہوتا تو ظاہر ہے کہ مجرد فاعل کے وجود کے اثر کا تحقق ضرر نہیں جب تک کہ قابل میں قابلیت اور وجود شرائط ورفع موانع نہ ہو۔ بیت "باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس۔ ان شرائط وموانع کی شرح متفرق طور پر ہماری اس تحریر میں بھی بغور پڑھنے سے مل سکتی ہے بایں ہمہ گو وہ اہل حدیث کی مخالفت کرتے ہیں تاہم اہل حدیث کے ساتھ اس سختی کا برتاؤ نہیں برت سکتے جیسا کہ بالکل ناواقف برتتے ہیں۔ ہم بعض علماء دیوبند وغیرہم کو جانتے ہیں کہ گو وہ ایک حد تک اہل حدیث سے علیحدہ----

اور اسی مبحث کی ایک مثال مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم لکھنوی ہیں۔ جب انہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کی تو ان کو مسلک محدثین کے ساتھ موافقت اور اپنے امام سے بہت سے مسائل میں مخالفت کرنا پڑی۔ جیسا کہ ان کی مصنفات شاہد ہیں۔ بعض نظیریں ہم بھی آگے ذکر کریں گے اور وہ خود صاف طور سے لکھ رہے ہیں (۱):

''جو شخص نظر انصاف سے کام لے گا اور فقہ و اصول فقہ کے دریاؤں میں طرف داری سے علیحدہ ہو کر غوطے لگائے گا وہ یقینا جان لے گا کہ اکثر مسائل فرعیہ فقہیہ اور اصلیہ جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے، تو محدثین ہی کا مذہب ان مسائل میں ان کے غیر سے قوی تر ہے اور میں جب اختلاف کی گھاٹیوں میں سیر کرتا ہوں تو محدثین کا قول اختلافی بات میں انصاف سے قریب پاتا ہوں۔ پس اللہ ہی کے لئے ہے خوبی ان کی اور اسی کے ذمہ ہے قدر دانی ان کی۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ وہی لوگ حقیقت میں نبی (ﷺ) کے وارث ہیں اور اس کی شریعت کے سچے خواب ہیں۔ اللہ میرا حشر ان کے ہی زمرہ میں کرے اور مجھ کو ان کی محبت اور ان کے طریقے پر دنیا سے اٹھائے۔''

---- ہیں مگر وہ اہل حدیث کے ساتھ اس طرح نہیں پیش آتے جیسے اور لوگ پیش آتے ہیں۔ بلکہ وہ اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی انکار نہیں رکھتے یہ ان کے علم و انصاف کا اثر ہے۔ کاش مسلمانوں کی خوش قسمتی سے عموماً مسلمانوں میں مسائل فرعیہ کے اختلاف کے موقعوں میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ اس قسم کے اختلافوں کو ویسا ہی سمجھیں جیسا کہ سلف کے بزرگوں میں تھا کہ باوجود باہم بکثرت اختلاف آراء الفت و محبت آپس میں ویسی ہی رکھتے تھے جیسے مسلمانوں کو باہم رکھنا چاہئے اگر ایسا ہو جائے تو کاہے کو یہ روز کے قصے جھگڑے ہوں۔

(۱) دیکھو، امام الکلام کی عبارت یہ ہے: من نظر بنظر الإنصاف و خاص في مجار الفقه و الأصول متجنبا عن الاعتساف يعلم علما يقينا أن أكثر المسائل الفرعية و الأصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها أقوى من مذاهب غيرهم و أنى كلما أسير في شعب الاختلاف أجد قول المحدثين فيه قريبا من الإنصاف فلله درهم و عليه شكرهم كيف لا وهم ورثة النبي (ﷺ) حقا و نواب شرعه صدقا حشرنا الله في زمرتهم و أماتنا على حبهم و سيرتهم۔ انتهى۔

چونکہ مولانا مرحوم صاحب نے حدیث سے واقفیت پیدا کی اور نظر اعتدال سے کام لیا۔ ان کو اقرار کرنا پڑا کہ اہل حدیث ہی کا مذہب ان کے فریق مقابل کے مقابلہ میں صحیح تر ہے۔ اسی طرح اور محققین کا یہی حال ہے۔ غرض کہ ان مسائل میں جن میں اہل حدیث کو خلاف ہے واقفیت حاصل کرنے والوں کو بحسب موافقت اسباب ضرور اپنے امام کے قول سے علیحدہ ہونا پڑا [۱]۔ نظیر کے طور انہیں مسائل کو جن میں آج کل بہت کچھ جھگڑا کیا جاتا ہے، اور ان پر عمل کرنے والوں کو سخت بری بری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے دیکھو:

رفع الیدین وغیرہ اختلافی مسائل میں مذہب کا اعتراف:

ا- رفع الیدین:

حنفی مذہب ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہ کیا جائے۔ لیکن عصام [۲] بن یوسف بلخی جو طبقات حنفیہ میں شمار ہیں، رفع الیدین کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ حدیث سے واقف تھے۔ ان کو اس کا ثبوت ہو گیا تھا۔ اور شیخ عبد الحق [۳] محدث دہلوی لکھتے ہیں: ''مارا ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم''۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں [۴]: ''حق میرے نزدیک اس قسم کے مواقع میں یہ ہے کہ سب طریقے سنت ہیں۔ اس کی مثال وتر ہے ایک رکعت کے ساتھ اور تین رکعت کے ساتھ، سب طرح درست ہے۔ اور جو شخص رفع الیدین کرتا ہے وہ مجھ کو زیادہ محبوب ہے

---

(۱) امام طحاوی کا مذہب حنفی کی بکثرت مخالفت کرنا تم پہلے پڑھ چکے ہو۔

(۲) دیکھو الفوائد البہیۃ از طبقات قاری عبارت یہ ہے: وكان صاحب حديث يرفع يديه عند الركوع وعند رفع الرأس منه۔ انتہیٰ۔ یعنی رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

(۳) دیکھو: شرح سفر السعادت۔

(۴) حجۃ اللہ میں عبارت یہ ہے: والحق عندي في مثل ذلک أن الكل سنة ونظيره الوتر بركعة واحدة وبثلاث والذي يرفع أحب إلى ممن لا يرفع فإن أحاديث الرفع أكثر وأثبت۔ انتہیٰ۔ (ص: ۲۰۷)

اس شخص سے جو نہیں کرتا۔ کیونکہ رفع الیدین کے ثبوت کی حدیثیں شمار میں اور قوت میں، دونوں باتوں میں بڑھ کر ہیں۔" اور جناب مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم لکھتے ہیں [۱]:

"جس قدر اس بارے میں تحقیق سے ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رفع الیدین کا ثبوت اور ترک دونوں ثابت ہیں مگر رفع الیدین کے ثبوت کے روایت کرنے والے صحابہ ایک جماعت کثیر ہیں اور ترک کے روایت کرنے والے جماعت قلیل۔ اور باوجود اس قلت کے بجز ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) کی روایت کے اور کئی روایتوں کی سندیں بھی صحیح نہیں، اور خود ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اور ان کے شاگردوں سے بھی ترک معتبر سندوں سے ثابت نہیں۔ پس ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ رفع الیدین سنت تو ہے لیکن سنت مؤکدہ نہیں کہ جس کے ترک کرنے والے کو ملامت کی جائے۔ مگر پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رفع الیدین کا ثبوت زیادہ تر [۲] اور راجح تر ہے"۔

۲- آمین بالجہر:

حنفی مذہب ہے کہ زور سے آمین نہ کہی جائے بلکہ چپکے کہی جائے۔ لیکن ابن الہمام حنفی فتح

---

(۱) دیکھو: التعليق الممجد عبارت یہ ہے: والقدر المتحقق في هذا الباب هو ثبوت الرفع وتركه كليهما عن رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) إلا أن رواة الرفع من الصحابة جم غفير ورواة الترك جماعة قليلة مع عدم صحة الطرق في عنهما إلا عن ابن مسعود وكذلك ثبت الترك عن ابن مسعود وأصحابه فإذا مختار أن الرفع ليس بسنة مؤكدة يلام تاركها إلا أن ثبوته عن النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) أكثر وأرجح۔ ۱۲ انتہیٰ۔

(۲) علامہ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس سفر سعادت میں لکھتے ہیں کہ رفع الیدین کے ثبوت میں ۴۰۰ روایتیں صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ انتہیٰ۔ اور جلال الدین سیوطی نے رفع الیدین کی حدیث کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا۔ رفع الیدین کی روایت تمام عشرہ مبشرہ سے ثابت ہے، ایسی دوسری کوئی روایت بہت کم ہو سکتی ہے اور بیہقی کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ رفع الیدین پیغمبر صاحب نے اپنی وفات تک کیا، لہذا منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں رہا اس کے علاوہ مجرد دعوی نسخ سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا۔

القدیر [۱] شرح ہدایہ میں اس کی بحث لکھنے کے بعد جو اپنی تحقیق ورائے بتاتے ہیں وہ آمین بالجہر ہے۔ اور امیر ابن الحاج حلیہ شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں [۲]: "ہمارے مشائخ حنفیہ نے جو اپنے مذہب آمین بالخفا کی دلیل کی ترجیح بیان کی وہ غور کرنے والے کے سامنے نقصان سے خالی نہیں۔ اس کے بعد ابن الہمام کی ترجیح آمین بالجہر والے قول کو نقل کیا۔ علامہ زیلعی [۳] نے بھی آمین بالخفاء کی حدیث کی تضعیف کی اور آمین بالجہر کی حدیث کی تصحیح، اور شاہ عبدالحق دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں [۴]۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں طور پر سمجھا جائے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔" اور اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔ "حدیث در جانب جہر بیشتر وصحیح تر آمدہ۔" اور علامہ لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں [۵]: "انصاف یہ ہے کہ دلیل کی رو سے زور سے آمین کہنا قوی ہے"۔

۳- فاتحہ خلف الامام:

حنفی مذہب ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنا منع ہے، خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ لیکن عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں [۶]: "ہمارے بعض مشائخ اس کو پیچھے امام کے سورہ فاتحہ پڑھ لینے کو احتیاطا پسند کرتے ہیں، سب نمازوں میں اور بعض مشائخ صرف سری نماز میں۔ فقہاء حجاز وشام اسی پر ہیں۔"

---

(۱) دیکھو: جلد اول، ص: ۱۲۱، مطبوعہ نولکشور۔

(۲) عبارت یہ ہے: ورجع مشائخنا ما للمذهب بما لا يعرى عن شيء نتأمله۔ انتهى۔

(۳) دیکھو: تخریج ہدایہ۔

(۴) عبارت یہ ہے: والظاهر الحمل على كلا العملين تارة فتارة۔ انتهى۔

(۵) التعلیق الممجد۔ عبارت یہ ہے: والإنصاف أن الجهر أقوى من حيث الدليل۔ انتهى۔

(۶) عبارت یہ ہے: وبعض مشائخنا يستحسنون ذلک على سبيل الإحتياط في جميع الصلاة وبعضهم في السرية فقط وعليه فقهاء الحجاز والشام۔ انتهى۔

اور ملا جیون تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں [۱]: ''اگر تم گروہ صوفیہ اور مشائخ حنفیہ کو دیکھو تو پاؤ گے کہ وہ مقتدی کے لئے فاتحہ کا پڑھنا مستحسن رکھتے ہیں، جیسا کہ امام محمد نے اس کو مستحسن رکھا ہے احتیاطاً۔شاہ ولی اللہ صاحب بھی [۲] مقتدی کے لئے جواز قرأۃ فاتحہ کے قائل ہوئے ہیں۔خواہ نماز سری ہو یا جہری لیکن جہری میں سکتات امام کے وقت پڑھے۔یہی [۳] مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم نے بھی اختیار فرمایا۔حضرت [۴] مرزا مظہر جان جاناں صاحب بھی سریہ میں قرأۃ کو افضل فرماتے تھے۔

۴-سینہ پر ہاتھ باندھنا:

وضع الأیدی علی الصدر۔حنفی مذہب ہے کہ نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھے جاویں، لیکن حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔چنانچہ معمولات مظہریہ میں ہے:''و دست برابر سینہ می بستند و مے فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف۔'' مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم [۵] نے پیغمبر صاحب (ﷺ) کے ناف کے اوپر سینہ کے پاس ہاتھ باندھنے کے ثبوت کا اقرار کیا ہے [۶]۔یہ چار مسئلے ہم نے صرف بطور مثال کے لکھے۔ورنہ مسائل اس

(۱) عبارت یہ ہے: فإن رأیت الطائفة الصوفیة والمشائخین الحنفیة تراهم یستحسنون قرأة الفاتحة للمؤتم کما استحسنه محمد أیضا احتیاطا۔انتهی۔

(۲) حجۃ اللہ ص:۲۰۷، صدیقی مطبع۔

(۳) دیکھو: التعلیق الممجد وغیرہ۔۱۲۔

(۴) دیکھو معمولات مظہریہ۔

(۵) عمدہ الرعایہ۔

(۶) مولوی رشید احمد صاحب نے جو ان چاروں مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کے صحت و ثبوت کا اقرار کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے اگر وہ اسی طرح ہے جیسا کہ ایک عالم بمقتضائے تحقیق اقرار کرتا ہے (نہ اس وجہ سے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جس کے ثبوت میں ہمارے پاس کئی دلیلیں موجود ہیں) تو وہ بھی اس موقع پر ذکر کئے جانے کی ایک---

قسم کے ہزاروں ہیں جن میں واقفیت حاصل کرنے والوں نے اپنے امام کے مذہب سے خلاف کی حقانیت کا اقرار کیا اور اس کو اختیار کیا ہے۔

فقہ کے خلاف حدیث مسائل اور فقہاء کا طرز عمل:

لیکن افسوس ہے کہ اس سے اصل مذہب کو فائدہ نہ پہنچا۔ اگر اس قسم کے فقہاء کے اقوال اس مذہب میں شامل کر لئے جاتے اور فقہ کی ان کتابوں میں جن پر مدار عمل ہے داخل ہو جاتے اور وہ مسائل جو خلاف حدیث ثابت ہوئے تھے خارج کر دیئے جاتے تو ان مذاہب کی بہت کچھ اصلاح ہوگئی ہوتی۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ انہیں مسائل کو دیکھو جن کو ہم نے نظیر کے طور پر پیش کیا ہے باوجودیکہ کیسے کیسے بزرگان قوم اور عالی پایہ فقہاء نے ان کی صحت کا اقرار کیا لیکن عموماً مقلدین کا ان پر عمل کرنے سے جو انکار ہے اور ان پر عمل کرنے والوں سے جو نفرت ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

فقہ حنفی سے تخاطب کی وجہ:

یہ امثلہ ہم نے بالتخصیص حنفی مذہب کے متعلق اس وجہ سے بیان کیں کہ بیشتر ہمارا روئے سخن حنفیہ کی طرف ہے۔ کیونکہ عموماً وہی ہمارے ہم ملک ہیں جن کے ساتھ ہم کو تخاطب ہے اور یہی وجہ دیگر مباحث میں بھی انہیں کے متعلق زیادہ کلام کرنے کی ہے۔ ورنہ مثالیں ہمارے سامنے دوسرے مذاہب کی بھی موجود ہیں۔ جن میں ان کے واقف کار علماء نے دلائل حدیثیہ کی وجہ سے اپنے اپنے مذہب سے علیحدگی کی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس قسم کے علماء بقدر حصہ رسدی بہ نسبت مقلد کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو اہل حدیث کہا جائے۔ الحاصل فن حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد فقہاء مقلدین کا ان مسائل پر قائم رہنا جو تحقیق سے حدیث کے خلاف ثابت ہوتے

---حد تک مناسبت رکھتا ہے اور اس صورت میں ہم اپنی مذکورہ بالا وجہ کو ہمارے پاس اس کا ثبوت سہی معذرت کے ساتھ واپس لیں گے۔

ہیں محل تعجب نہیں، اس لئے کہ عموماً فقہاء [۱] بوجوہ چند در چند حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے۔ لہٰذا ان

---

(۱) **ایک اسلامی برکت:**

اسلامی برکتوں میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس میں بغرض حفظ دین واحقاق حق اصلی واقعات کے اظہار میں حرج نہیں سمجھا گیا اسی وجہ سے ہمیشہ بھلی بات ہو یا بری خواہ کسی بڑے کے متعلق ہو یا چھوٹے کے علماء اسلام صاف صاف ظاہر کرتے رہے، فن رجال میں جس پر حدیث کا مدار ہے یہی بحث ہے۔ یہی وہ صفائی ہے جس نے باوجود بعد زمانہ اور طرح طرح کے انقلابات کے اصلی دین کو محفوظ رکھا۔ ہم نے جو حضرت امام صاحب یا فقہاء کی بابت حدیث کے متعلق بحث لکھی، وہ بھی اسی غرض سے اور اسی طور پر ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہماری فقہاء (رحمہم اللہ) سے نہ کوئی عداوت ہے اور نہ کوئی اور ایسا تعلق ہے جس سے ہم ان کی عیب گیری کے درپے ہوں بلکہ علاوہ اس کے کہ وہ بزرگان کرام ہمارے پیشوا اور معزز گروہ اہل علم میں سے ہمارے پیش رو ہیں۔ ہم ان کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ہم ان کے علم اور ان کی تصانیف سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور حقیقت میں کبھی متاخر طبقہ متقدم طبقہ کے احسانات کو فراموش نہیں کر سکتا کیونکہ انہیں کے توسط سے اس نے دین پایا ہے اور انہیں کا طفیلی ہے۔ پھر کس منہ سے ان کی توہین کر سکتا ہے اور بڑا بدنصیب ہے جو علماء سلف کے ساتھ بے ادبی کرے۔ لہٰذا ہر مومن کو لازم ہے کہ تمام علماء کا ادب ملحوظ رکھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ بے ادب ہونے۔ اور علماء سابقین کی تعظیم ملحوظ نہ رکھنے والے اور ان کی بدگوئی کرنے والے کا نور ایمان جاتا رہتا ہے اور فرضاً اگر ان میں سے کسی میں کوئی ایسی بات ہو بھی جو نہ ہونا چاہئے تھی، تو ہم کو اس میں پڑنے کی کیا ضرورت۔ ان کا معاملہ ان کے اپنے رب کے ساتھ ہے: {فَإِنَّهُمْ قَدْ افضوا إلى مَا قدموا} اس کے علاوہ اگر غور کیا جائے، تو ان سے صدہا درجہ زائد ہم محل عیب ہیں، بہر حال حرام اور قطعاً ناجائز ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی نسبت بلا اس خاص ضرورت ونیت کے جو ہم پہلے ذکر کر چکے کوئی بات منہ سے نکالے گو وہ بات واقعی ہو۔ اور اس خاص ضرورت میں بھی لائق نہیں کہ عیب گیری کے عنوان میں بیان کرے۔ الا ہمارا اس پر بھی اس بحث کے لکھنے سے دل متنفر تھا اور اللہ تعالیٰ شاہد ہے، ہم نے بعض اس کے متعلق بیانات جان کر چھوڑ دیئے۔ پھر بھی ہم ڈرتے ہیں کہ کوئی ناحق پسند اس محققانہ بحث کو پڑھ کر کہیں جوش تعصب میں ہمارا بدلہ پورا کرنے کے لئے محدثین کی عیب چینی کر کے اپنے آپ کو گنہگار نہ بنائے مگر یاد رہے اگر وہ کسی محدث کی عیب چینی ان کی درایت میں کرے تو ہم کب محدثین کو درایت میں معصوم قرار دیتے ہیں۔ اور اگر روایت کی رو سے ان کی عیب چینی کر کے ان کو روایۃً بے اختیار ثابت کرنا چاہے تو وہ ہم کو نہیں ستائے گا بلکہ وہ اسلام کو ڈھانے کا قصد کرتا ہے اور اگر کسی کو ہمارا ہی دل دکھانا منظور ہے تو ہم خود اس کو گر بتائے دیتے ہیں۔ محدثین ہوں یا فقہاء جس کسی کی نسبت خواہ مدح کی ہو یا ذم کی وہ بات کہی جائے جو واقعی ہے اس سے کبھی ہمارا دل نہیں دکھنے کا اور ان میں سے کسی صاحب کی بابت وہ بات کہی جائے جو واقعی نہیں اس سے ضرور ہمارا دل دکھے گا۔ لہٰذا اگر ان کو ہمارا دل دکھانا منظور ہے۔ پس خلاف واقع باتیں لکھیں۔ اور ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان بیانات سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ہم ناحق کسی کا دل دکھائیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو خود گنہگار ہیں۔

کے حق میں اس کا مدون ہونا نہ ہونا یکساں ہے اور جنہوں نے محدثین کی طرح حدیث میں دخل پیدا کیا، تو وہ لوگ ان مسائل پر دیگر مقلدین کی طرح قائم نہ رہے۔

فقہ پر اصرار کے مختلف وجوہ:

ایک بات اور ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ افراد انسانی طبائع کی وضع انداز میں مختلف واقع ہوئے ہیں۔ بعض طبیعتیں توسط، سلامت روی، انصاف پسندی کا حصہ وافر رکھتی ہیں اور بعض اس وصف وشان کی نہیں ہوتیں۔ اسی طرح بعض مزاجوں میں ایک قسم کی سختی۔ جس مذہب میں پیدا ہوئے ہیں یا جس کی طرف منسوب ہیں اس کا پاس اور اس کی طرفداری مرکوز ہوتی ہے اور وہ اس کے درست ثابت کرنے میں ایک حد تک ساعی رہتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے بلکہ وہ تحقیق کے سامنے ذرا بھی ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس وجہ سے بہت ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ کے جس قدر دلائل ہوتے ہیں وہ سب فراہم وموجود ہوتے ہیں، لیکن نتیجہ ان سے مختلف اخذ کیا جاتا ہے اور مختلف الطبائع اہل علم اس میں باہم مختلف رہتے ہیں۔ حالانکہ فریقین اس کے تمام دلائل و جوہات کو دیکھ رہے ہیں۔ زمانہ مابعد میں آپس میں خلاف قائم رہنے کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ ان فریقین میں سے کوئی فریق جان بوجھ کر حق سے انکار کرتا ہے یا عمداً صحیح بات کا رد کرتا ہے۔ بلکہ ان کی طبیعت کا انداز ہے کہ ان کو وہی صحیح بتاتا ہے جس پر وہ قائم ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نفس الأمر میں حق پر ہی ہوتا ہے۔ اور بعض دوسرے فریق پر تشدد برتنے یا متعصب ہونے وغیرہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ مثالاً ہم بعض اصحاب کے نام یہاں پر بتاتے ہیں۔ مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی فوائد بہیہ[1] میں لکھتے

(۱) اس موقع پر ہم نے فوائد بہیہ سے نقل کرنا اس وجہ سے زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی مرحوم کی تالیف ہے، جو خود اپنے آپ کو حنفی لکھتے تھے اور اصل میں تھے بھی حنفی۔ انہوں نے حنفی مذہب سے جہاں جہاں---

ہیں [۱] : ''کہ ملک عیسی بن سیف الدین حنفی المذہب تھے۔ اپنے مذہب میں متعصب تھے۔ طبقات ملا علی قاری حنفی میں ہے، مذہب ابی حنیفہ کے اندر تعصب میں بڑے غالی تھے۔'' **محمد بن شجاع حنفی**، فوائد حنفی فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں [۲]: ''علم کے دریاؤں میں سے تھے۔ ان کی تصنیف تصحیح الآثار، کتاب النوادر وغیرہ ہے۔ زکریا بن محمد ساجی کہتے ہیں، محمد بن شجاع بڑے جھوٹے تھے۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی نصرت کے لئے حدیث رسول (ﷺ) کے ابطال میں حیلے بناتے تھے۔'' **شیخ الاسلام احمد بن محمد حنفی**، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں [۳]: ''ذہبی نے سمعانی سے نقل کیا کہ آخر میں ان کو مذہبی تعصب بہت ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا نتیجہ پہنچا کہ علماء کو وحشت میں ڈال دیا اور قوموں میں عداوت پھیلا دی حتی کہ منبروں پر بیٹھ کر لعنت کی نوبت پہنچی۔''

امیر کاتب عمید، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں [۴]: ''حنفیوں کے اندر سردار تھے۔ لغت وفقہ

---تجاوز کیا تو جب ہی کیا ہے کہ ان کی تحقیقات اور ان کا علم اس پر قائم رہنے کی ذرا بھی ان کو گنجائش نہ دیتا تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ حنفیہ کے لئے ان کا وجود قابل فخر ہے۔

(۱) عبارت یہ ہے کہ: کان حنفي المذهب متعصبا لمذهبه في طبقات القاري كان متغاليا في التعصب لمذهب أبي حنيفة۔ انتهى۔

(۲) عبارت یہ ہے: من بحور العلم له كتاب تصحيح الآثار و كتاب النوادر و غيره قال زكريا ابن محمد الساجي، فأما محمد بن شجاع كان كذابا احتال في إبطال حديث رسول الله (ﷺ) نصرة لأبي حنيفة۔ انتهىٰ۔ ملخصاً۔

(۳) عبارت یہ ہے: قال الذهبي عن ابن السمعاني تعصب بأخره في المذهب حتى أوى إلى ايجاش العلماء و إغراء الطوائف حتى لعنوا على المنابر۔ انتهىٰ۔

(۴) كان رأساً في الحنفية بارعا في الفقه و اللغة كثيرا لإعجاب بنفسه شديد التعصب على من خالفه يدل عليه كلماته الواقعة في تصانيفه كشرح المنتخب الحسامي و شرح الهداية بسيط اللسان على من خالفه معاديا للشافعية و اجتهد في ذلک حكم ببطلان الصلوة برفع اليدين فرد عليه السبكي فرجع۔ انتهىٰ۔

میں پیش پیش تھے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا جانتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے الفاظ جو ان کی تصانیف مثل شرح منتخب حسامی اور شرح ہدایہ میں واقع ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں، اپنے مخالف کے ساتھ زبان درازی کرنے والے تھے۔ شافعیہ کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔ اس میں انہوں نے بڑی کوشش کی، رفع الیدین کرنے سے نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم لگا دیا تھا۔ آخر سبکی نے ان کا رد کیا، تب انہوں نے اس مسئلہ سے رجوع کیا۔" **محمود بن احمد عینی حنفی**، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں [1]: "اگر دین میں تعصب مذہبی کی بو نہ ہوتی تو بہت اچھے آدمی تھے۔" **ملا علی قاری**، مقدمہ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد میں علی قاری کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں [2]: "ان کی بعض تصانیف میں جو مذہبی تعصب کی بو ہے اگر وہ نہ ہوتی تو بہت اچھی ہوتیں۔" اسی قسم کے الفاظ امام [3] **طحاوی** اور **ابن الہمام** کی نسبت بھی کہے گئے ہیں۔

اس قسم اور اس وضع و انداز کے لوگوں میں سے اگر کسی نے اپنے مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کا اقرار کیا تو وہ تو بہت ہی قابل قدر ہے۔ لیکن جن مسائل میں جن میں فریق مقابل کے پاس قوی دلائل موجود ہیں، انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک منصف مزاج کے نزدیک ان کا ایسا نہ کرنا گو وہ لوگ حدیث میں دخل رکھتے ہوں۔ کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ان کی باوجود حدیث دانی کے اگر وہ حدیث دان تھے، حدیث کے خلاف کہتے رہنے پر کوئی تعجب ہے۔ کیونکہ یہ ان کی طبیعت کے خاص انداز کا اثر ہے۔ پس نہ ہم ان کو مخالفت حدیث کا الزام دے سکتے ہیں اور نہ قابل تعجب کج فہمی یا بے فہمی کے عمل میں لانے کا۔

---

(۱) ولو لم يكن فيه رائحة التعصب المذهبي لكان أجود وأجود۔ انتهى۔

(۲) ولو لا ما في بعضها من رائحة التعصب المذهبي لكان أجود وأجود۔ انتهى۔

(۳) چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا۔ دیکھو: حاشیہ ص: ۲۳۱، ۲۳۲۔

اس خاص وضع وانداز کے سوا ایک بات اور بھی ہے۔ بعض اوقات آدمی کسی مسئلہ کی بابت دلائل سنتا اور دیکھتا ہے۔ اور وجہ استدلال بھی اس کو معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دلائل سے اس نتیجہ کی طرف کہ دوسرا اس کو صاف دیکھ رہا ہے۔ اس کا ذہن **منتقل** نہیں ہوتا، اور نہ وہ مسئلہ اس طور پر اس کے ذہن میں سماتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ اپنے فریق مقابل کے دلائل کا کوئی کافی جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی قوی دلیل لا سکتا ہے۔ لیکن اس کی بات کو اس کی طبیعت قبول نہیں کرتی اور نہ اس کی عقل میں آتی ہے لہذا وہ اس کو نہیں مانتا۔ بلکہ اس کے خلاف پر قائم رہتا ہے۔

صحابہ (۱) میں بھی ایسا پیش آیا ہے کہ باہم مناظرہ ہوا اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل و وجوہ بیان کئے۔ پھر بھی ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا۔ حالانکہ ان کے پاکیزہ نفوس تعصب وسخن پروری وانکار حق وغیرہ ہر قسم کے عیب سے پاک تھے، پھر کیوں نہ انہوں نے باہم فیصلہ کر لیا اور اختلاف کو اٹھا دیا۔

خود امام ابوحنیفہ (۲) صاحب (رحمہ اللہ) کو دیکھو کہ وہ اور ان کے شاگرد ایک وقت میں موجود تھے اور ہر ایک نے دوسرے کے دلائل جو ان کے پاس تھے دیکھے اور سنے۔ تاہم بکثرت

---

(۱) دیکھو مسئلہ تیمم وجنب وغیرہ۔

(۲) نعمانی صاحب کے بشرکت اپنے شاگردوں کے تدوین فقہ کی بابت لکھتے ہیں۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص بات کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر اس کے جواب میں سب متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب غور وتحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے (انتہیٰ ص: ۲۰۰)۔

چونکہ محققین کی تصریح سے ثابت ہے کہ صاحبین کا امام صاحب سے دو تہائی مذہب میں خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ اختلاف والی اور اپنی اپنی رائے پر قائم رہنے والی صورت بکثرت واقع ہوئی ہے۔

ایسے مسائل ہیں جن میں ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا اور ایک نے دوسرے کی نہ مانی۔ حالانکہ ان حضرات کی نسبت نہ انکار حق کا عمداً اور نہ پاس سخن کا، اور نہ تعصب مذہبی کا اور نہ نافہمی کا۔ اور نہ اس قسم کی اور کسی بات کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں اتفاق رائے نہ ہوگیا۔ اگر کسی اصولی مسئلہ پر بناء خلاف تھی تو اس اصولی مسئلہ کا تصفیہ کیوں نہ کرلیا۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ ہر ایک کے انتقال ذہنی اور طبیعت کی خاص وضع کا اثر ہے جو ہر ایک کو وہی صحیح اور درست دکھاتا تھا جو ان کے ذہن میں تھا۔ اور دوسرے کی بات کو ان کی عقل قبول نہ کرتی تھی۔ گو نفس الأمر میں وہی حق ہو اور گو اس کے سارے دلائل بھی سن لئے ہوں، پس کچھ ضرور نہیں کہ فن حدیث مدون ہوجانے اور دلائل حدیثیہ دیکھ لینے کے بعد بھی کسی شخص کا باعتبار نفس الامر کے کسی مسئلہ کے خلاف رہنا ناممکن ہو۔ لہٰذا فقہاء کے ایسے مسائل پر قائم رہنے میں جن کو اہل حدیث دلائل کے ساتھ مخالف حدیث ثابت کرتے ہیں، کوئی تعجب (۱) یا استبعاد نہیں۔

۲۔ عقیدت وحسن ظن میں افراط:

وجہ دوم (۲)، چونکہ تقلید کی بناء حسن ظن پر ہے۔ مقلدین جس کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کے

(۱) ممکن ہے کہ اس بات کو کوئی شخص اہل حدیث کی بابت پیش کر کے ہم پر اعتراض کرے، لیکن اس جگہ ہم اس کی تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں پاتے ہم کو تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ فن حدیث کے مدون ہوجانے کے بعد فقہاء کا گو ہم تسلیم کرلیں کہ وہ ان دلائل سے جو آج اہل حدیث پیش کرتے ہیں، واقف ہوگئے تھے، ان دلائل کے خلاف اپنے مذہب پر قائم رہنا اور اسی کا ان کے ذہن میں سمانا مخالف بات کا مستبعد نہیں پس حدیث مدون ہوجانے کے بعد فقہاء کے ایک مسئلہ پر قائم رہنے سے اس کے خلاف کے صحیح نہ ہونا صریح ہے، رہی یہ بات کہ اہل حدیث کا بھی اسی طرح کسی مسئلہ میں باوجود جاننے کے نفس الامر کے اعتبار سے غلطی پر قائم ہونا ممکن ہے، تو ہم کو اس امکان سے کب انکار ہے ہم تو کہتے ہی ہیں جو تم قرآن وحدیث سے ثابت کردو، ہم تسلیم کرنے کے لئے موجود ہیں ہم کبھی یہ نہ کہیں گے کہ یہ مسئلہ صحیح نہ ہوتا تو فلاں صاحب کے کیسے اس کے قائل ہوتے باقی اس کی بابت اور بھی ہمیں کچھ نہ کہنے ہے۔ جس کو تنگی مقام لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

(۲) وجہ اول میں جو تحقیقات ہم نے ذکر کی۔ اس کو اگر بغور پڑھا جائے تو وہ ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب ہیں۔

ساتھ کمال عقیدت رکھتے ہیں۔اور اسی وجہ سے اس کی تقلید کرتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے امام بتاتے ہیں، وہ بالکل صحیح و درست اور وہی اللہ و رسول (ﷺ) کا حکم ہے اور گو امکانی طور پر کہا جاتا ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں احتمال خطا ہے۔مگر وقوعی طور پر اور دل میں امام کے ساتھ کمال حسن عقیدت اور ان کی دقت نظر اور بلاغ علمی اور وسعت معلومات اور عظمت شان پر نظر کر کے کبھی خیال نہیں جاتا کہ کوئی مسلہ ان کا خلاف قرآن و حدیث ہوگا۔بلکہ جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا ضروری العمل اور واجب التسلیم [1] ہے۔اسی واسطے کبھی اس بات کا قصد نہ کیا گیا کہ ان کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر حدیث سے مطابق کریں جو موافق ہو، اس کو قائم رکھیں اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دیں [2]۔بلکہ اگر کبھی کوئی حدیث اپنے مذہب کے مخالف نظر سے گزری بھی تو یہ خیال میں نہ جما کہ

---

(۱) نہ یہ کہ ان کے اقوال کو پرکھ کر پہلے دیکھا جائے جو قول موافق ہو وہ لیا جائے اور جو مخالف یا بلا دلیل ہو اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اگر ایسا کرتے تو مقلد ہی کیوں بنتے۔

(۲) <u>فقہاء حنفیہ کی بعض مجبوریاں:</u>

فقہاء حنفیہ نے جن کا حنفی مذہب میں دخل و اعتبار ہے، جو کتنے مسائل میں امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین وغیرہ کے اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں تو عموماً اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ان مسائل کو حدیث سے پرکھ کر ان کو خلاف حدیث پا کر چھوڑ دیا بلکہ بیشتر اس کی وجہیں اور ہی ہیں مثلاً دفع حرج و رفع ضرورت مفقود کے مسئلہ میں اور ممتدۃ الطہر کے مسئلے میں امام مالک کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا، دیکھو: رد المحتار وغیرہ دفع حرج اور رفع ضرورت کے لئے مرجوح اور ضعیف قول پر فتوی دینا بھی جائز رکھا گیا۔دیکھو: رد المحتار دریافت میں سہولت ہونا دَہ دردَہ کے مسئلہ پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا۔ دیکھو عمدۃ الرعایۃ و درمختار وغیرہ حالانکہ وہ امام اعظم صاحب کا قول نہیں ہے، مفتی و مستفتی کے لئے آسان ہونا، مسائل حیض میں امام ابو یوسف کے قول پر نیز مشائخ بخارا کے نزدیک مسائل ذوی الارحام میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا۔دیکھو: شرح وقایہ و شریفیہ وغیرہ اس قسم کے مسائل اور بہت ہیں۔کسی کا صاحب تجربہ ہونا مسائل قضاء و شہادت میں قاضی ابو یوسف کے قول پر اسی واسطے فتوی دیا گیا کہ وہ صاحب تجربہ تھے اور خود قاضی رہے تھے۔دیکھو: رد المحتار وغیرہ۔غرض حنفیہ نے جہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑا ہے تو بیشتر اسی قسم کے وجوہ سے چھوڑا نہ یہ کہ یہ اخذ و ترک دلائل حدیثیہ کے تابع تھا اور جہاں کہیں کسی نے ایسا کیا ہے تو پھر اس کی بات نہ ہم کو اعتراض ہے اور نہ وہ شبہ اس کی بابت وارد ہوتا ہے جس کے جواب میں ہم مشغول ہیں۔

فی الواقع یہ حدیث ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ بلکہ یہی خیال ہوا کہ دراصل اس حدیث کے کوئی ایسے معنی ہیں جس سے ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ غلط نہیں ہوسکتا اور گو سر دست [(۱)] ہماری سمجھ میں اس کا کوئی جواب یا وہ معنی نہ آئیں مگر کوئی ضرور ایسی بات ہے، جس سے ہمارے مذہب کو کوئی گزند نہیں آتا، بلکہ بالا طبقہ کے لوگ معتقدین کے لئے کوئی نہ کوئی معنی یا جواب ایسا بتا دیتے تھے جس سے ان کو تسکین ہو جاتی اور پھر ان کو کوئی شبہ باقی نہ رہتا۔

ہم نہیں کہتے کہ ان کا ایسا کرنا از راہ نفسانیت بغرض رد حدیث تھا۔ بلکہ غالباً وہ اسی طرح پر حق الامر اور واقعی بات خیال کرتے تھے۔ جس کی اصل وجہ وہی کمال عقیدت اور اپنے امام کی بے انتہاء عظمت کا دل میں سمایا ہونا ہے، جس کے باعث سے مخالف پہلو خیال میں جگہ ہی نہیں تھا، اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ یہ بھی خیال تھا کہ ہم کو نہ ان کی اسی [(۲)] وقت نظر نصیب ہے اور نہ اس قدر علم ہے اور نہ ویسی فہم اور نہ ان سے خلاف کرنے کا منصب ہے، بلکہ بعض کا تو یہاں تک خیال ہوا کہ قرآن وحدیث سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا انہیں معدودے چند افراد پر ختم ہوگیا۔ [(۳)] اور ہم لوگ موافق ومخالف کو سمجھ ہی نہیں سکتے بجز اس کے کہ انہیں کے قولوں پر چلے جائیں اور اسی واسطے ان کی تقلید اختیار کی۔ پس جب یہ خیالات تھے تو کیسے ہوسکتا تھا کہ امام کے مسائل لے کر احادیث کے ساتھ پرکھے جاتے اور ایک ایک کو بطور خود تحقیق کیا جاتا کہ ان کا موافق ومخالف ہونا معلوم ہوتا۔ پس فقہاء مقلدین کے ان مسائل پر قائم رہنے پر جو تحقیق سے مخالف حدیث ثابت ہوتے ہیں۔ گو فن حدیث مدون ہو چکا تھا، کوئی تعجب نہیں، اس لئے کہ انہوں نے وہ طرز عمل ہی نہیں برتا جس سے

(۱) ہم کو خود بعض مقلد علماء سے بعض مسائل میں گفتگو کی نوبت پہنچی جب وہ گفتگو میں مغلوب ہوئے تو کہنے لگے ہم کو جواب نہیں آتا تو کیا ہمارے ہم مذہب دوسرے عالم کوئی جواب رکھتے ہوں گے۔

(۲) جیسا کہ ان کے عمل وعقیدے سے ظاہر ہے اور طبقات فقہاء کا بیان جو پہلے تم پڑھ چکے وہ بھی اس کا شاہد ہے۔

(۳) دیکھو بعض تقریظ فتح مبین اور انتصار حق وغیرہ۔

مخالف ہونا معلوم ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی مخالف نظر پڑا بھی تو اس کی بابت حدیث کی کوئی نہ کوئی ایسی تاویل وغیرہ کردی جس سے یہ خرخشہ رفع ہوگیا۔ اس پر بھی کتنے فقہاء نے بہت سے مسائل میں اضطراراً اپنے خلاف کا اقرار (۲) کیا ہے، جیسا کہ تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ (۱)

فقہاء نے جو کہیں کہیں مسائل کے دلائل سے بحث کی ہے اور ان کی وجوہات و دلیلیں بیان کی ہیں اور مناظرات کیئے تو اول تو یہ بحث بیشتر دلائل حدیثیہ کے ساتھ تھی نہیں (۳)۔ بلکہ دلائل عقلیہ کے ساتھ تھی۔ دوسرے وہ بحث غالباً شافعیہ وحنفیہ کے باہم نزاع کے متعلق ہے۔ جس سے بڑی

(۱) فقہاء کو ان کے اپنے امام کے ساتھ حسن عقیدت اور ان کے قول کی تصحیح اور ان کے مذہب کی پاسداری نے بعض اوقات ایسے ایسے جوابوں اور تاویلوں پر مجبور کیا، جو صاحب تحقیق کے نزدیک نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہیں، مثلاً طحاوی اور ابن الہمام اور عینی وغیرہم نے رفع الیدین کی نفی کے لئے ہے، اس کو منسوخ ٹھہرادیا اور صرف اسی بنا پر کہ بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے رفع الیدین نہ کرنا مروی ہوا ہے مولانا عبدالحیٔ صاحب کیا خوب لکھتے ہیں: وأما دعوى نسخه كما صدر عن الطحاوي مغترا بحسن الظن بالصحابة التاركين وابن الهمام والعيني وغيرهم من أصحابنا فليس بمبرهن عليها بما يشفي العليل ويروي الغليل۔ انتهى۔ اور طحاوی کا حنفی مذہب کے لئے بلالحاظ ضعف وقوت حدیث کے، رائے کے ساتھ استدلال کرنا پہلے مذکور ہو چکا۔ اور شیخ ابراہیم حلبی نے کبیری شرح منیۃ المصلی میں آمین کے مسئلہ کی بابت ابراہیم نخعی کے قول اور ایک ایسی روایت کو جس کی بناء وہم پر ہے، صحیح حدیث رسول کے معارض ومقابل قرار دے کر آمین بالخفاء کو ترجیح دی۔

(۲) جن فقہاء نے جو بعض مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کی صحت کا اور اپنے ان مسائل کے ضعف کا اقرار کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اپنے مذہب کے تمام مسائل کو لے کر ایک ایک کو پرکھا اور پڑتالا تھا اور ضعیف ان میں سے اسی قدر پائے جن میں ضعف کا اقرار کیا اور باقی کو قوی اور دلیل کے موافق دیکھا اور صحیح پایا اور نفس الامر میں باقی حدیث کے موافق وصحیح ہیں، اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مسائل میں بعض اتفاقات سے توجہ وتحریک کے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے ان پر تنبیہ ہوجاتا ہے، پس سب میں ایسا ہونا ضروری نہیں، دوسرے اگر بعض میں ضعف کے اقرار کرنے سے باقی کا موافق دلیل وصحیح ہونا لازم ہو تو ایک فقیہ بعض مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے، دوسرا فقیہ ان کے سوا بعض دیگر مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے تو اگر اس فقیہ کے اقرار کردہ مسائل کے سوا کل صحیح تھے تو دوسرے فقیہ نے ان کے سوا کے ضعف کا کیسے اقرار کیا، وعلی ہذا القیاس اور زیادہ تحقیق ہمارے بیانات میں خود موجود ہے۔

(۳) چنانچہ شاہ صاحب کے کلام میں دیکھو: (حاشیہ ص: ۱۰۷) پہلے اور ابھی امام غزالی کے کلام میں گزر چکا---

غرض اپنے مذہب کے مسائل کی ارجحیۃ اور قوت اور دوسرے کے مسائل کی مرجوحیت اور ضعف کا ثابت کرنا تھا۔ ہر فریق اپنے امام کے ساتھ کمال حسن عقیدت رکھتا تھا اور اپنے مذہب کے مسائل صحیح تر اور ارجح سمجھتا تھا اور اسی کے اثبات میں بمقابلہ دوسرے کے مشغول [1] تھا۔ ایک سمجھ دار آدمی غور کرسکتا ہے کہ ایسی بحث سے مسائل کو حدیث کے ساتھ مطابقت کی بابت کس قدر نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے اس سے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بجائے اس کے کہ مسائل کو حدیث کے تابع کیا جائے اور اس کی کسوٹی پر رکھ کر کھرا کھوٹا علیحدہ کیا جائے، ان احادیث کو جو اپنے خلاف ہوں گی، کھینچ کھینچ کر اپنے مسائل کے تابع کرنا ہوگا۔ اور کسی نہ کسی طرح سے ان کے مسائل کے غیر مخالف یا موافق بنایا جائے گا۔ چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوا اور آئندہ نسلوں کو اپنے متقدمین معتقد فیہم وہ معنی دیکھ کر اور بھی استحکام ہوا، بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے اور تاویلات اضافہ کیں، اور اس مضمون کو مزید برآں ترقی دی اور ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ایسا ہی کرتے۔ و إلى الله المشتكي۔

۳- قوی تحریک کا فقدان:

وجہ سوم، قانون قدرت ہے کہ کسی نئے خیال کا حدوث اور پچھلی حالت کا تغیر اور جاری شدہ بات کا پلٹنا قوی تحریک کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب فقہاء میں خاص خاص اماموں کی تقلید اور تخصیص کے ساتھ ان کے مسائل اور اقوال پر عمل اور انہیں کے ساتھ استناد عام طور پر جاری ہوگیا۔ اور یہی کافی

--- اور شاہ عبدالحق صاحب شرح سفر السعادۃ، ص: ۲۳ میں لکھتے ہیں: کتاب ہدایہ کہ در دیار ما مشہور و معتبر ترین کتابہاست نیز دریں وہم انداختہ چہ مصنف وی رح در اکثر بتائے کار بر دلیل معقول نہادہ و اگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفی نہ غالبا اشتغال آں اساتذ در علم حدیث کمتر بودہ است۔ انتہی۔ اور علامہ منصور بن محمد تیس برس تک تائید مذہب حنفی میں علم حدیث کی طرف توجہ سے پہلے مناظرے کرتے رہے ظاہر ہے کہ وہ مناظرے دلائل حدیثیہ کے ساتھ نہ تھے۔

(۱) چنانچہ اوپر مثلاً ص: ۱۰۵ کئی جگہ گزر چکا۔

اور روانی سمجھا گیا اور عقیدت کے ساتھ نسلاً بعد نسل جاری رہا۔ پس ان مسائل سے ہٹنے یا ان میں سے کسی کا غلط ہونا خیال میں آنے کے لئے بڑی قوی تحریک کی ضرورت تھی۔ ورنہ ویسے بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک آیت یا حدیث کو بار بار پڑھتا اور دیکھتا ہے مگر اس سے وہ نتیجہ جو کسی تحریک جو کسی تحریک پر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، اپنے آپ سے خیال میں نہیں آتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی طرف نفس کی توجہ اور اس کی کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ اور اگر کوئی مخالف حدیث گو نظر سے گزرے تو اس کی تاویل وجواب پر جس کو بباعث حسن عقیدت کے خود پیدا کیا یا پہلے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اطمینان کرلیا گیا۔ عام طور پر فریق [1] مقابل کوئی ایسا موجود نہ تھا، جو برملا ان کی ذہن نشین تاویلوں و معنوں کی غلطیاں محدثین کے طریقہ پر ان پر ظاہر کر کے ان کو اس طرف متوجہ کرتا۔ ان کے اپنے ذہن نشین خیالات کے خلاف کی بھنک بھی ان کے کان تک نہ پہنچتی تھی۔ پھر ان کو اپنے متوارث بات کے خلاف کی طرف توجہ اور اس کی تحقیق کا خیال ہوتا تو کیسے۔

---

(۱) حدیثوں کی تقسیم!:

ہمارے (متحدہ) ہندوستان میں تو سوائے حنفیہ کے کوئی اور فریق ظاہراً تھا ہی نہیں عموماً سب یک خیال کے تھے (إلا ماشاء اللہ) البتہ دوسرے ممالک میں شافعیہ وغیرہم تھے اور ان کے ساتھ رد وقدح بھی ہوتا تھا۔ مگر اول تو اس رد وقدح کا طرز ہی دوسرا تھا جیسا کہ پہلے ظاہر ہو چکا۔ دوسرے شافعیہ بھی آزادانہ بحث نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ وہ خود بعض مسائل میں الزامی جوابوں کے مورد تھے۔ جن مسائل میں وہ خود حدیث کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ جب ہر فریق کو اپنے اپنے مذہب کے مجموعہ مسائل کا التزام تھا تو فرداً فرداً مسائل میں مناظرہ کا اور اس میں جو راجح ہو جائے اسی کا ہر شخص کو اختیار کر لینے کا کوئی موقع نہ تھا اس سب پر مستزاد وہ بات ہے جو کہ ان لوگوں سے سننے میں آئی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیال ان لوگوں میں کس زمانہ سے پیدا ہوا) جب وہ احادیث کو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ فلاں حدیث شافعی مذہب کی ہے اور فلاں حدیث ہمارے مذہب کی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ تو شافعیوں کی کتابیں ہیں۔ انہوں نے اپنے مذہب کی حدیثیں لکھ دیں ہمارے مذہب کی نہیں ہیں نہ جب انہوں نے احادیث کو تقسیم کر کے اس طرح فیصلہ کرلیا تھا تو پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ اپنے مخالف حدیث سے۔ جس کو وہ شافعی مذہب کی ٹھہرا چکے تھے متأثر ہوتے۔ کیونکہ اس سے اب ان کو غرض رہی تھی، وہ تو طے شدہ ہے کہ دوسرے مذہب کی ہے۔

تحقیق پسند فقہاء کا مسلک حدیث کی طرف رجوع:

چنانچہ جس کو یہ تحریک ہوئی اور اس نے اس طرف توجہ کی، اس کے خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا اور اس کو اپنی روش سے ہٹنا پڑا۔ امیر کاتب عمید کی بابت تم پڑھ چکے ہو کہ جب سبکی نے ان کا رد کیا تو انہوں نے متنبہ ہو کر اپنے قول سے رجوع کیا۔ علامہ منصور (رحمہ اللہ) بن محمد (رحمہ اللہ) کا حال بھی تم دیکھ چکے۔ باوجودیکہ وہ حنفی مذہب کے ایسے دل دادہ تھے کہ تیس برس اس کی تائید میں مناظرے کرتے رہے۔ جب ان کو دوسری جانب تحریک و توجہ ہوئی تو حنفی مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ علامہ [1] صالح مقبلی صنعانی محدث ہجرت کر کے جب مکہ معظمہ میں آ کر رہنے لگے۔ وہاں کے بعض علماء نے ان کے اپنے اسلاف کے مخالف اور طریقہ اہل حدیث پر ہونے کی وجہ سے مخالفت کی اور زندیقیہ کی تہمت لگا کر ان کی شکایت سلطان روم تک پہنچائی۔ سلطان معظم نے اپنے ہاں کے بعض علماء کو ان کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے آ کر ان کو پڑتالا اور دیکھا تو خود بھی انہیں کے ہم مسلک ہو گئے۔ چونکہ مقبلی کی ملاقات ان کے لئے محرک واقع ہوئی اور انہوں نے اعتدالی نگاہ سے کام لیا جو کہ ایک تحقیقات کرنے والے کا فرض منصبی ہے، تو وہ بھی اہل حدیث ہو گئے۔ ممالک یمن میں تو بکثرت اس قسم کے لوگ ہوتے رہے ہیں جیسا کہ بدر الطالع سے ظاہر ہے۔ سچ ہے الإِيمَانُ يَمَانٍ [2] ہمارے ہندوستان میں بھی جب سے اس قسم کے بحث مباحثے ہوئے اور لوگوں کو اس طرف توجہ و تحریک ہوئی۔ ہزارہا عالم اس طرف ہو گئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

---

(۱) دیکھو: بدر الطالع علامہ موصوف ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) یعنی ایمان یمن والوں کا ہے، اس حدیث کو صحیحین میں روایت کیا ہے۔

سلاطین کی روش:

سابق زمانوں میں صرف یہی نہ تھا کہ اس تحریک کا سبب معدوم تھا، بلکہ اس کے لئے قوی موانع بھی موجود تھے۔ یہ تو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ سلاطین اسلام عموماً مقلد ہی ہوتے رہے اور حکومت کی باگ مذہب تقلید کی ہاتھ میں رہی۔ امن وعافیت عز وجاہ کل اسی رنگ میں حاصل تھا۔ قضاء وافتاء سب انہیں اہلِ مذاہب کے لئے مخصوص تھے۔ سلاطین جب کسی کو قاضی مقرر کرتے تو اُن سے شرط کر لیتے کہ اسی مذہب کے موافق جس کے وہ مقلد کہلاتے تھے، پابندی کر کے فیصلے کریں، اور یہ کہ جو اس کے پیش رو قاضی ہو چکے ہیں، جن کی جگہ یہ مقرر ہوا کرتے تھے، ان کے قانون اور مسئلوں کی اتباع کرتے رہیں۔ پس کوئی قاضی مذہب کے خلاف کیسے دم مار سکتا تھا۔ چنانچہ فقہاء مذہب نے قرار ہی (۱) دے لیا کہ مقلد قاضی کوئی فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف کرے تو وہ نافذ نہیں اور گو إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ کا ایک حیلہ تھا۔ مگر کوئی کہاں تک کر سکتا تھا اور تمام فقہاء مذاہب کو کیسے سمجھاتا اور ان کے شور وشغب کا کیوں کر مقابلہ کرتا۔

اہل حدیث سے بغض:

عموماً لوگوں کے اہل حدیث کے ساتھ عناد اور برتاؤ کا حال ذیل کے قصے سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابو حفص (۲) کے زمانے میں ایک شخص نے حنفی مذہب سے علیحدہ ہو کر رفع الیدین کی اور پیچھے امام کے فاتحہ پڑھنے لگا۔ شیخ ابو حفص کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سخت غضبناک ہوئے اور اس کے

---

(۱) درمختار میں ہے: وأما المقلد فلا ينفذ قضاءه بخلاف مذهبه أصلا كما في القنية قلت ولا سيما في زماننا، فإن السلطان ينص في منشورة على نهيه عن القضاء بالأقوال الضعيفة، فكيف بخلاف مذهبه۔ انتهى۔ شامی لکھتے ہیں: قد ذكر الحموي أن عادة سلاطين زماننا إذا تولى أحدهم عرض عليه قانون من قبله وأمر باتباعه۔ انتهى۔

(۲) ابو حفص کبیر علماء حنفیہ میں بڑے مشہور ومستند شخص ہیں۔ متوفی ۲۶۴ھ۔

بارے میں سخت سست کہنے لگے۔ اور بادشاہ سے جا کر کہہ دیا۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ برسر بازار اس کو درے لگائے۔ آخر کار کچھ لوگ رحم کھا کر شیخ موصوف کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سعی سفارش کی۔ اس کو لاکر ان کے حضور میں حاضر کیا اور اس نے توبہ کی تو اس سے عہد و پیمان لے کر گویا از سر نو مسلمان کر کے چھوڑا (۱)۔ تب اس کی جان بچی۔ بیچارے حدیث پر عمل کرنے والوں کی یہ قدریں کی جاتی تھیں۔ اور کتنے قصے (۲) تم پہلے بھی پڑھ چکے ہو جن میں کیسے کیسے معزز اہل علم کے ساتھ اسی گناہ میں کیا کیا برتاؤ برتے گئے اور ان کے ایسا کرنے سے ان کو بدعتی ٹھہرایا جانا اور چھوڑ دیا جانا بھی معلوم کر چکے۔ پھر ایک منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کتنے آدمی ایسے نکل سکتے ہیں جو جان و آبرو پر کھیل کر سلطنت و دنیا کا مقابلہ کر کے مذہب کی پابندی کے خلاف حدیث کے مسئلہ پر اعلان کے ساتھ کاربند ہوتے۔

طفل تسلیاں:

اس کے علاوہ ایسے موقعوں میں آدمی کچھ نہ کچھ حیلہ شرعی خیال کر کے اپنے آپ کو معذور بھی خیال کر لیتا ہے، اور اس قسم کے اظہار سے باز رہتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں رفع الیدین کو ترجیح دی تو اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں: ''لیکن ایسی صورتوں میں آدمی کو یہ لائق نہیں کہ اپنے او پر شہر کے عوام کا فتنہ برپا کرے۔'' اور دلیل میں حدیث: **لولا حدثان قومک**، الحدیث پیش کی۔ کبھی خیال کر لیتا ہے۔ یہ اختلافی مسائل ہیں، اتفاقی نہیں جن کا خلاف سخت

(۱) عبارت یہ ہے: إن رجلا في عهد الشيخ أبيحفص الكبير ترك مذهبه وكان يقرأ خلف الإمام ويرفع يديه عند الركوع ونحو ذلك فأخبر الشيخ بذلك فغضب الشيخ وعنف وأمر السلطان حتى أمر الحداد بأن يضربه بالسياط عند الصيادفة حتى دخل ناس على الشيخ فشفعوا وتاب وأدخلوا عليه فعرض ما يجب عرضه من باب الدين ثم خلى سبيله۔ انتہیٰ۔ دیکھو: فتاوی حمادیہ وتاتارخانیہ وغیرہ۔

(۲) دیکھو ص: ۱۴۱، ۱۴۲۔

مذموم ہو۔ کبھی یہ خیال کر کے کہ اس طرف بھی بڑے بڑے آدمی ہیں، ان کی بھی کچھ نہ کچھ دلیل ضرور ہوگی۔ یا یہ کہ جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔ اپنے جی کو سمجھا لیتا ہے، کبھی یہ سوچ کر کہ اتفاقی مسائل وحسنات کیا کم ہیں، جن کی پابندی نیل ثواب کے لئے بس کرتی ہے، جو اختلافی امور میں پڑ کر بے اطمینانی پیدا کی جائے، جس سے وہ اتفاقی بھی چھوٹ جائیں۔ غرض اسی قسم کی وجہیں سوچ کر اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے۔ اور عوام اور اکثر کا خلاف کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دینے سے روک لیتا ہے۔ جس سے ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان ہی [1] سب کا ہم خیال ہے۔ حالانکہ دل میں وہ ان کا مخالف ہے اور کچھ اسباب اس قسم کے ہم پہلے بھی لکھ چکے [2] ہیں۔ بہر حال مشکل سے کوئی عالم ایسے نکل سکیں جن کی بابت تعجب اور استبعاد کی گنجائش ہو۔

اس لئے کہ اس سے قبل چند مراحل ہیں کہ جن کا طے کرنا بجائے خود مشکل ہے۔ اول کسی

---

(۱) تقلید کی مجبوریاں:
بعض صاحبوں سے تو یہاں تک ثابت ہوا کہ وہ برابر اپنے مذہب کے مسائل کی تائید میں مجمعوں اور مجلسوں میں گفتگو کرتے تھے اور دل میں خود ان کے معتقد نہ تھے۔ لیکن اپنے منسوب الیہ مذہب کی پاس داری کے لئے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی صدیق بن علی زبیدی حنفی کے حال میں لکھتے ہیں۔ مجھے ان سے مجمع کے اندر بعض مسائل میں گفتگو کی نوبت آئی۔ میں نے مسائل فقہ حنفیہ پر اعتراض کئے اور اپنے دلائل بیان کئے اور وہ برابر اپنے مذہب کی تائید میں ان کی تاویلیں کرتے رہے۔ پھر میں ان سے خلوت میں ملا اور میں نے ان سے کہا سچ بتائیے، کیا جو گفتگو کے وقت آپ کہہ رہے تھے، دل سے اس کے معتقد ہیں؟ تو فرمایا جو جو مسئلے دلیل کے خلاف ہیں چاہے کوئی ان کا قائل ہو میں قائل نہیں۔ اور جو قول ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا حدیث کے خلاف پڑتا ہے میں اس کو اختیار نہیں کرتا لیکن (گفتگو جو کرتا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آدمی اپنے مذہب کی طرف سے جواب دیا ہی کرتا ہے۔ انتہیٰ۔ دیکھو: بدر طالع۔ ہم بھی اپنے زمانے کے بعض علماء کو جانتے ہیں جو خلوت میں بعض مسائل میں اہل حدیث کی موافقت کرتے ہیں، لیکن لوگوں کے سامنے پکے حنفی بنے رہتے ہیں۔ اصحاب تصنیف فقہاء نے جو اپنے مذہب کے مسائل اور دلائل لکھے ممکن ہے کہ ان کا ایسا کرنا علامہ زبیدی کی طرح ہو اور گو ان کو تمام مسائل کے ساتھ اتفاق رائے نہ ہو مگر بیان مذہب کے لئے ان کو ذکر کیا اور پھر ان کے وجوہ ودلائل بھی لکھ دیئے تا کہ کوئی ناواقف یہ نہ جانے کہ بالکل بے اصل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) دیکھو ص: ۱۴۴۔

ایسے قوی محرک کا پیش آنا، جس سے متوارث بات کی غلطی اور اس کی تحقیق کی طرف توجہ ہو سکے، دوسرے درصورت مروج ومتوارث کے خلاف حق ثابت ہو جانے کے اظہار سے کوئی مانع ومزاحم کا پیش نہ آنا یا اگر آیا تو اس کی پرواہ نہ کرنا۔ تیسرے پھر کسی شرعی مصلحت یا کسی اور عذر کا خیال جو اظہار کو روکے، نہ قائم ہونا۔ چوتھے اظہار کرنا کسی ایسے طریقے سے جو ہم تک نہ پہنچ سکے۔ پس ان باتوں کے بعد یہ کہنا کہ یہ مسائل اگر صحیح وحق نہ ہوتے تو اس قدر علماء جو بعد تدوین حدیث کے گزرے وہ ان کے موافق کیوں ہوتے، ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی دقیق النظر واقعات روزگار سے خبر واحد پسند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جن علماء کی بابت یہ استبعاد ہے نہیں معلوم وہ کس مرحلے میں رہے۔ بوجہ عدم محرک کے تنبہ نہ ہوا یا ہجوم مصائب نے روک دیا۔ یا کوئی شرعی مصلحت یا عذر ان کو اپنے مناسب حال خیال میں جما جس نے اظہار سے باز رکھا۔ یا اظہار کیا لیکن نہ اظہار عام۔ یا اظہار عام تھا لیکن ہم تک خبر نہ پہنچی۔ پس باوجود ان تمام احتمالات کے کسی ایسے مسئلہ کی بابت جو تحقیق سے خلاف حدیث ثابت ہوتا ہے۔ یہ عذر پیش کرنا کسی طرح قابل پذیرائی نہیں۔

۴-فن اصول فقہ اور اس کا مخصوص نہج واسلوب:

وجہ چہارم بذریعہ جن قواعد کے دلائل سے مسائل نکالے جاتے ہیں ان کا نام ہے اصول پہلے فن اصول جیسا کہ تم سابق معلوم کر چکے ہو، مرتب ومدون نہ تھا۔ اس کی تحریر وترتیب کی ابتداء تو امام شافعی سے ہے۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، اس میں ایجادیں اور تنقیحیں ہوتی گئیں، اور روز بروز اس کے اندر ترقی اور اضافے ہوتے رہے۔ آخر کار وہ ایک وسیع [1] اور مہتم بالشان فن [2]

(۱) نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: ''اگر زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا،--- اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے، جن کا امام ابوحنیفہ کے زمانے میں اثر بھی نہ تھا۔'' (انتہی ص: ۲۱۷).

(۲) فن اصول نہایت مہتم بالشان اور دقیق فن ہے اور استنباط مسائل کرنے والے کے لئے گویا ہاتھ کا عصا ہے---

ہوگیا۔جس وقت فن اصول نے یہ اپنی خاص صورت نہیں پیدا کی تھی، اس وقت تک علماء استنباط مسائل اور تطبیق نصوص اپنے ذاتی سلیقوں اور طبعی شہادتوں کی رہنمائی سے کرتے تھے یا کچھ قاعدے بھی ذہن میں ہوں، مگر ان کا ضبط وجمع نہ ہوا تھا اور نہ ان کی کوئی تعبیر مقرر ہوئی تھی اور نہ ان کی یہ اجتماعی ہیئت تھی اور نہ وہ بحث اور مناظروں میں استدلال کے وقت لائے جاتے تھے۔ یہ ساری باتیں زمانہ مابعد کی ترقیوں اور موشگافیوں سے پیدا ہوئیں۔

علماء مقلدین نے جو اس فن کو ترتیب دیا تو اس کے ایک حصہ میں یہ مصیبت پیش آئی کہ انہوں نے قواعد کو اپنے امام کے فرمودہ مسائل کی تابع قرار دے کر مرتب کیا اور ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ایسا کرتے۔کیونکہ جب فن اصول کی غایت ہے دلائل سے مسائل کا استنباط۔اور ان کے مسائل وہ تھے، جو ان سے پہلے ہی ان کے امام ان کو تعلیم دے چکے۔پس ضرور تھا کہ ایسے قواعد مرتب کئے جائیں، جن کی رو سے ان دلائل سے جو ان کے علم میں تھے، اور جن کو وہ جانتے تھے وہی مسائل مستنبط ہوسکیں۔ورنہ ظاہر ہے کہ بلا اس کے اصول سے ان کو کیا حاصل تھا۔لہٰذا انہوں نے قواعد کا وہ طرز رکھا کہ ان کے ذریعہ سے جو ان کے مسائل تھے، وہ قرآن وحدیث کے موافق ہوجائیں اور دلائل سے ٹھیک مستنبط ہوسکیں۔اور ہر مذہب کے مقلد نے اس طور پر اپنے مذہب کی خدمت کی اور اس کو گویا قواعد سے ثابت کردیا(۱)۔اور پھر جو قواعد کہ بعض مسائل کے لحاظ سے ترتیب دیئے گئے اور

---اس کے قواعد مثل دیگر علوم آلیہ کے ہیں۔علم نحو و معانی و منطق و مناظرہ وغیرہ سے ملتے جلتے ہیں۔لیکن ضرورت ہے کہ آزادی کے ساتھ لغت ومحاورات عرب وعرف کے تابع قرار دے کر قواعد مرتب کئے جائیں۔متاخرین میں سے علامہ محمد بن علی شوکانی یمنی کی کتاب ارشاد الفحول اس فن میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔انہوں نے مذاہب اربعہ و دیگر ائمہ کے اقوال وقواعد اس میں ذکر کرکے ہر ایک کے دلائل و وجوہات بھی لکھے ہیں اور پھر عرب کے محاورات وعرف وغیرہ کی رو سے محاکمہ کیا ہے۔

(۱) بالخصوص جب کہ حنفیوں اور شافعیوں کا اور ہر ایک کے اپنے مذہب کو ترجیح دینے کا بہت شور وزور تھا۔---

بعض دیگر مسائل ان کے مناقض ہوئے تو اس کی جواب دہی میں تکلفات سے کام لیا۔

اس کے علاوہ ان کے ایسا کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ فروع میں تو اپنے اپنے امام کے فرمودہ مسائل میں تابع تھے ہی، جب انہوں نے اپنے اپنے اماموں کے اصولی قواعد معلوم کرنا چاہے تو جن قواعد کی امام سے تصریح نہ تھی، ان کے معلوم کرنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ ان کے طرز استدلال (۱) سے اور ان کے مسائل مستنبطہ کے لحاظ سے اصول قائم کئے جائیں۔ لہذا ان کے مسائل کے نشانہ قدم پر اصول قائم ہوئے۔ اور جب اصول مرتب ہو گئے تو وہ اصول مسلمہ اور لازمی قواعد قرار پا گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے (۲):

"منجملہ ان باتوں کے جن میں سمجھیں بھٹک گئیں اور قدم پھسل گئے، یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان میں بناء خلاف ان اصول پر ہے جو بزدوی (۳) وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ان میں کے اکثر قواعد وہ ہیں، جو خود ہی ان اماموں کے اقوال پر تخریج کر کے نکالے گئے ہیں۔"

پھر اس کے بعد شاہ صاحب اصول کے چند قاعدوں کا بطور مثال جن کی بنا پر بہت سی

--- پس ایسے قواعد کی ضرورت تھی جن کے توسط سے اپنے مذہب کے مسائل بالکل مطابق ثابت ہوں اور دوسرے کے مخالف دکھائی دیں۔ چنانچہ نور الانوار و توضیح وغیرہ کے مباحث و بیانات کو دیکھو۔

(۱) نعمانی صاحب جامع کبیر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں، متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں، زیادہ تر اسی کتاب کے طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ انتہیٰ۔

(۲) عبارت یہ ہے: منها الرأي التي ضنت في بواديها الأفهما وذلت الأقدام أني وجدت بعضهم يزعم أن بناء الخلاف بين أبيحنيفة والشافعي على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدوي ونحوه، وإنما الحق أن أكثرها أصول مخرجة على أقوالهم۔ انتهىٰ۔

(۳) حنفیہ کے یہاں اصول کی اکثر متعارف کتابوں کا ماخذ و پیشتر یہی بزدوی کی کتاب ہے۔

احادیث غیر معمول بہ ٹھہرادی جاتی ہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں [1]۔

''یہ قاعدے کلام ائمہ سے بطور تخریج کے جو خود محتمل خطا ہے، نکالے گئے ہیں اور ان کا امام صاحب اور ان کے دونوں شاگردوں سے مروی ہونا صحیح نہیں۔ اور یہ کہ ان قاعدوں کی پابندی کرنا اور پھر متقدمین کے دوسرے طرز عمل و استنباطات سے جو ان پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، ان کے جواب میں تکلف کرنا جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں، اس کے خلاف کی پابندی پر کوئی ترجیح [2] نہیں رکھتا۔''

اس کے بعد شاہ صاحب نظیر کے طور پر ان قواعد کا جو منشا تخریج ہے، یعنی جن مسائل کے طرز استدلال کو دیکھ کر وہ قواعد تخریج کیے گئے ہیں، اور پھر جو دوسرے مسائل ان قواعد کے مناقض ہیں۔ اور پھر فقہاء کا ان کے جواب میں تکلفات کرنا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''اس قسم کے قواعد اور بہت ہیں، جو تحقیق کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں۔''

پھر اس قسم کے متاخرین کے نکالے ہوئے ہونے پر نہ یہ کہ وہ متقدمین سے منقول ہیں۔ شاہ صاحب نے دو دلیلیں بھی بیان کیں۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں [3]: ''اور بعض نے اصول

---

(۱) عبارت: وعندي أن المسئلة القائلة الخ وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة أنها لا تصح بها رواية عن أبيحنيفة وصاحبيه أنه ليست المحافظة عليها والتكلف في جواب ما يرد عليها من صنائع المتقدمين في استنباطاتهم كما يفعله البزدوي وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يرد عليه۔ انتهى۔

(۲) یعنی ممکن ہے کہ جن مسائل کی مخالفت سے ان کے اصول ممہدہ پر اعتراض پڑتے ہیں، ہم ان مسائل کے موافق ان اصول کے خلاف دوسرے اصول قائم کریں اور پھر جن مسائل کے موافق انہوں نے اصول قائم کئے۔ ان مسائل کا ویسے ہی جواب دیں جیسے یہ دیتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ انہیں اصول کو جن کو انہوں نے اپنے اجتہاد کے موافق بتوسط بعض مسائل کے قائم کیا ہے، پابندی کی جائے، اور انہیں کو واجب الاعتماد سمجھا جائے۔

(۳) عبارت یہ ہے: ومنهم من كثر القيل والقال في أصول الفقه واستنبط كل لأصحابه قواعد جدلية۔ انتهى۔

فقہ میں قیل وقال کی کثرت کی، اور ہر ایک نے اپنے اصحاب مذہب کے لئے جو جس کا مقلد ہے، قواعد جدلیہ مستنبط کئے۔'' اور عقد الجید میں فرماتے ہیں (۱):

''خلاصہ یہ کہ اوائل میں اصول منضبط نہ تھے بلکہ ان کے کچھ طرز عمل تھے، جن کی طرف وہ اپنے پیدائشی سلیقہ کی مدد سے رجوع کرتے تھے۔ پھر ایک قوم نے ارادہ کیا کہ ان کے طرز عمل کو مسلسل بیان کریں، خواہ انہوں نے اس کو مفصل بیان کیا ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو یا ان کے مسائل سے تخریج کرکے نکالا گیا ہو۔ گو خود انہوں نے اس کو ذکر نہ کیا ہو۔ اور پچھلوں کی عقلوں نے اکثر ان کے طرز عمل کو قبول کرلیا۔ پھر وہ ان میں امور مسلمہ ٹھہر گئے۔'' ملخصاً۔

الحاصل بہت سے اصول فقہ کے قواعد اپنے اپنے مذہب کے مسائل کے بالتتبع مرتب کئے گئے اور پھر وہ لازمی اصول اور امور مسلمہ قرار پاگئے اور چونکہ یہی قواعد دلائل سے مسائل کے استخراج کا ذریعہ ہوتے ہیں اور انہیں کے مطابق نصوص میں تطبیق وتوفیق عمل میں آتی ہے اور انہیں کی رو سے نصوص کا معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ان قواعد کی رو سے اپنے مسائل تو موافق معلوم ہوتے ہی تھے، اس لئے کہ انہیں کے تابع تو وہ قواعد تھے۔ لہذا اپنے مسائل (پر بنا ایسے قواعد کے جن میں تبدیل وتغیر کا وہم نہ تھا) ہمیشہ قرآن وحدیث کے موافق اور اپنے سے خلاف مسائل مخالف معلوم ہوتے رہے۔ اور انہیں قواعد کی بنا پر بہت سی احادیث متروک اور (۲)

---

(۱) عبارت یہ ہے: وبالجملة فكانت صنائع اندفعوا إليها بسليقهم المخلوقة فيهم فأراد قوم أن يسردوا صنائعهم التي ذكروها مفصلة في كتبهم أو أشاروا إليها في ضمن كلامهم أو خرجت من مسائلهم وإن لم يذكروها وتلقت عقول الخلف أكثر صنائعهم بالقبول لما جبلوا عليه من السليقة في مثل ذلك ثم صارت أمورا مسلمة فيما بينهم۔ انتهى۔

(۲) جیسا کہ حدیث مصراۃ اس اسقاط سہم ذوی القربی میں کیا گیا۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''یہ لائق نہیں کہ کسی حدیث کو یا کسی اثر کو جس پر قوم نے اتفاق کیا ہو کسی ایسے قاعدے کے سبب سے جس کو خود اس نے یا اس کے اصحاب نے استخراج کیا ہے رد کردے۔ مثل حدیث مصراۃ کے رد کرنے اور سہم ذوی القربی کے ساقط کردینے کے۔ کیونکہ---

غیر معمول بہ ٹھیرتی رہیں۔

پس اس قسم کے قواعد بھی فقہاء کے اپنے مسائل کی غلطی پر متنبہ ہونے کے سدِّ راہ رہے، لہٰذا فقہاء نے جان کر اپنی مخالف حدیثوں کو ترک نہیں کیا بلکہ یہ اصول جن کی صحت ان کے دلوں میں عقیدۃً ثابت تھی اس کے باعث پڑے۔

صرف یہی نہیں، فن اصول کے متعلق کئی باتیں اور بھی ہیں، جو اس کا باعث ہوگئیں۔ اولؔ یہ کہ بعض وہ قواعد جو بعض ائمہ نے ابتداءِ زمانے میں قرار دیے تھے اور پھر زمانہ مابعد کی دوسرے ائمہ کی تحقیقات سے وہ ناقابل اعتماد ثابت ہوئے۔ مثلاً مرسل و منقطع حدیث سے احتجاج، جیسا کہ تم پہلے معلوم کر[1] چکے ہو۔ ان سابق الذکر ائمہ کے مقلدین نے ان قواعد کو ترک نہ کیا بلکہ وہ انہیں پر قائم رہے۔ اس وجہ سے احادیث کا اخذ و ترک ان میں اس طور پر وقوع میں آیا کہ ویسا نہ ہونا چاہئے تھے۔

اجماع کے دعووں کی حقیقت:

دوسرؔے اجماع کی توسیع اور اس کو اس کی حد[2] پر قائم نہ رکھنے نے غلطی میں ڈال دیا۔ فقہاء نے بسا اوقات جہاں ان کے علم میں کسی مسئلہ کی بابت کسی کا خلاف نہ معلوم[3] ہوا یا کوئی

---اپنے نکالے ہوئے قاعدے سے حدیث کی رعایت واجب تر ہے۔ انتہیٰ۔ (ص: ۱۶۲، حجۃ اللہ)۔

(۱) دیکھو ص: ۲۵۵۔

(۲) یہ بات اصل میں نفس الاصول کی بابت نہیں ہے بلکہ اصول کی خلاف ورزی میں داخل ہے، لیکن کسی قدر مناسبت کی وجہ سے یہاں پر لکھ دی۔

(۳) جیسا کہ صاحب ہدایہ نے منع قرأت مقتدی پر اجماع صحابہ کا دعوی کر دیا۔ حالانکہ کتنے صحابہ مثل حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے منع تو درکنار حکم قرأت فاتحہ کا منقول ہے اور رہا منع تو منع کی صحیح روایت بمشکل دو چار صحابہ سے مل سکتی ہے، پھر اجماع کیسا؟

بات [1] بحضور ایک جماعت صحابہ کے وقوع میں آئی اوران میں کسی سے انکارمنقول معلوم نہ ہوا۔اجماع کا دعویٰ کر دیااور جب ان کے خیال میں اجماع قائم ہوگیا تو اس کے مخالف نصوص کو کسی نہ کسی طریق سے ناقابل عمل ٹھہرادیا۔حالانکہ اجماع کا معلوم ہوناایک نہایت دشوار [2] گزار امر ہے۔ امام احمد صاحب نے کیا خوب فرمایا جوشخص اجماع کا دعوی کرے وہ کاذب ہے۔لیکن فقہاء نے اس کوآسان خیال کرلیااور کثرت سے اس کے وقوع کا دعوی کیا۔جہاں جہاں اس قسم کے مسائل میں انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا،ان میں یا خودخلاف ثابت ہے یاوہ دعویٰ محض کسی ضعیف بنا پر ہے،مگر انہوں نے اس پر اعتماد کرلیا۔جس کے سبب سے آزاد تحقیق میں روک پیدا ہوگئی اور وہ بطریق راست مخالف دلائل کو نہ دیکھ سکے۔امور اس قسم کے اور بھی ہیں لیکن ہم بغرض اختصار اتنے ہی پر بس کرتے ہیں۔غرض کتنے اسباب و وجوہ ایسے پیش آئے جن کے باعث سے فقہاء ان مخالف مسائل میں جن اہل حدیث کوخلاف صحیح طور پر حدیث کے ساتھ کاربند ہونے سے معذور رہے۔

---

(۱)اس قسم کا اجماع استدلال کے مواقع پر فقہاء کے کلام میں بہت دیکھا گیا۔مثلاً: صاحب ہدایہ خیار رؤیہ میں لکھتے ہیں: كان ذلك بمحضر من الصحابة۔محشی صاحب لکھ رہے ہیں: ولم ينكر أحد فكان إجماعا۔ اورمثلا زنجی کا قصہ طحاوی پیش کرکے لکھتے ہیں۔ كان ذلك بمحضر من الصحابة ولم ينكر منهم أحد۔صاحب لمعات نے اس سے اجماع کا دعویٰ کرکے حدیث قلتین کو رد کردیا۔اورمثلاحدیث فاطمہ بنت قیس کے غیرمقبول ٹھیرانے کو صاحب نورالانوار لکھتے ہیں: قد قال ذلك عمر بمحضر من الصحابة فلم ينكر أحد فكان إجماعاً على أن الحديث مستنكر حالانکہ ایسی باتوں سے کہیں اجماع ثابت ہوتا ہے۔علامہ مقری اپنے قواعد میں کیا خوب لکھتے ہیں: حذر الناصحون من أحاديث الفقهاء وإجماعات المقلدين۔انتہیٰ۔یعنی ”نصیحت کرنے والوں نے فقہاء کی احادیث اورمقلدین کے اجماع کے اعتبار کرنے سے منع کیا ہے۔“

(۲)اس لئے کہ اجماع نام ہے تمام مجتہدین امت محمدیہ (ﷺ) کاایک وقت میں کسی امر دینی پر اتفاق کرلینے کا۔اگر ایک بھی خلاف ہوگا تواجماع منعقد نہ ہوگا۔دیکھونورالانوار وتوضیح تلویح۔اورامت محمدیہ اقطار وجوانب ہفت اقلیم میں منتشر ہے،اس کے سارے مجتہدوں کااور پھران کے کسی بات پر متفق ہونے کاعلم ہونا محال عادی ہے۔امام احمد صاحب کا یہ قول کتب اصول میں مذکور ہے۔

عذر بارد کا جواب:

پس کسی مسئلہ کی بابت جب کہ وہ ٹھیک طور پر دلائل سے ثابت ہو جائے یہ عذر پیش کرنا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہوتا تو یہ تمام فقہاء ضرور اس کے قائل ہوتے۔ کوئی وجہ وجیہ نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ ایک مناظرہ اس شبہ کا جواب یوں بھی دے سکتا ہے کہ حنفیہ جو کہ بمقابلہ شافعیہ کے اپنے مسائل کو اصح اور ارجح وموافق دلائل شرعیہ ثابت کرتے اور ان کے مسائل کو مخالف و نادرست بتاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ شافعیہ میں اس قدر بڑے بڑے علماء اور متبحر فقہاء ومحدثین گزرے ان کو ان مسائل کا مخالف ہونا معلوم نہ ہوا۔ کیا وہ سب کے سب بے دین یا بالکل کج فہم یا جاہل تھے جو انہوں ان مخالف و نادرست مسائل کو چھوڑ نہ دیا۔ **فَمَاهُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا** اسی طرح مثلاً حنفی مذہب کے اکابر فقہاء جو ایک دوسرے کا بعض مسائل [۱] میں سخت خلاف کرتے اور دوسرے [۲] فریق کی بڑے زور کے ساتھ تغلیط کرتے ہیں، تو فریق دوم کا کوئی شخص جب کہ اس کے سامنے فریق اول

---

(۱) مثل مسئلہ وجوب عشاد ریلغا دیکھو کبیری وغیرہ۔ بڑے بڑے نامور فقہاء کا اس میں باہم اختلاف ہے اور مثل مسئلہ فرضية خروج بصنعه علامۂ بروعی اور امام ابو منصور ماتریدی اور امام نسفی صاحب کنز اور شیخ الاسلام تمرتاشی صاحب تنویر اور صاحب شرح وقایہ اور علامۂ شرنبلالی اور صاحب ہدایہ اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ خروج بصنعہ کو فرائض نماز سے کہتے ہیں او رعلامۂ کرخی اور زیلعی اور صاحب درمختار اور صاحب ہدایہ اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ اس کی فرضیت کے قائل نہیں اور مثل مسئلہ نقض وضو بعصر قرحہ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ وغیرہم اس سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں اور صاحب نہایہ وصاحب غایۃ البیان اور صاحب فتح القدیر اور صاحب بزازیہ وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔ اور مثل مسئلہ جواز وضو بمتقاطر از درخت۔ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ اور صاحب مجتبی وغیرہم جواز کے قائل ہیں اور صاحب بحر اور صاحب مہر اور صاحب غنیۃ اور صاحب حلیہ وغیرہم عدم جواز کے۔ اس قسم کے مسائل فقہ میں صدہا ہیں۔ نظیر کے طور یہ چند مسئلے ہم نے ذکر کر دیئے۔

(۲) اسی طرح علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک و بدعت بتاتے ہیں، جن کے دیگر فریق کے بے شمار اور بڑے بڑے نامور علماء جن میں بہت سے علماء حرمین بھی داخل ہیں، عامل اور مجوز ہیں تو یہ تمام علماء کیا بالکل جاہل اور کند فہم ہیں، جو ان کو ان امور کا شرک و بدعت ہونا معلوم نہیں ہوتا بالکل بے دین ہیں کہ باوجود منع سمجھنے گئے بھی نہیں چھوڑتے فما ھو---

اپنے دلائل ووجوہ اور دوسرے فریق کی غلطی کا اظہار کرے۔ اگر کہے کہ ہمارے اصحاب بھی بڑے پایہ کے ذی علم اور بہت ہی دقیق النظر محقق تھے وہ ان دلائل ووجوہ کو خوب سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہوتے تو کبھی وہ ان کا خلاف نہ کرتے تو اس کا کیا جواب ہوگا وہی جواب ان فقہاء کی بابت بھی دیا جاسکتا ہے۔ الحاصل جن مسائل کو اہل حدیث مخالفِ حدیث بتاتے ہیں۔ ان پر فقہاء کے قائم رہنے سے ان مسائل کا مخالف حدیث نہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ یہ بات دراصل کچھ تعجب خیز ہے۔ پس کسی امام کا کوئی مسئلہ جب حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف ثابت ہوجائے تو اس مسئلہ پر قائم رہنے اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قبول نہ کرنے کی صحت کی کوئی ذراسی بھی وجہ نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے یہ اول بات ہے جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے اور بڑا اصرار ان کو اسی میں ہے۔

اختلافی مسائل میں تحقیق کی ضرورت:

دوسری بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ آدمی اختلافی مسائل میں آنکھ میچکر صرف اپنے امام کی رائے پر جس کی وہ تقلید کرتا ہے، قانع ہو کر بیٹھ رہے اور دوسرے ائمہ کے اختلاف رائے اور ان کے اقوال کی بالکل پرواہ نہ کرے، بلکہ چاہیے کہ اپنی وسعت بھر تحقیق کرے اور کتاب وسنت پر پیش کر کے دیکھے جس کا قول قرین قیاس ہو اسی کو اختیار کرے۔ توضیح اس کی یہ ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ مقصود بالذات تابعداری اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہے اور کسی عالم کے قول کی پیروی

--- جوابکم فھو جوابنا۔ اسی طرح ہم فریق مقابل سے کہیں گے کہ یہ تمام بڑے بڑے علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک وبدعت ٹھہراتے ہیں اور تم ان کا شرک وبدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو مستحب وسنت کہتے ہو اگر یہ صحیح ہے تو کیا سب کے سب جاہل ہیں یا ایسے بددین ہیں کہ دینی امور کو شرک وبدعت کو ٹھیراتے ہیں اور ذرا بھی ان کے جی میں اللہ کا ڈر نہیں۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

مشروع ہونے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کا حکم ہم کو بتاتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا حکم بتانے والوں میں بعض مسائل کی بابت اختلاف ہوا۔ ایک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہے، دوسرا کہتا ہے یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ اور مسلم ہے کہ اختلاف کی صورت [1] میں حق عند اللہ ایک ہی ہوتا ہے۔ پس نفس الامر میں صحیح بات ایک ہی کی ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ ایک عالم اور بے علم کا مقابلہ ہو کہ بے تامل ایک جانب حق کی تعیین کر لی جائے بلکہ وہ سب ہی کے سب بڑے بڑے مجتہد اور ہمارے پیشوا ہیں۔

التزام تقلید شخصی کا نتیجہ لازمی:

لیکن کوئی اجتہادی خطا کے احتمال سے معصوم نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے قول میں خطاء کا احتمال لگا ہوا ہے اور مانا گیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے نہ یہ کہ کسی ایک کی بابت فیصلہ کر دیا گیا ہو کہ اس کے تمام اقوال بالکل صحیح اور درست ہیں۔ پس ہم کو کسی طرح لائق نہیں کہ ہم آنکھ بند کر کے کسی ایک کے پیچھے ہو لیں۔ اور جہاں جہاں اور مجتہدوں نے جو اسی کے ہم پلہ یا اس سے بڑھ کر ہیں

(۱) رد المختار حاشیہ در مختار میں در مختار اِس قول کے تحت میں کہ ''مذہب ہمارا صواب محتمل خطا ہے۔'' لکھتے ہیں: ''اس لئے کہ اگر قطعاً اپنے مذہب کو صحیح کہدیا جائے تو یہ (مسلمہ) مقولہ کہ ''مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور صواب بھی'' صحیح نہ رہے گا۔ پس ہم یقین نہیں کر سکتے کہ ہمارا مذہب (بمقابلۂ مذہب امام شافعی وغیرہ کے) صواب ہی ہے اور نہ یہ کہ ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہی ہے، بنا بر اس مختار کے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر مسئلہ میں ایک ہی معین ہوتا ہے (نہ ہر دو) جس کی تلاش واجب ہے تو جو اُس کو پہنچ گیا وہ مصیب ہے اور جو نہ پہنچا وہ مخطی ہے اور (یہ بات خود) ائمہ اربعہ سے بھی منقول ہے۔ انتہیٰ۔ آگے جا کر لکھتے ہیں: ''پس ممکن نہیں ہے کہ یقین یا ظن کر لیا جائے کہ وہ صواب ہی پر ہے بلکہ مقلد کو لازم ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرح اس کے امام نے کہا ہے احتمال ہے کہ وہ حق ہو (نہ یہ کہ وہی حق ہے) انتہیٰ (ص: ۳۶، مقدمہ) در مختار اور اس کی شرح رد المختار حنفیہ کے ہاں بڑی مستند کتابیں ہیں، دیکھو جو ہم نے لکھا اکابر حنفیہ اور ائمہ متبوعین کیسی صاف صاف اس کی تصریح کرتے ہیں۔ پس باوجود ان سب باتوں کے تحقیق سے کنارہ کش ہو جانا اور صرف اپنے مالک کے اقوال پر ہٹ کرنا کیسی بیجا بات ہے۔

خلاف کیا ہے۔ان اختلافی مسائل میں ارجح کی تلاش اور اللہ اور رسول کے کلام کے ساتھ مطابق تر قول کی تحقیق کا قصد نہ کریں۔اگر ہم یہ تحقیق نہ کرنے کا طرز عمل اختیار کریں تو گویا ہم نے ان کو معصوم سمجھ لیا۔[1] اور مجتہد نہیں بلکہ نبی قرار دے لیا۔ یا اپنے مقصود اصلی اللہ و رسول کے حکم کی اتباع کو چھوڑ دیا۔اور اس عالم کے اتباع کو مقصود بالذات ٹھہرالیا[2]۔حالانکہ ایسا کرنا شرک میں داخل ہے۔إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ پس ضرور ہے کہ اپنی کوشش بھر اختلافی مسائل میں ارجح اقوال کی تلاش کرے اور تحقیق کو کام میں لائے۔اس کے بعد بھی اگر وہ ناکامیاب رہا اور ایسے قول پر قائم رہا جو نفس الامر میں راجح نہیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ مقصود اصلی کی تلاش میں لگا رہا۔اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکا لہٰذا وہ ملزم نہیں بلکہ معذور ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

تحقیق راجح کے لئے زیادہ علم ضروری نہیں:

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دو مختلف قولوں میں راجح معلوم کرنے کے لئے اس قدر علم درکار نہیں[3] جس قدر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اپنے اجتہاد خاص سے ایک مسئلہ پیدا کرے

---

(۱) معصوم نہیں سمجھا تو صرف انہیں کی رائے پر اطمینان کر کے کیوں بیٹھ رہے۔

(۲) کیونکہ اگر اللہ و رسول (ﷺ) ہی کے حکم کی تابعداری مقصود اصلی تھی تو اس کے حکم اور بتانے والوں سے کیوں اعراض کیا گیا اور صرف ایک ایسے شخص کے جملہ اقوال پر جس کی رہنمائی میں احتمال خطا بھی ہے کیوں حصر وقناعت کرلی گئی۔

(۳) چنانچہ فقہاء متاخرین برابر امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں سے بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور کسی کو صحیح اور کسی کو غیر صحیح اور کسی کو مفتیٰ بہ اور کسی کو غیر مفتیٰ قرار دیتے ہیں۔حالانکہ ان کو مسلم ہے کہ ہم ان کے برابر علم نہیں رکھتے۔اس سے ثابت ہوا کہ مرجح کے لئے اس قدر علم کی ضرورت نہیں جس قدر صاحب مذہب کے لئے اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک معمولی فن شاعری میں واقفیت رکھنے والا دو بڑے ائمہ فن کے کلام میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتا ہے گو خود وہ ایسا کلام موزوں نہیں کرسکتا۔اسی طرح ایک معمولی فن کتابت سے واقف دو بڑے خوشنویسوں کے خط میں ایک کو دوسرے سے بہتر اور خوش تر بتا سکتا ہے،گو وہ خود ویسا نہ لکھ سکے۔اسی طرح ایک شخص جس کو فن طب میں ایک حد تک دخل ہے،وہ اعلیٰ درجے کے طبیبوں کے قول میں سے جب کہ وہ کسی مریض کے مرض کی تشخیص میں اختلاف ---

بلکہ ایک فی الجملہ لیاقت و استعداد کا آدمی بھی جانبین کے دلائل و وجوہات دیکھنے اور سننے اور تتبع اور تحقیق کرنے کے بعد ایک جانب کی ترجیح پر غلبہ ظن حاصل کرلیتا ہے (۱)۔

شاہ صاحب عقد الجید میں اس قول کے رد میں کہ جو شخص آلات اجتہاد کا جامع نہ ہو اس کو اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل جائز نہیں کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث منسوخ یا ماوّل ہے یا محکم ہے، جو اپنے ظاہر پر محمول ہے لکھتے ہیں (۲):

---کریں دونوں کے وجوہ سننے کے بعد ایک کو صحیح تر اور قرین قیاس کہتا ہے، حالانکہ وہ ان کا ساعلم نہیں رکھتا۔ الحاصل اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ دو مختلف قولوں میں سے ایک قول کو صحیح تر معلوم کرنے کے لئے کچھ بڑے درجے کا عالم ہونا کہ درجۂ اجتہاد ہی کو پہنچا ہوا ہو ضرور نہیں۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ اگر مرجح فریقین سے علم ہو تو وہ ترجیح بہت ہی باوقعت و وزنی ہے، مگر نفس ترجیح بغیر اس کے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) اس سے اس شبہ کا جواب بھی سمجھ میں آسکتا ہے جو کہا گیا ہے کہ "ترجیح و تنقید مجتہد ہی کا کام ہے کیونکہ ترجیح بلا احاطۂ دلائل کے نہیں ہو سکتی اور احاطۂ دلائل کا اور علم ناسخ و منسوخ وغیرہ کا مجتہد ہی کو ہوتا ہے۔" کیوں کہ جب ایک متوسط درجہ کا عالم نے فریقین کے بیان کردہ دلائل کو جو کہ بتسلیم ان کے دلائل کو محیط تھے دیکھ لیا تو اس مسئلہ میں جملہ دلائل کا اس کو علم ہو گیا اور مخالف اور موافق کے دلائل کو جو فریقین نے اپنی اپنی معلومات کے زور سے اور تمام کوشش صرف کر کے پیش کئے اس نے جان لیا اس کے علاوہ وسیع العلم محدثین محققین نے اپنی تصانیف میں اصول ادلہ حدیثیہ کو جمع کر دیا اور ایک ایک مسئلہ کو لے کر اس کے متعلق جو موافق اور مخالف حدیثیں مل سکیں ذکر کر دیں پس جس نے ان مجموعوں کو دیکھ لیا وہ گویا ان دلائل کے احاطے میں انہیں وسیع العلم ائمہ کی برابر واقفیت رکھنے والا ہو گیا۔ رہے باریک باریک استنباط اور لطیف استدلال اول تو وہ بھی جو پہلے علماء کو سوجھے متون اور شروح میں مذکور رہیں۔ دوسرے وہ ہمیشہ افکار علماء باریک بین کے نتیجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کا احاطہ کسی طرح مشروط نہیں ہو سکتا، علاوہ بریں احاطہ تو ان ائمہ کرام کو بھی نہ تھا جن کے اجتہاد سے کسی کو بھی انکار نہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ اور کچھ تحقیقات اس کے متعلق آگے بھی آتی ہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: **وفي المسئلة قول آخر وهو أنه إذا لم يجمع آلات الاجتهاد ولا يجوز له العمل على الحديث بخلاف مذهبه لأنه لا يدري أنه منسوخ أو مأوّل أو محكم محمول على ظاهره ورد بأنه أن عدم التيقن بنفي هذه الاحتمالات فالمجتهد أيضا لا يحصل له اليقين بذلك وإنما يبني أكثر أمره على غالب الظن وإن أراد أنه لا يدري ذلك بغالب الرأي منعناه في صورة النزاع لأن المتبحر في المذهب المتتبع لكلام القوم الحافظ من الحديث والفقه بجملة محمولة صالحة كثيرا ما يحصل له غالب الظن---**

''یہ قول رد کر دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو ان احتمالات کے رفع کا تیقن حاصل نہیں ہوگا تو تیقن مجتہد کو بھی نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کا اکثر مدار کار بھی صرف ظن غالب پر ہوتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ اس بات کو غالب رائے کے ساتھ بھی نہیں معلوم کرسکتا۔ تو ہم اس کو مبحوث عنہ صورت میں تسلیم نہیں کرسکتے۔ اس لئے کہ جو مذہب میں ماہر ہے اور کتابوں کی تتبع کرتا رہتا ہے اور ایک معتدبہ مقدار حدیث وفقہ کو یاد رکھنے والا ہے،، بہت مرتبہ اس کو ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے کہ فلاں حدیث نہ منسوخ ہے اور نہ کسی ضروری تاویل کے ساتھ ماؤل ہے۔ اور بحث تو اسی صورت میں ہے کہ جب یہ ظن حاصل ہوجائے۔''

علم حدیث معراج کمال تک:

یہ تو تم پہلے ہی سن چکے ہو کہ فن حدیث (۱) اپنے کمال کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر نہایت واضح روشن ہوگیا۔ اور علماء محدثین نے اس کی تکمیل وتنقیح میں یہ یہ کوششیں کیں کہ اس کی ہر شاخ اور ہر فن میں علیحدہ علیحدہ اور مستقل کتابیں لکھیں اور اس کے تمام متعلقات کو کھول کر ظاہر وصاف کردیا۔ محدثین

--- بأن الحديث غير منسوخ ولا ماؤل بتاؤيل يجب القول به وإنما البحث فيما حصل له ذلک۔ انتهیٰ۔ ص: ۷۰۔

(۱) چنانچہ درمختار اور رد المختار کا قول پہلے ہم نقل کرچکے (دیکھو، ص: ٦٨) یہاں پر ہم عبارت بھی نقل کئے دیتے ہیں۔

(در مختار) العلوم ثلاثةعلم نضج وما احترق وعلم لا نضج ولا احترق وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث۔ انتهیٰ ملخصاً (ردالمختار) المراد بنضج العلم تقرر قواعده وتفريع فروعها وتوضيح مسائله والمراد باحتراقه بلوغه النهاية في ذلک۔ قوله علم الحديث لأنه قدتم المراد منه وذلک لأن المحدثين جزاهم الله تعالیٰ خيرا وضعوا كتباً في أسماء الرجال ونسبهم والفرق بين اسمائهم وبينوا اسيء الحفظ منهم وفاسد الرواية من صحيحها ومنهم من حفظ المائة ألف والثلاث مائة وحصروا من روى عن النبي (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من الصحابة وبينوا الأحكام والمراد منها فانكشف حقيقةطحطاوي۔ انتهیٰ۔

نے جب احادیث کی تدوین کی تو صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو باحتیاط تمام لکھ دیا بلکہ ہر حدیث کو مع اس کے سلسلہ اسناد کے کہ جس سلسلہ سے ان کو پہنچی تھی بشرح وتفصیل اس کے تمام راویوں کے لکھا اور راویوں کے شناخت کرانے کے لئے ان کا نام اور ان کی کنیت اور ان کے باپ اور ان کا وطن اور قبیلہ سب کچھ بتایا۔

پھر **اسماء الرجال** ایک فن علیحدہ مرتب کر کے اس میں ہر ایک راوی کا پورا پورا حال لکھا اور اس کے استادوں اور اس کے شاگردوں کی تفصیل اور اس کا سن ولادت ووفات وغیرہا اور اس کی صدق وامانت ودیانت وغیرہ کی اصلی کیفیت جہاں تک ان کو تحقیق ملی، درج کی۔ تاکہ ہر ایک راوی اور اس کی روایت کردہ حدیث کا درجۂ اعتبار ہر ایک کو اندازہ ہو سکے۔ اگرچہ ان تحقیقات اور نیز ان امور کی تفصیل کے بعد جن پر احادیث کی تصحیح وتضعیف کی بنا ہے، احادیث معتبرہ وغیر معتبرہ کا جان لینا، بہت آسان تھا لیکن انہوں نے اس پر بس نہ کیا بلکہ اکابر محدثین نے عوام کے نفع اور ان پر آسان کرنے کے لئے خود ہی احادیث کو ممتاز بھی کر دینے کی کوششیں کیں۔

پس کسی نے اس التزام سے کتاب تالیف کی کہ اس میں وہی حدیثیں درج کریں گے جو معتبر اور صحیح ہوں [(۱)]۔ تاکہ ہر کوئی بے دھڑک ان پر عمل کر سکے اور پھر اس تصحیح میں صرف اپنی ذاتی تحقیقات پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ دیگر مبصرین سے بھی اتفاق رائے حاصل [(۲)] کیا اور زمانہ مابعد کے مبصرین بھی برابر ان کی تنقید کر کر کے ان کے ساتھ متفق الرائے ہوتے رہے۔

اور کسی نے جب احادیث ذکر کیں تو وہیں پر ان کی صحت وضعف کا حال بھی لکھ دیا۔ [(۳)]

---

(۱) مثل صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مختارۃ للحافظ ضیاء الدین المقدسی۔ صحیح ابن أبی عوانۃ۔ صحیح ابن السکن۔ منتقی لابن الجارود وغیرہ۔

(۲) امام بخاری کا قصہ ہم اوپر لکھ چکے۔ دیکھو ص: ۶۶۔

(۳) مثل جامع ترمذی۔ سنن دارقطنی۔ مجمع الزوائد للحافظ الہیثمی۔ بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی وغیرہ اور---

اور کسی نے وہ احادیث جو دور زمانے میں پیدا ہو گئی تھیں علیحدہ جمع کر دیں (۱)، تا کہ ان کے اختلاط سے عوام کو اشتباہ نہ ہو، بلکہ وہ ہر قسم کی احادیث کو آسانی کے ساتھ ممتاز پائیں۔

کسی نے عوام کے واسطے عمل میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے احکام کا علیحدہ انتخاب کر دیا (۲)۔ اور اپنی بحث کو انہیں احادیث پر مقصود رکھا جو کہ احکام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہر ہر حدیث کو لے کر اس کی صحت وضعف کی خصوصیت کے ساتھ تحقیقاتیں کیں (۳) اور حدیث کے ساتھ اس کے مؤید یا اس کے معنیٰ حل کرنے والی جو دوسری احادیث تھیں ان کو بھی ذکر کر دیا اور پھر اگر کوئی اس کے معارض تھی، تو اس کا بھی ذکر کر کے اور وجہ توفیق یا ترجیح بیان کر کے بات کو صاف (۴) کر دیا۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے فقہ حدیث سے خاص طور پر بحث کی۔ حدیثوں کے لئے ترجمہ باب مقرر کئے اور ان سے مسائل مستفاد کر کے لوگوں کو ان کے ساتھ متنبہ کیا اور بعض ائمہ نے تو اس عالی مبحث میں بہت بڑا حصہ لیا اور فقہ حدیث میں (۵) نہایت وسیع وسیع بحثیں لکھیں اور

---بعض کے اسامی آئندہ حواشی میں آتے ہیں۔

(۱) مثل المقاصد الحسنۃ للسخاوی۔ اللآلی المصنوعۃ للسیوطی۔ موضوعات ملا علی قاری۔ فوائد مجموعۃ للشوکانی وغیرہ۔

(۲) مثل سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی۔ سنن ابن ماجۃ۔ منتقی للشیخ الاسلام عبدالسلام الحرانی۔ کتاب الأحکام للشیخ احمد بن عبداللہ الطبری جامع الأحکام لابن الحربی اور جو حاشیہ آئندہ میں آتے ہیں۔

(۳) مثل کتاب التحقیق لابن الجوزی۔ تنقیح التحقیق للإمام عبدالهادی، کتاب الأحکام للحافظ عبدالحق الإشبیلی۔ تخریج ہدایۃ للحافظ الزیلعی تلخیص الحبیر لابن حجر العسقلانی۔ بلوغ المرام، دلائل الأحکام لابن شداد الحلبی وغیرہ۔

اور بعض کا نام پہلے مذکور ہو چکا اور بعض کا اگلے حاشیہ میں آتا ہے۔

(۴) مثل کتاب الإمام۔ کتاب الإلمام کلاہما للإمام ابن دقیق العید۔ استذکار شرح مؤطا۔ تمہید شرح مؤطا۔ کلاہما للحافظ ابن عبدالبر۔ کتاب الأزہار۔ شرح مصابیح للعلامۃ الأردبیلی۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نووی شرح صحیح مسلم۔ سبل السلام۔ نیل الأوطار وغیرہ۔

(۵) جن احادیث میں بظاہر تعارض تھا، محدثین نے عوام کے رفع اشتباہ کے لئے ان کی تطبیق میں مستقل---

ایک ایک حدیث لے کر بیسیوں اور سینکڑوں مسئلے استنباط اور ثابت کر دیئے اور لوگوں کے لئے ایک بے بہا نعمت تیار کر کے چھوڑ گئے اگر چہ اکثر ان کتابوں میں بھی حدیث منسوخ پر تنبیہ موجود تھی۔لیکن ایک گروہ[(۱)] نے مزید تسکین اور اطمینان کے لئے **منسوخ حدیث** سے علیحدہ بحث کی اور ان کے تمیز کرا دینے کے لئے اس میں مستقل کتابیں لکھیں۔پھر فہم معانی میں آسانی کر دینے کے واسطے نادر الفاظ کی تحقیق اور مشکل جملوں کی شرح میں علیحدہ کتابیں[(۲)] مرتب کیں۔غرض کہ محدثین نے فن حدیث کو روز روشن کی طرح صاف وظاہر کر دیا۔اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کے اس ارشاد کو پورے طور پر دکھا دیا۔''**لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ**''[(۳)] (یعنی بے شک میں نے تم کو چٹیل میدان کی طرح روشن اور صاف دین پر ڈال کر چھوڑا ہے جس کی

---کتابیں لکھیں ہیں، مثل اختلاف الحدیث للإمام الشافعی، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ وغیرہ۔

(۱) مثل إمام محمد قرطبی۔علامہ أبو بکر شیبانی۔أحمد بن إسحاق أنباری۔أبو جعفر النحاس۔أبو بکر ابن العربی۔أبو داوٗد سجستانی۔ أبو بکر محمد بن موسیٰ حازمی۔أبو القاسم بن ہبۃ اللہ۔أبو حفص بن شاہین بغدادی۔إمام قشیری محمد بن محمد أصفہانی۔إمام ابن الجوزی وغیر ہم۔ان صاحبوں نے ناسخ منسوخ حدیث میں مستقل کتابیں لکھیں۔حازمی کی کتاب الاعتبار جو ابھی طبع ہو کر شائع ہوئی ہے، بہت خوب کتاب ہے۔

(۲) مثل غریب الحدیث للإمام أبی عبید متوفی ۲۲۴ھ۔غریب الحدیث ومشکل الحدیث لابن قتیبۃ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ۔غریب الحدیث للعلامۃ أبی بکر الأنباری متوفی ۳۲۷ھ۔غریبین لأبی عبید الحروی متوفی ۴۰۱ھ۔تھذیب غریب الحدیث للخطیب التبریزی متوفی ۵۰۲ھ۔الفائق للزمخشری متوفی ۵۳۸ھ۔مجمع الغرائب لعبد الغافر متوفی ۵۳۷ھ۔مجمع الغرائب لأبی إسماعیل الفارسی متوفی ۵۲۹ھ۔مشارق الأنوار للقاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ۔نھایۃ لابن الأثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ۔جمل الغرائب للقاضی بیان الحق النیسابوری۔تنبیہات۔مجمع البحار۔وغیرہ۔چونکہ تحقیق لغت وشرح محاورات مجرد سماع پر مبنی ہے۔اور اس کے لئے بالخصوص حدیث وقرآن کے بیان معنی میں قدیم زمانے کی زبان معتبر ہے، اس وجہ سے ہم نے ان ائمہ کی تاریخ بتادی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان الفاظ کی شرح بیان کرنے والے پرانے زمانے کے لوگ ہیں یا وہ جنہوں نے انہیں کتابوں سے اخذ کیا۔پرانے زمانے کے لوگوں نے جو محاورات وغیرہ بیان کئے مزید احتیاط اس کے ساتھ انہوں نے اس کی سندیں بھی لکھی ہیں۔

(۳) أخرجہ ابن أبی عاصم فی کتاب السنۃ وإسنادہ حسن۔

رات بھی دن ہی کی طرح روشن ہے اب سے وہی بھکے گا، جو تباہ کار ہوگا۔) **محدثین** نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہر قسم کے آدمی پر آسان کر دینے کے لئے مطول کتابوں کو مختصر کیا۔ اور مبسوط بیانات کی تلخیص کی تاکہ جس کو خلاصہ بات معلوم کرنا ہو۔ وہ مختصرات کو دیکھ لے اور جس کو مع وجوہ وشرح دیکھنا ہو وہ مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ **الحاصل** انہوں نے کوئی عذر وحیلہ کسی کے لئے حدیث میں اشتباہ پیدا کرنے اور اس کے قبول نہ کرنے کا باقی نہ چھوڑا۔ پس کسی طرح خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اوسط درجے کا علم والا جب وہ قرآن وحدیث کی رو سے کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہے اس کو اس میں ظن غالب حاصل نہ ہو سکے۔

ایک عذر لنگ:

لیکن افسوس ہے کہ مقلدین کو اس پر بھی انکار ہے اور وہ اب بھی کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو سمجھ نہیں سکتے حالانکہ وہ حدیث پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور حدیث کو اپنے امام کے موافق بنانے کے وقت اور ان کے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے بڑے سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ طرح طرح سے اس حدیث کے معنی جو مخالف ہے اپنے امام کے غیر مخالف بناتے ہیں۔ لیکن اگر حدیث پر عمل کے لئے کہا جائے تو یہ عذر ہے کہ ہم سمجھ نہیں سکتے۔ علامہ محمد حیات مدنی کیا خوب فرماتے ہیں:(۱)

”بہت سے ان میں کے جب کہ ان سے کہا جاتا ہے تم حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے تو وہ حدیث کے نہ سمجھنے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ اپنی فضیلت کے مدعی ہیں اور حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں اور جس کی تقلید کرتے ہیں اس کے لئے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑے

(۱) عبارت یہ ہے: وكثير منهم من يدعي عدم فهم الحديث إن قيل له لم لا تعمل بالحديث مع ادعائه الفضيلة وتعليمه وتعلمه واستدلاله لمان قلده وهذا من أغراب الغرائب۔ انتهى۔ ما في تحفة الأنام۔

تعجب کی بات ہے۔"

لیکن اگر وہ اپنے دل میں انصاف کریں اور ہم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں حکم گردانتے ہیں، تو کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جب وہ دو مختلف قولوں کے دلائل و وجوہات سنتے اور دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں ضرور ایک جانب کی ترجیح کی بابت ظن غالب قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس مذہب کی تخصیص سے جس کے نام لینے والوں میں وہ پیدا ہوئے ہیں، قطع نظر کر کے نظر تحقیق سے احادیث کو دیکھیں تو ضرور وہ بہت سے مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف رائے قائم کر سکتے ہیں۔ وہ خود اللہ علیم و دانا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اپنے جی میں اس کا فیصلہ کریں کہ آیا وہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں یا نہیں، اور فریقین کے دلائل دیکھنے اور تحقیق کرنے کے بعد ان کے ذہن میں ایک بات کی ترجیح سمجھ میں آتی ہے یا نہیں۔ {بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ○ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ} (بلکہ انسان اپنے نفس پر خود شاہد ہے گو اپنے عذر کیا کرے۔) (۱)۔

اجتہاد اور اس کی آسانی:

بہرحال اس میں شک نہیں کہ دو مختلف قولوں میں سے وجوہ و دلائل سننے کے بعد ایک کو ترجیح دینے کے لئے کسی متعسر الحصول اور بہت وسیع مقدار علم یا درجۂ اجتہاد کے حاصل ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس یہ خیال ہرگز صحیح نہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا یا اس کے ذریعہ سے امام کے مسئلہ کو راجح یا غیر راجح معلوم کرنا یا کسی مسئلہ میں امام کا خلاف کرنا، مجتہد کا کام ہے۔ بغیر درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے کسی کو یہ منصب حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اجتہاد بھی کوئی ایسا منصب نہیں ہے جو نبوت کی طرح ختم ہو گیا ہو جیسا کہ عوام الناس کے خیالات میں سمایا ہوا ہے کہ اب وہ کسی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی شبہ نہیں کہ وہ پہلے زمانے کی بہ نسبت زمانۂ مابعد میں بہت سہل ہو گیا

(۱) سورۃ القیامۃ: ۱۴-۱۵۔

اوراس کا حاصل ہونا نہایت آسان ہو گیا۔

اجتہاد کے لئے جن علوم (۱) کی ضرورت ہے، ان کا ذکر تم پہلے سن چکے ہو۔ (۲) وہ علوم سارے کے سارے بعد کے زمانوں میں نہایت میسر الحصول ہو گئے اور محقق اور مدون ہو ہو کر اپنے وضاحت و تنقیح کے درجہ اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ قرآن مجید کی دس پانچ نہیں بلکہ صدہا تفسیریں مرتب ہو گئیں۔ حل معانی۔ بیان المشکل۔ استنباط مسائل توضیح۔ شان نزول۔ تحقیق ناسخ و منسوخ ہر قسم کے ضروری مسائل پر بلکہ ضرورت سے زائد بڑی بڑی مبسوط بحثیں اور تنقیحیں کی گئیں اور کرنے والے یہ سارے عملی خزانے اپنی اپنی تصنیفات میں ودیعت رکھ کر پچھلوں کے لئے چھوڑ گئے، اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے مزید تیسیر کے لئے آیات احکام کو علیحدہ کر کے جن سے مجتہد و مسائل کو تعلق ہے ان کی مستقل تفسیریں (۳) لکھ دیں۔

---

(۱) اجتہاد کے لئے جو علوم اور جو ان کی مقدار ہم پہلے عقد الجید سے نقل کر چکے ہیں، وہی اصول کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ دیکھو تلویح و توضیح وغیرہ۔ اور ہدایہ میں ہے: وفي حد الاجتهاد كلام عرف في أصول الفقه حاصله أن يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الآثار أو صاحب فقه له معرفة بالحديث لئلا يشتغل بالقياس في المنصوص عليه. انتهى۔ یعنی ''اصول فقہ میں اجتہاد کی تعریف جو مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد وہ ہے جو صاحب حدیث ہو اور فقہ سے آگاہی رکھتا ہو تا کہ روایات کے معنی جان سکے۔ یا صاحب فقہ ہو اور حدیث سے آگاہی رکھتا ہو تا کہ منصوص میں قیاس نہ کر بیٹھے''۔ اس سے ثابت ہوا کہ اجتہاد کے لئے فقہ میں مہارت اور حدیث میں فی الجملہ دخل یا حدیث میں مہارت اور فقہ میں فی الجملہ دخل کافی ہے۔ اس سے تم کو ہمارے اس بیان کے سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے جو پہلے لکھ چکے۔ (دیکھو: حاشیہ) کہ اجتہاد کئی طریق کا ہوتا ہے اور عموماً کسی کے مجتہد ہونے سے اس کا کثیر الحدیث ہونا یا فن حدیث میں ماہر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) دیکھو، ص: ۱۳۷۔

(۳) جن اصحاب نے آیات احکام کی تفسیریں علیحدہ لکھیں یا احکام قرآن کو تالیف کیا، ان میں سے بعض اصحاب کے نام نامی یہ ہیں: امام شافعی۔ شیخ ابوالحسن۔ علی بن حجر سعدی۔ قاضی ابواسماعیل بصری۔ شیخ ابوالحسن قمی۔ امام طحاوی۔ شیخ ابومحمد قرطبی۔ شیخ ابو بکر جصاص رازی۔ کیاہراسی بغدادی۔ قاضی ابو بکر ابن العربی۔ شیخ عبدالمنعم غرناطی۔ شیخ ابو محمد مکی۔ ---

اسی طرح احادیث کے ساتھ بھی کیا گیا۔ایک [1] ایک کتاب اس فن میں ایسی ایسی مفید

---شیخ ابوبکر بیہقی ۔ملا جیون صاحب امیٹھوی لکھنوی ۔نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۱) **محدثین کے عظیم الشان کارنامے:**

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کے ترجمہ کو جو انہوں نے اہل حدیث اور اُن کے علمی کارناموں میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں، اس سے تم کو اس بات کی اور نیز جو پہلے مذکور ہوا اور بعض مضامین جو آگے آتے ہیں ان کی تصدیق ہوسکتی ہے ۔شاہ صاحب کہتے ہیں: ''پھر (محدثین نے کے طبقۂ اولیٰ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ایک اور جماعت کو پیدا کیا، تو انہوں نے اپنے اصحاب (طبقہ اولی) کو دیکھا کہ وہ جمع احادیث اور اہل حدیث کے طریقہ پر تمہید فقہ کے بوجھ کے لئے کافی ہوگئے (یعنی وہ اس کو انجام دے چکے) تو اب یہ لوگ دوسرے فنون کے لئے فارغ ہوگئے ۔مثلاً ان احادیث صحیحہ کا تمیز کرانا جن پر اکابر محدثین مثل زید بن ہارون اور یحیٰ بن سعید قطان اور احمد اور اسحق وغیرہم کا اجماع ہو۔اور مثلاً ان احادیث احکام کا جمع کرنا جن پر مختلف شہروں کے فقہاء (مجتہدین) اور علماء بلاد نے اپنے مذاہب کی بنا رکھی ہے اور ہر حدیث پر (صحت وضعف وغیرہ کا) جس کی وہ مستحق تھی، حکم لگانا اور نادر اور اِکاڈُکاّ احادیث کا جن کو اوائل نے روایت نہ کیا تھا، جمع کرنا یا ان کی ان سندوں کا جن سندوں سے اوائل نے روایت نہ کیا تھا، فراہم کرنا جن میں کچھ مطالب علمیہ ہیں ۔اس گروہ کے لوگ بخاریؒ اور مسلمؒ اور ابوؒ داوؒد اور عبدؒ بن حمید اور دارمیؒ اور ابنؒ ماجہ اور ابوؒیعلی اور ترمذیؒ اور نسائیؒ اور دارقطنیؒ اور حاکمؒ اور بیہقیؒ اور خطیبؒ اور دیلمیؒ اور ابن عبدالبرؒ وغیرہم ہیں اور میرے نزدیک ان سب میں وسیع تر علم کی رو سے اور نافع تر تصنیف میں اور مشہور تر نام میں چار شخص ہیں ۔زمانے میں (بھی) قریب اور سب میں اول ابوعبداللہ بخاری ہیں، ان کی غرض تھی احادیث صحیحہ متصلہ کا جو بہت بہت سی سندوں سے مروی ہیں، چن لینا اور پھر احکام اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کے حالات اور تفسیر (قرآن) کا ان سے استنباط کرنا۔پس انہوں نے اپنی جامع صحیح (بخاری) کو تصنیف کیا اور جو شرط کی تھی اس کو پورا کردیا اور ہم کو خبر پہنچی ہے کہ صالحین میں سے ایک شخص نے رسول (ﷺ) کو خواب میں دیکھا کہ آپ (ﷺ) فرماتے ہیں ۔تجھ کو کیا ہوگیا کہ تو محمد بن ادریس (شافعی) کی فقہ میں مشغول ہے اور میری کتاب چھوڑ دی ۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کون کون کتاب ہے ۔فرمایا صحیح بخاری (امام شافعی کے مذہب کی بابت صحیح بخاری کے مقابلے میں کہ جو صحیح بخاری کی احادیث کے ساتھ بہ نسبت حنفی مذہب کے بہت زائد موافق ہے حتی کہ بخاری کو شافعی المذہب اور صحیح بخاری کو شافعی مذہب کی کتاب کہہ دیا گیا یہ ارشاد ہوا تو حنفی مذہب کی بابت اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ صحیح بخاری شہرت اور قبول کے اس درجہ پر پہنچی کہ اس سے زائد ارادہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے مسلم نیشاپوری ہیں، انہوں نے قصد کیا ان احادیث صحیحہ کی تجرید کر دینے کا جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہو اور مرفوع متصل ہوں جن سے مسائل شرعیہ استنباط کئے جاتے ہوں اور انہوں نے احادیث کا (سمجھنے میں بھی) ذہنوں سے قریب کر دینا اور استنباط مسائل کا ان سے سہل کر دینا چاہا۔پس انہوں نے اس کو بہت خوبی سے ترتیب دیا اور ہر---

اور جامع لکھی گئی کہ اس کی بابت کہا گیا کہ بس وہ مجتہد کے لئے کافی ہے۔ پھر محدثین نے ایک ایک

---حدیث کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا تا کہ متون احادیث (میں اگر الفاظ) کا (کوئی) اختلاف (ہے تو وہ) اور اسنادوں کا شاخ در شاخ ہونا واضح تر طریقہ سے ظاہر ہو جائے اور مختلفات کو جمع کیا۔ پس عربی زبان جاننے والے کے لئے کوئی عذر حدیث سے کسی دوسری چیز کی طرف (مثل رائے وتقلید کے) رجوع کرنے کا نہ چھوڑا۔

تیسرے ابو داؤد سجستانی ہیں، ان کا ارادہ ہوا، ان احادیث کے جمع کرنے کا جن سے فقہاء نے استدلال کیا اور وہ ان میں متداول ہوئیں اور علماء بلاد نے ان پر بناء احکام رکھی۔ پس انہوں نے اپنی سنن (سنن ابی داؤد) تصنیف کی اور اس میں حدیثیں صحیح اور حسن لیں (ذرا ضعیف) اور قابل واسطے عمل کے جمع کیں۔ ابو داؤد نے فرمایا۔ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جس کے ترک پر اجماع ہو اور جو ضعیف تھیں، ان کے ضعف کو ظاہر کر دیا، اور جس میں کچھ علت تھی اس کی علت کو ایسے طریقے سے بیان کر دیا کہ اس فن میں گھسنے والا پہچان جائے۔ اور ہر حدیث کے لئے وہ ترجمہ مقرر کیا جو کسی عالم نے اس کو اس حدیث سے استنباط کیا اور کسی مذہب والے نے اس کو اختیار کیا تھا اور اسی واسطے غزالی نے صاف کہہ دیا کہ ابو داؤد کی کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔

چوتھے ابو عیسیٰ ترمذی ہیں اور گویا انہوں نے طریقہ شیخین کو (بھی) پسند کیا کہ انہوں نے ظاہر کر دیا اور مبہم نہیں چھوڑا۔ اور طریقہ ابو داؤد کو (بھی) کہ ہر حدیث کو جس کی طرف کوئی گیا ہے جمع کر دیا تو ترمذی نے دونوں طریقوں کو ملا دیا اور بیان مذاہب صحابہ اور تابعین اور مجتہدین بلاد کو اس پر اور مزید کیا۔ پس ایک جامع کتاب جمع کر دی اور لطافت کے ساتھ طرق حدیث کا اختصار کیا تو ایک طریق کو ذکر کر کے اور طرق کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کا حال بیان کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ہے یا منکر ہے اور وجہ ضعف کو بھی بیان کر دیا کہ طالب اپنے کام میں بصیرت کے ساتھ رہے۔ پس تمیز کر لے اس کو جو اعتبار کے لائق ہے، اور جو اس سے کم ہے۔ اور یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ کثیر الاسناد ہے یا غریب ہے۔ اور جس کے نام بتانے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت تھی اُس کی کنیت بتائی اور جو افراد علم میں سے ہے اس کے لئے کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ مجتہد کے لئے کافی ہے۔ اور مقلد کو (تقلید سے) بے پروا کرتی ہے۔ انتہیٰ۔ (حجۃ اللہ، ج:۱، ص:۱۵۶)

<u>حنفی مذہب کی بنا حدیث پر بہت کم ہے :</u>

شاہ صاحب کے اس قول سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل: یہ کہ تمام مشہور ائمہ اور ان کے مذہب کے دلائل جن پر ان کی بنا ہے، جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، انہیں کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اور چونکہ کتب حدیث میں وہ احادیث جن پر حنفی مذہب کے اختلافی مسائل کی بنا ہے بہت کم ہیں۔ یا غیر معتبر ذریعہ سے ثابت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کا مبنی بہ نسبت دوسرے مذاہب کے حدیث پر کم ہے۔ جس کی بڑی وجہ بانیٔ مذہب کا بہت سی احادیث پانے سے بوجوہ مذکورہ معذور رہنا ہے۔ ------

(۱) حدیث کو لے کر اس کے ہر ہر پہلو کے متعلق بڑی بڑی بسیط شرحیں اور تحقیق لکھیں۔ اس سے جس قدر مسائل واحمام خود ان سے یا ان سے پہلوں سے مستفاد ہو سکے ان کو تفصیل وار علیحدہ بیان کر دیا۔ اگر اس میں کوئی اشکال یا اشتباہ تھا اس کو بھی کھول دیا اور پھر جا بجا مذاہب صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے بھی بیان کر دیئے اور ہر ایک کے دلائل اور وجوہ استنباط بھی بتا دیئے جو بجائے خود حصول درجۂ اجتہاد کے لئے کافی ہے۔ غرض وہ ایک بے پایاں انمول دولت کما کر آئندہ نسلوں کے بلا مشقت حاصل کر لینے کے لئے چھوڑ گئے (۲)۔

اسی طرح فن اصول جو مجتہد کے لئے دشوار گزار وتاریک منازل طے کرنے کے واسطے بمنزلہ مشعل کے ہے، وہ پچھلے زمانوں میں چھن کر کیسا منقح اور مکمل ہو گیا اور اس میں قیاس واستنباطات کے تمام طریقے کھول کر واضح کر دیئے۔

---دوسرے: ان کے جو کچھ دلائل ہیں، وہ یہی ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں۔ پس کسی مخالف مسئلہ کے پیش ہونے پر یہ خیال کرنا کہ شاید کوئی اور حدیث ان کی دلیل ہو گی، بجز ایک خیال خام ہے اور کچھ نہیں۔

تیسرے: ان کتابوں میں کی ایک ایک کتاب ایسی ہے، جو مجتہد کے لئے کافی ہے، نہ کہ جب کئی مل جائیں۔ پس اب اجتہاد میں بہت آسانی ہے۔

چوتھے: محدثین کی ان کتابوں نے تقلید سے مستغنی کر دیا ہے۔

(۱) دیکھو کتب شروح حدیث اور بعض کا نام ہم پہلے بھی بیان کر چکے اور بعض کا آگے آتا ہے۔

(۲) اس قسم کی کتابوں کے نام ایک جگہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ (دیکھو حاشیہ ص: ۱۰۲) ابھی شاہ صاحب کے کلام اور اس سے پہلے بھی مذکور ہوئے۔ ان کے علاوہ الأوسطؔ۔ کتابؔ الأشراف۔ کلاهما للعلامة أبي بكر بن المنذر النیشا بوری۔ الإیصالؔ لابن حزم۔ اس میں تمام مشہور مذاہب اور ہر ایک کے دلائل لکھے ہیں۔ اور نفس مذاہب کے بیان میں رحمة الأمة في اختلاف الأمة بھی مشہور کتاب ہے۔ امام شعرانی نے ایک کتاب کشف الغمة عن جميع الأمة تالیف کی جس میں دعوی کیا کہ کوئی مذہب نہیں، جس کی دلیل اس کتاب میں ذکر نہ کر دی ہو۔ گویا انہوں نے تمام مذاہب کا احاطہ کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں محققین کے طریقہ پر صحت اور ضعف سے تعرض نہ کیا بلکہ ہر قسم کی دلیل کو ایک رنگ میں بیان کر دیا جس کے عنوان سے تحقیق پسند راضی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح فنون عربیت کی تہذیب وتنقیح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

متأخر علماء کی فراوانیٔ معلومات:

غرضکہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ تمام علوم جن پر مدار اجتہاد ہے وہ سابق کے زمانوں کی نسبت بعد کے زمانوں میں بے حد سہل الوصول اور آسان [(١)] ہو گئے اور پہلے زمانوں کے علماء جو بات بدقت تمام اور اپنی ذاتی کوشش سے اور طویل زمانہ صرف کرنے کے بعد حاصل کر سکتے تھے۔ اب پچھلے زمانے کے اہل علم وہ بات تیار شدہ بہت آسانی کے ساتھ بلا ضرورت صرف مدت زائد کے پا رہے ہیں۔ اور پھر ایک عالم کی کمائی نہیں بلکہ ہزار ہا علماء کی عمر بھر کی نہایت مشقت ومحنت کے ساتھ حاصل کی ہوئی کمائی مفت لے رہے ہیں اور اپنی ذاتی تحقیقات علیحدہ۔ بلکہ ایک بعد والے کی ذاتی تحقیقات بھی ایک پہلے عالم کی ذاتی تحقیقات سے مقدار میں زیادہ ہونا چاہئے اور ہوگی ہی اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جس قدر اسباب وآلات کی فراہمی اور آسانی ہوگی اسی قدر ثمرے اور نتیجے کی کثرت اور زیادتی ہوگی اور اسباب وآلات کی فراہمی اور آسانی ابھی ثابت ہو چکی۔ لہذا پچھلے زمانے [(٢)] میں اوسط درجہ کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات کا پہلے زمانے کی حد درجہ [(٣)] کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ فضل وشرف میں پہلے ہی پیش پیش ہیں۔

---

(١) بالخصوص جب سے مطابع ہوئے اور بھی آسانی ہوگئی۔ جو کتابیں پہلے زمانے میں خاص خاص کتب خانوں میں ہوتی تھیں اور بمشکل کسی کو دیکھنے کو ملتی تھیں اب عام ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جو کتابیں ہنوز طبع نہیں ہوئیں۔ مثل صحیح ابن خزیمہ وغیرہ ان کی کمیابی ظاہر ہے اور ان تک پہنچنا اور ان کا دیکھنا کیسا مشکل ہے۔

(٢) جب کہ دونوں کوشش وفہم میں برابر ہوں۔

(٣) چنانچہ پہلے زمانے کے ائمہ کا بمشکل قلیل حصہ حدیث کے پانے کا ذکر پہلے پڑھ چکے ہو۔

کیا ازمنۂ متاخرہ میں مجتہد نہیں ہوئے؟

مگر مقدار علم وفراہمی معلومات میں پچھلے بڑھ گئے اور یہ بھی کوئی ثابت نہیں کرسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرار دے لیا کہ پہلے لوگوں کو جس قدر فہم وذہن عنایت فرمایا تھا۔ پچھلوں کو اس قدر عنایت نہ فرمائے گا، جس سے سمجھا جائے کہ پچھلوں سے اجتہاد کی اہلیت مسلوب ہوگئی۔ اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اجتہاد میں جدت کی بھی کوئی شرط نہیں پس کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے زمانے کے یہ تمام بڑے بڑے علماء جو فنون حدیث وغیرہ میں بخوبی دخل ونظر تحقیق رکھتے تھے مجتہد نہ تھے یا پچھلے زمانے میں کوئی درجہ اجتہاد کو نہیں (۱) پہنچ سکتا۔

---

(۱) متاخر علماء و مجتہد کیوں مشہور نہ ہوئے؟

جب مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی مروج ہوگئی تو اس کا پاس لوگوں پر ایسا غالب ہوا کہ انہوں نے ہر شخص کو گو وہ اپنی تحقیق وعلم کے لحاظ سے کیسے ہی عالی مرتبہ پر پہنچا ہوا۔ انہیں سلسلوں میں سے کسی سلسلہ میں محصور کرنا چاہا۔ اور نہیں تو مجتہد منتسب ہی قرار دے دیا۔ چنانچہ اس انتساب کی کاروائی کو پہلے کے بعض ایسوں کی بابت بھی جاری کر دیا، جن کی طرف سے ذرا بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن پچھلے زمانے کے تذکرے وطبقات لکھنے والے اپنے خیالات کے موافق ایسا کرتے رہے۔ حالانکہ نفس الامر میں کوئی ضرورت نہیں ہے جو ان کو انہیں میں سے کسی ایک کی طرف انتساب پر مجبور کرتی ہو۔ ایک متاخر زمانے کا متبحر عالم جس نے ان علوم میں مجتہد مطلق مستقل کے لئے ضروری ہیں، ذاتی اطمینان حاصل کیا ہے اور گو وہ اکثر مسائل میں زمانہ متقدم کے کسی مجتہد کے موافق ہے لیکن اس کا ذاتی تبحر وتحقیقات اس درجہ کا ہے کہ وہ ان مسائل کا اس متقدم مجتہد کے بھروسہ پر قائل نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ متقدم نہ ہوتا تاہم وہ ان اصولی وفروعی مسائل تک پہنچ جاتا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ باعتبار اس کے نفس علم کے اس کو مجتہد مطلق مستقل نہ کہا جائے (بالخصوص جب کہ وہ استقلال وعدم تقلید کا دعویٰ بھی کرے جیسا کہ کتنے علماء سے ثابت ہوا یا بعض مسائل اصول وفروع میں رد وبدل بھی کرے)۔ اس قسم کے علماء متاخرین میں بہت ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ اصول وفروع کا معظم حصہ قرون اولیٰ میں ممہد ہو چکا اور چند ائمہ عظام ان کے بانی ہونے کی اور تقدم اور پیش روی کی پوری شہرت حاصل کر چکے۔ لہٰذا بعد کے آنے والے اکابر علماء گو وہ اپنے کمالات علمی اور لیاقت ذاتی میں اسی درجہ کو پہنچے جو ایک مجتہد مستقل کو ہونا چاہئے۔ مگر وہ عام طور پر مجتہد مستقل نہ تسلیم کئے گئے بلکہ اگر بہت کچھ قدر کی گئی تو مجتہد منتسب مانے گئے، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہی شرع تھی اور وہی دلائل اور وہی مسائل پہلے ہی مرتب ہو چکے۔ پس پچھلے لوگ اگر اپنی ذاتی ہی لیاقت سے اصول وفروع کے مسائل مرتب کریں تو اکثر وہی ہوں گے جو پہلے ہو چکے۔ ---

شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں (۱):

''اجتہاد کی حقیقت جو علماء کے کلام سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ شرعی احکام کو جو کہ فرعی اعمال کے متعلق ہیں، ان کو ان کے دلائل سے جو کہ قرآن وحدیث واجماع وقیاس ہیں، جاننے میں کوشش صرف کرنا۔ اجتہاد کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ وہ عالم ہے خواہ یہ کوشش اس حکم کے معلوم کرنے میں ہو، جس میں پہلے علماء گفتگو کر چکے ہیں اور اس کو اس کی دلیل سے استخراج کر چکے ہیں یا ایسا نہ ہو بلکہ کوئی نیا مسئلہ ہو اور خواہ یہ شخص پہلوں کی اگر وہ اس میں گفتگو کر چکے ہیں، موافقت کرے یا مخالفت اور خواہ یہ اجتہاد دوسرے کی اعانت سے ہو۔ صورت مسئلہ یا ماخذ و دلیل پر تنبیہ کی بابت یا بلا دوسرے کی اعانت کے ہو پس ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے استاد کے اکثر مسائل میں موافق ہے، لیکن وہ ہر حکم کی دلیل جانتا ہے اور اس کا دل اس دلیل کے ساتھ مطمئن ہے اور وہ بصیرت رکھتا ہے، یہ خیال کہ وہ مجتہد نہیں خیال فاسد ہے اور اسی طرح جو یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان زمانوں میں مجتہد نہیں پائے جاتے۔ اسی خیال کی بنا پر تو یہ فاسد کی بنا فاسد پر ہے اور بالکل ہی غلط ہے''۔

---لہذا وہ کئی نمایاں جدت اور کارگزاری نہیں دکھا سکے بلکہ بیشتر پہلوں ہی کے ساتھ موافقت رکھتے تھے اس لئے مجتہد مستقل نہ مشہور ہو سکے بلکہ منتسب شمار ہوئے۔ ہم کو اصطلاح میں بحث نہیں ہے، کچھ بھی مقرر کر لی جائے۔ لیکن باعتبار نفس علم اور اس کے ثمرہ کے زمانہ مابعد میں بکثرت ایسے علماء ہوئے، جو مجتہد مطلق کہے جا سکتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: حقيقة الاجتهاد على ما يفهم من كلام العلماء استفراغ الجهد في إدراك الأحكام الشرعية الفرعية عن أدلتها التفصيلية الراجعة كلياتها إلى أربعة أقسام الكتاب والسنة والإجماع والقياس ويفهم من هذا أنه أعم من أن يكون استفراغا في إدراك ما سبق التكلم فيه من العلماء السابقين أولا وافقهم في ذلك أو خالف ومن أن يكون ذلك بإعانة البعض في التنبيه على صور المسائل والتنبيه على مأخذ الأحكام من الأدلة التفصيلية أو بغير إعانة منه فما يظن في مَنْ كان موافقاً لشيخهفي أكثر المسائل لكنه يعهف لكل حكم دليلا ويطمئن قلبه بذلك الدليل وهو على بصيرة من أمره أنه ليس بمجتهد ظن فاسد وكذلك ما يظن من أن المجتهد لا يوجد في هذه الأزمنة اعتمادا على الظن الأول بناء فاسد على فاسد۔ انتهى۔

غرض کہ یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ پچھلے زمانے میں کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا یا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے منجملہ اور غلط فہمیوں کے جو عوام میں پھیل گئیں اور اہل تحقیق برابر اس کا رد کرتے رہے اور بعض نے اس بارے میں مستقل تالیفیں کیں (۱) اور کتنے لوگ ہمارے (۲) پیش نظر ہیں، جنہوں نے دعویٰ اجتہاد کیا اور وہ اہل تھے، اس دعوے کے یا دوسروں نے ان کو مجتہد مطلق تسلیم کیا۔

زمانہ مابعد میں اجتہاد آسان ہے:

لیکن عوام کو سخت تعجب وانکار ہے کہ ان چند بزرگوں کے بعد جن کو وہ مجتہد کہتے ہیں کسی اور کو مجتہد کہا جائے یا کسی اور کو درجۂ اجتہاد پر پہنچا ہوا سمجھا جائے (۳)۔ یا کوئی عالم مجتہدوں کا سا طرز عمل برتے۔ حالانکہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو زمانہ مابعد میں اجتہاد بہت ہی آسان اور سہل ہوگیا۔ اور مشکل تھا تو زمانہ سابق میں تھا تو اس کے تمام موقوف علیہ فنون منتشر اور غیر مدون تھے اور ان کی تھوڑی مقدار پر بھی دسترس ہونا بہت دشوار تھا بخلاف زمانہ مابعد کے کہ ہر طرح سے آسانی

---

(۱) مثل إرشاد النقاد إلى تيسير الإجتهاد وغیرہ۔

(۲) مثل امام ابوثور، علامہ ابن جریر۔ داؤد ظاہری۔ علامہ ابن المنذر بقی بن مخلد قرطبی۔ تاج الدین سبکی۔ تقی الدین سبکی۔ ابن دقیق العید۔ ابوشامہ جلال الدین سیوطی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم۔

(۳) <u>زمانہ کا عجب دستور:</u>

زمانہ کا عجب دستور ہے کہ عموماً اپنے زمانہ کے صاحب کمال کو قدر و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ اس کی بات کو نظر اعتبار سے بالخصوص گزشتہ زمانے والوں کے مقابلے میں گو وہ علمی حیثیت سے بہ نسبت اس کے کم ہوں سنا جاتا ہے۔ اور پھر آدمی گزر کر جوں جوں پرانا ہوتا جاتا ہے اس کا اعتبار بڑھتا جاتا ہے اور جو شخص بہت زمانوں سے مشہور ہو چکا ہے۔ وہ بہت زائد باعتبار اور واجب الاتباع ہے حالانکہ اصابت حق اور بلاغ علم میں نئے پرانے کو کچھ دخل نہیں۔ یہ بات بھی اس غلطی کی جس میں ہمارے فریق مقابل پڑے ہوئے ہیں، ایک بڑی وجہ ہے۔ صاحب درمختار کیا خوب لکھتے: قل لمن لم یر المعاصر شيئا ويرى للأوائل تقديما أن ذاك القديم كان حديثا وسيبقى هذا الحديث قديماً۔

ہوگئی بلکہ ضرورت سے زائد تنقیحیں اور شرحیں کر دی گئیں۔ اب صرف تھوڑی توجہ ہی کی ضرورت باقی رہی۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں(۱):

”پہلے زمانے کے علماء اس حدیث کے چھوڑنے میں جس پر وہ واقف نہ ہوئے معذور تھے۔ کیونکہ احادیث اس زمانہ میں مدون نہ تھیں، بلکہ علماء کی زبان سے حاصل کی جاتی تھیں اور علماء شہروں میں منتشر تھے اور اب اللہ کا شکر ہے کہ یہ عذر احادیث کے جمع ہوجانے کی وجہ سے جو کہ وہ کتابوں میں جمع ہوگئیں جاتا رہا کہ محدثین نے (نہ صرف ان کو جمع کر دیا بلکہ) ان کے علیحدہ علیحدہ باب مقرر کئے اور ان کی الگ الگ قسمیں کیں اور ان تک پہنچنے کے راستہ کو آسان کر دیا۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ بہت سی احادیث کا شرح وار صحت وضعف بھی بیان کر دیا۔ اور ان کے راویوں کی عدالت میں اور جو مجروح تھے ان کی جرح میں اور احادیث معلولہ کی علت میں گفتگو کی۔ غرضکہ انہوں نے کسی طالب کے لئے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا۔ اور قرآن کی تفسیر کی۔ اور قرآن وحدیث کے مشکل لفظوں اور ان کی فقہ مسائل متخرجہ میں اور جو جو امور ان سے متعلق تھے سب کے بارے میں بڑی بڑی اور متعدد تصنیفوں میں بحثیں کیں۔ پس سمجھ دار ذہین سچی طلب والے کے لئے سامان

---

(۱) عبارت یہ ہے: قد كانت العلماء في الصدر الأول معذورين في ترک مالم يقفوا عليه من الحديث لكون الأحاديث لم تكن حينئذ فيما بينهم مدونة إنما كانت تتلقى من أفواه العلماء وهم يتفرقون في البلدان وقد زال ذلک العذر ولله الحمد بجمع الأحاديث المجتمع بها في كتب بوبوها وقسموها وسهلوا الطريق إليها وبينوا اضعف كثير منها وصحته وتكلموا في عدالة الرجال وجرح المجروح منهم وفي علل الأحاديث ولم يدعوا للمستعمل ما يتعلل به وفسروا القرآن وتكلموا في غريبهما وفقيهما كل ما يتعلق بهما في مصنفات عديدة جليلة والآلات متهيأت لذي طلب صادق وذكاء وفطانة وكذلک اللغة والصناعة العربية كل ذلک فقد حرره أهله وحققوه فالتوصل إلى الاجتهاد وبعد الجمع والنظر في الكتب للمعتمدة إذا رزق الإنسان الحفظ والفهم ومعرفة اللسان أسهل منه قبل ذلک۔ انتہیٰ۔ (دیکھو: مجموعۃ الرسائل المنبریۃ ص:۳۰، ۳۱۔ ج:۳۔ ع۔ ح۔)

سب تیار ہے۔ اسی طرح لغت اور فن عربیت کو ان کے جاننے والوں نے تحریر و تحقیق کر دیا۔ پس کتب معتمدہ کے جمع کرنے اور ان کے دیکھنے کے بعد جب کہ آدمی کو فہم و حافظہ اور معرفت زبان عربی کی حاصل ہو درجہ اجتہاد تک پہنچنا پہلے زمانے کی بہ نسبت سہل تر ہے۔''

غرضکہ علم اجتہادی کسی ایسے علم کا نام نہیں ہے، جو ان درسی کتابوں سے باہر ہو، جو آج کل پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، یا ان کا ایک اوسط درجے کے سمجھ دار کے لئے جس نے اچھی طرح علوم آلیہ صرف ونحو وغیرہ فنون ادبیہ وعلم اصول اور تفسیر و حدیث وفقہ کو حاصل کیا ہے، اور انہیں کتابوں کو سمجھ کر پڑھا پڑھایا ہے جو عموماً درس میں ہیں اور ان کے لواحق کا مطالعہ کیا ہے، حاصل ہونا کچھ مستبعد ہو بشرطیکہ وہ قصد کرے اور دلائل کے ساتھ مسائل کی تطبیق میں ذاتی اطمینان حاصل کرے۔

تجاہل عارفانہ یا حرماں نصیبی؟

پس فریق مقابل کے ان علماء سے سخت تعجب ہے جن میں کوئی حالت منتظرہ بجز قصد و توجہ کے باقی نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کیسے خواہ مخواہ بے علم بتا کر مستحق تقلید ٹھہراتے ہیں [1]۔ باوجودیکہ وہ ذہانت وطباعی و استقلال رائے کا یہ حصہ رکھتے ہیں کہ اگر معقولات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو فیثاغورس و بقراط وسقراط و ارسطو و افلاطون و ابوعلی بن سینا کے کلام میں بھی اصلاحیں دیتے ہیں

---

(۱) چنانچہ انتصار الحق میں بھی جو کہ سرمایہ ناز مقلدین ہے لکھتے ہیں: ''جس کو دلیل حکم کی لاریب واضح ہو جائے اور وہ نہیں ہے مگر مجتہد غایۃ الامر یہ ہے کہ بر تقدیر تجزی اجتہاد کے مجتہد فی بعض الاحکام ہو گا لیکن مقلد من حیث المقلّد کو دلیل بلاریب نہیں کھلتی ورنہ مقلد نہ رہے گا (ص: ۱۰۴)۔'' اور لکھتے ہیں: ''راقم الحروف کہتا ہے جو شخص کہ اس کو تتبع احادیث اور اقوال مخالفہ اور موافقہ مجتہدین کا اس قدر ہو کہ حدیث منسوخ ومعارض وغیرہ اور غیر منسوخ وغیرہ میں تمیز تام کر لے اور معانی نصوص مع شرائط معتبرہ معرفت بخوبی پہچانے تو وہ شخص بھی زمرۂ مجتہدین میں داخل ہے۔ اگر چہ مجتہد مطلق نہ ہو اس لئے کہ مجتہد فی بعض المسائل کو جاننا متعلقات اس مسئلہ کا جس میں یہ مجتہد قرار پائے واسطے تحقق اجتہاد کے کافی ہے۔ اور جامع ہونا جمیع شرائط اجتہاد کا ضروری نہیں۔ انتہیٰ (ص: ۱۳۵)۔

اور منقولات کی طرف رخ کرتے ہیں تو اپنے مسلک اور اپنے مذہب کے اثبات اور اس کے لئے استدلال میں عجب عجب باریک بینیاں اور موشگافیاں دکھاتے ہیں اور ہر ہر مسئلے کی دلیل (۱) دینے کا دعوی کرتے ہیں اور اپنے مخالف فریق میں بڑے بڑے ائمہ مثل امام شافعی اور امام بخاری وغیرہم کے استدلالات واستنباطات میں طرح طرح سے غلطیاں نکالتے ہیں اور ایک ایک مسئلہ میں

---علماء مقلدین کی تحقیقات پر موروثی اثرات:

جو لوگ اپنے ائمہ کے مسائل کے لئے استدلال کرتے اور ناسخ ومنسوخ ومعانی نصوص سے بحث کرتے ہیں اگر وہ اس ادراک کو نہیں پہنچتے تو پھر وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اور اگر پہنچ گئے تو پھر اپنے لئے مدعی تقلید کیوں ہوتے ہیں اور پھر اس صورت میں ان کو تقلید کی کیا ضرورت اور تنقید اقوال وترجیح مذاہب سے کیا عذر ہے۔ اگر وہ یہ دعوے کریں کہ ہم نے تنقید دلائل اور ترجیح کے بعد اختیار کیا، اور اسی کو راجح پایا تو اول عموما یہ بات خلاف واقع ہے۔ وہ خود جی میں انصاف کریں کہ آیا انہوں نے ایسا کیا ہے یا نہیں كفى بالله شهيدا بيني وبينكم۔ بلکہ ابتداء ہی سے بحث واستدلال کا دروازہ کھولا تو اپنے مذہب کی جس پر پیدا ہوئے نصرت اور تائید اور دوسرے کی تغلیط سے بسم اللہ کی۔ اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا ان سے ہم کو بحث بھی نہیں۔ دوسرے اگر ہر ایک نے تحقیق وتنقید کے بعد اختیار کیا تو یہ بات کسی طرح یقین کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جو لوگ حنفی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی تحقیق میں باوجودیکہ وہ آزادانہ تحقیق کرتے ہیں وہی مسائل حق وصحیح نظر آتے ہیں جو حنفی مذہب کے ہیں اور جو شافعی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو شافعی مذہب کے اور جو مالکی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو مالکی مذہب کے۔ گو بعض مواقع پر انداز طبع وانتقال ذہن کا اثر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ لیکن اس بات کے باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر شخص وہی انداز طبع لے کر پیدا ہوتا ہے گو وہ کیسا ہی محققانہ طریقہ برتے جس سے اس کی تمام تحقیق کا نتیجہ وہی پیدا ہوتا ہے جو اس امام کا مذہب ہے جس کے نام لینے والوں میں یہ پیدا ہوا اور اس کو اسی امام کے ساتھ توارد ہوتا ہے جس کے مذہب کا نام اس کے باپ دادا لیتے رہے اور کبھی وہ کسی ایسے خاندان میں پیدا ہوا ہوتا جو شافعی المذہب ہیں تو اس کی تمام تحقیقات کا وہ نتیجہ ہوتا جو شافعی مذہب ہے اور اصل میں یہ کچھ نہیں بلکہ عموماً جس مذہب والوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ اسی کے دلدادہ ہیں اور اسی کی تائید وتصحیح میں اپنی لیاقتوں اور علمی طاقتوں کو خرچ کرتے ہیں نہ یہ کہ تمام ائمہ کرام کو علی السویہ اپنا رہنما اور مبلغ احکام شرعیہ سمجھتے اور سب کے اقوال کو کان لگا کر سنتے اور جب وہ ائمہ کسی مسئلہ میں آپس میں مختلف ہوتے تو ارجح اور اولی کی تلاش عادلانہ نظر سے کرتے اور اگر کوئی ایسا کرتے ہیں تو ان سے ہم کو خلاف بھی نہیں وقليل ماهم۔

(۱) گو اندرونی حالت ان دلائل اور استدلال کی کیسی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک ضعیف یا غلط بات کے ثابت کرنے کے لئے زیادہ ذہانت اور صرف علم کی ضرورت ہے۔ جب وہ یہ کر سکتے ہیں تو براہ راست استدلال اور صحیح طور پر مسئلہ کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، اگر اپنے مذہب کی پاسداری سے خالی الذہن ہو کر حق کو دیکھنا چاہیں۔

رسالے کے رسالے لکھ ڈالتے ہیں اور قرآن وحدیث وقیاس واستنباط سے ہر طور پر استدلال کرتے ہیں اور فریق مقابل کے ساتھ بحث ومناظرہ کو تیار ہوتے ہیں [1] حالانکہ یہ کام خود علم اجتہادی کے ہیں۔ پس کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ بیچارے بے علم ومعذور اور تقلید محض کے اہل ہیں اور تحقیق حق اور تنقید دلائل کی لیاقت نہیں رکھتے۔

اس کے سوا اہل اصول وغیرہم صاف لکھ رہے ہیں کہ ہر قسم کا استدلال یا دلیل سے مسئلہ کا سمجھ لینا مجتہد پر موقوف نہیں جو بات مجتہد کے ساتھ مختص ہے وہ صرف قیاس ہے اور بعض بہت خفی قسم کی دلالتیں نہ ہر قسم کی دلالت۔ چنانچہ ابن الہمام تحریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''دلالت النص [2] اس بات میں قیاس سے غیر ہے کہ قیاس مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور دلالت النص کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔'' اسی کے قریب قریب توضیح اور بعض دیگر کتب اصول میں بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دلالت النص کا سمجھنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں۔ جب دلالت النص کا یہ حال ہے تو اشارۃ النص اور عبارت النص کو جو اس سے بھی ظاہر تر ہیں بدرجۂ اولی عوام سمجھ سکتے ہیں۔ پس نص کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔ علامہ [3] بہاء الدین مرجانی ایک مقلد کے رد میں کیا خوب لکھتے ہیں: ''اور وہ بات جو ہمارا مخاطب بناوٹ کرتا اور

---

(۱) <u>للّٰہی مناظرہ کی علامات:</u>

امام غزالی للّٰہی مناظرے کی علامات میں لکھتے ہیں: الثالثة أن يكون المناظر مجتهداً يفتي برأيه لا بمذهب أبيحنيفة والشافعي۔ انتهى۔ (فاتحة العلم) اس سے معلوم ہوا مناظرہ کرنا مجتہد کا کام ہے۔

(۲) عبارت : أن دلالة النص يخالف القياس في أن القياس يختص بالمجتهد ودلالة النص يفهمها العوام۔ انتهى۔

(۳) عبارت یہ ہے: والذي يتقوله المخاطب ويفترى به الكذب على الله أنه يزعم أن التمسك بالأدلة إنما هو وظيفة المجتهد والإجتهاد ملكة راسخة وبصيرة شريفة ورتبة عظيمة صعبة المرقى وأهله قد انقرض وزمانه قد مضى۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ جوڑتا ہے یہ ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ دلیلوں کے ساتھ تمسک کرنا صرف مجتہد ہی کا کام ہے اور اجتہاد ایک ایسا دشوار گزار رتبہ ہے جس کے اہل گزر گئے اور اس کا زمانہ نکل گیا۔"

عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف نہیں:

غرضکہ نہ اجتہاد ختم ہوگیا اور نہ دلائل کا سمجھنا اور استدلال کرنا مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہ عموماً عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف ہے۔ دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں:

"علامہ ولی الدین عراقی نے فرمایا[1]۔ دلیل تو عامی کے لئے بھی عمل بالحدیث کے جواز کا حکم دیتی ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کل کے کل اصطلاح علماء کے مطابق فقیہ مجتہد نہ تھے

---

(۱) عبارت یہ ہے: قال العلامة ولي الدين العراقي الدليل يعطى الجواز يعني العمل بالأمر لما تقرر أن الصحابة (رضي الله عنهم) ما كان كلهم فقهاء على اصطلاح العلماء فإن فيهم القروي والبدوي ومن سع منه (صلى الله عليه وآله وسلم) حديثا واحدا وصحبه مرة ولا شك أن من سمع منهم حديثا عن رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) أو أخذمن الصحابة (رضي الله عنهم) كان يعمل به حسب فهمه فقيها كان أولا ولم يعرف أنه غير الفقيه منهم كلف بالرجوع إلى الفقيه فيما سمعه من الحديث لا في زمانه (صلى الله عليه وآله وسلم) ولا بعده في زمان الصحابة (رضي الله تعالى عنهم) وهذاتقرير منه (صلى الله عليه وآله وسلم) لجواز العمل بالحديث لغير الفقيه وإجماع من الصحابة عليه ولو لا ذلك لأمر الخلفاء الراشدون (رضي الله تعالى عنهم) غير الفقهاء من الصحابة سيما أهل البوادي أن لا يعملوا بما أخذوا عن النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) مشافهة أو بواسطة حتى يعرضوا على الفقهاء منهم ولم يروا من هذا حين ولا أثر هذا هو ظاهر قوله تعالى: {ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهو} ونحوه من الآيات حيث لم تقيد بأن ذلك على فهم الفقهاء ومن ههنا عرفت أنه لا يتوقف العمل بعد وصول الحديث الصحيح على معرفة عدم الناسخ أو عدم الإجماع على خلافه أو عدم المعارض بل ينبغي العمل به إلى أن يظهر شيء من الموانع فينظر في ذلك ويكفي فى العمل كون الأصل عدم هذه العوارض المانعة عن العمل وقد بنى الفقهاء على اعتبار أصل الشيء أحكاما كثيرة في الماء ونحوه لا يخفى على المتتبع لكتبهم ومعلوم أن من أهل البوادي والقرى البعيدة من كان يجئى عنده (صلى الله عليه وآله وسلم) مرة أو مرتين ويسمع شيئاً ثم يرجع إلى بلاده ويعمل به والوقت كان وقت نسخ وتبديل ولم يعرف أنه (صلى الله عليه وآله وسلم) أمر أحدا من هؤلاء بالمراجعة ليعرف الناسخ من المنسوخ بل أنه (صلى الله عليه وآله وسلم) قرر من ---

بلکہ گاؤں کے اور جنگل کے رہنے والے ہر قسم کے لوگ تھے اور وہ کہ جنہوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کل ایک ہی حدیث سنی یا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت ایک ہی مرتبہ اٹھائی۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ میں سے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی حدیث سنتا تھا یا دوسرے صحابہ سے لیتا تھا وہ اپنی فہم کے موافق اس پر عمل کرتا تھا۔ خواہ وہ فقیہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، اور یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ غیر فقیہ کو جو وہ حدیث سنے اس کی بابت کسی فقیہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہو کہ اس سے دریافت کرنے کے بعد اس پر عمل کرے، نہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں اور پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد زمانۂ صحابہ میں۔ اور یہ بات غیر فقیہ کے لئے عمل بالحدیث پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے تقریر ہے اور صحابہ کا اجماع یعنی عامی کے لئے حدیث پر عمل کرنا بلا مجتہد کی طرف رجوع کئے ہوئے حدیث **تقریری** اور **اجماع صحابہ** سے ثابت ہو گیا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ضرور خلفاء راشدین صحابہ میں سے غیر فقہاء کو حکم دیتے خصوصاً دیہات والوں کو کہ وہ ان احادیث پر جو انہوں نے بلا واسطہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا بواسطہ سنی ہیں عمل نہ کریں جب تک کہ ان کو فقہاء صحابہ پر پیش کر کے تحقیق نہ کریں۔ حالانکہ اس کا کوئی ذکر یا نشان مروی نہیں ہوا۔ اور یہی بات اللہ تعالیٰ

---قال لا أزيد على هذا ولا أنقص على ما قال ولم يذكر عليه بأنه يحتمل النسخ بل قال دخل الجنة إن صدق أو كما قال وكذلك ما أمر الصحابة أهل البوادي وغيرهم بالعرض على فقيه لتميز له الناسخ والحجة بلوغه لا وجوده ويدل على أن المعتبر البلوغ لا الوجود أن المكلف مأمور بالعمل على وفق المنسوخ ما لم يظهر عنده الناسخ فإذا ظهر لا يعيد ما عمل على وفق المنسوخ كحديث نسخ القبلة إلى الكعبة المشرفة فإن خبره وصل إلى أطراف المدينة المنورة كأهل قباء وغيرهم بعد ما صلوا على وفق القبلة المنسوخة فمنهم من وصله الخبر في اثناء الصلوة ومنهم من وصله بعد أن صلى صلوات والنبي (صلى الله عليه وآله وسلم) قررهم على ذلك ولم يأمر أحدا منهم بالإعادة فلا عبرة لما قيل لا يجوز العمل قبل البحث عن المعارض والمخصص وإن ادعى عليه الإجماع فإنه لو سلم فإجماع الصحابة وتقرير النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) مقدم على إجماع من بعدهم۔ (دراسات، ص: ۱۶۵، طبع کراچی، ع۔ ح۔)

کے کلام: {وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا} (یعنی جو رسول تمہیں (تعلیم) دیں، اسے لے لو (اور اس پر عمل کرو) اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔) (۱)۔ اور اس کی مثل جو اور آیتیں ہیں ان سے بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں یہ قید نہیں بتائی گئی کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر عمل مجتہدین کی فہم پر موقوف ہے۔

اور اسی سے تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث صحیح پہنچنے کے بعد (کسی کے لئے) اس پر عمل اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ اس کا منسوخ نہ ہونا یا اس کے مخالف اجماع نہ ہونا یا کسی اور نص کا اس کے معارض نہ ہونا بھی معلوم کر لیا جائے۔ بلکہ جب تک کوئی مانع (ومزاحم اس شخص پر) ظاہر نہ ہو۔ اس حدیث پر اس کو عمل کرنا چاہئے۔ جب ظاہر ہو اس وقت اس میں غور کیا جاوے۔ اور عمل کے لئے یہی کافی ہے کہ اصل ان عوارض کا جو مانع عمل ہیں، نہ ہونا ہے۔ اور فقہاء نے اصل کے اعتبار پر پانی وغیرہ کے بہت سے احکام کی بنا رکھی ہے جو کہ تلاش کرنے والے کے لئے مخفی نہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جنگل اور دور کے دیہاتیوں میں ایسے ایسے لوگ تھے کہ جو حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک ہی بار یا دو ہی بار آتے اور کچھ سن لیتے پھر اپنے بلاد کی طرف واپس جاتے اور اس پر جو سُن جاتے عمل کرتے رہتے۔ حالانکہ وہ زمانہ نسخ وتبدیل کا زمانہ تھا اور یہ نہیں ثابت ہوا کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان لوگوں میں سے کسی کو لوٹ کر آنے کا حکم دیا ہو تا کہ ناسخ ومنسوخ میں آکر تمیز کر لے بلکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تو اس شخص کو بھی جس نے کچھ احکام سن کر کہا کہ اس پر نہ زیادہ کروں گا نہ کم، ثابت رکھا اور اس کی بات کا انکار نہ کیا کہ احتمال نسخ بھی تو ہے بلکہ اور کہہ دیا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح صحابہ نے بھی دیہات والوں وغیرہم کو حکم نہیں دیا کہ وہ حدیث کو کسی فقیہ پر پیش کیا کریں تا کہ وہ ان کے واسطے ناسخ ومنسوخ کی تمیز کر دے، نسخ کے باب

(۱) سورۃ الحشر: ۷۔

یں ناسخ کا پہنچنا حجت ہے نہ اس کا فی الواقع موجود ہونا۔ اور اس بات پر کہ اعتبار ناسخ کے پہنچنے اور معلوم ہونے کا ہے۔ نہ نفس الامر میں اس کے موجود ہونے کا یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ مکلف کو حکم دیا گیا کہ جب تک اس کو ناسخ ظاہر نہ ہو وہ منسوخ پر عمل کرتا رہے اور جب ناسخ ظاہر ہو جائے تو جو اس نے منسوخ پر عمل کیا تھا، اس کا اعادہ نہ کرے۔ مثلاً دیکھو: حدیث منسوخ ہونے قبلہ بیت المقدس کی طرف بیت اللہ شریف کے، کیونکہ اس کی خبر اطراف مدینہ منورہ کو مثل اہل قباء وغیرہم کے اس وقت پہنچی جب کہ انہوں نے قبلہ منسوخہ کی طرف نماز پڑھ لی تھی تو کسی کو تو حالت نماز میں خبر پہنچی اور کسی کو بعد کئی نمازیں پڑھنے کے پہنچی اور پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ان کو اُسی پر قائم رکھا اور کسی کو نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ پس جو کہا گیا ہے کہ جب [1] تک معارض و مخصص سے بحث نہ کر لی جائے حدیث پر عمل جائز نہیں۔ یہ کچھ بھی قابل اعتبار بات نہیں ہے۔ اور گو اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا جائے۔

(۱) علامہ بہاؤ الدین مرجانی کیا خوب لکھتے ہیں: "لیکن (حدیث کے اندر) احتمال نسخ کا اور تاویل اور تقیید کا (جو پیدا کیا جاتا ہے) تو اگر ناسخ یا مخصص یا مقید یا موجب تاویل ظاہر ہو جائے تو ان میں جو بھی ہو اس کے حکم کے ثبوت میں کلام نہیں۔ والا (بلا ثبوت کے احتمال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں) جو نص کہ احتمال نسخ اور تاویل اور تقیید کا رکھتی ہی نہیں وہ تو محکم کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو احتمال نسخ کا رکھتی ہے وہ مفسر کہلاتی ہے اور جو ان سب کا احتمال رکھتی ہے وہ ظاہر کہلاتی ہے اور ہر ایک ان میں کے حکم (مسئلہ شرعی) کو یقینا ثابت کرتی ہے (جیسا کہ یہ تمام باتیں فن اصول میں ثابت ہوئی ہیں) اور ان میں فرق تو آپس میں مقابلہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے (نہ یہ کہ مسئلہ شرعی مستنبط ہونے میں کوئی محل احتمال ہے) اور عمل ان میں سے کسی پر ترک کر دینا محض احتمال سے جائز نہیں۔ انتہیٰ۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں "علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب تک ناسخ نہ معلوم ہو منسوخ پر عمل جائز ہے اور ناسخ کا حکم اس کے معلوم ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے تحویل قبلہ کے مسئلہ سے۔ اور شافعی صاحب نے فرمایا: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو حدیث رسول (ﷺ) ظاہر ہو جاوے اس کو ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی کے قول سے اس کو چھوڑ دے۔ اور ابن عبد البر نے کہا۔ ہر اس شخص پر جس کو حدیث میں سے کچھ بھی پہنچ جائے واجب ہے کہ وہ اس کو اس کے عموم پر جاری رکھے جب تک کہ اس کو اس کا مخصص یا ناسخ ثابت نہ ہو۔ انتہیٰ۔ عبارت یہ ہے: وأما احتمال النسخ والتأويل والتخصيص فإن ظهر الناسخ وموجب التخصيص والتقييد والتأويل فلا كلام في ثبوت مقتضاه من التفصيل وإلا فما لا يحتمل النسخ والتأويل والتقييد هو القسم المختص باسم المحكم من أقسام النظم --

کیونکہ اگر یہ اجماع تسلیم بھی کر لیا جائے تو اجماع صحابہ کا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس پر حدیث تقریری اوروں کے اجماع پر مقدم ہے۔"

غرض کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بلاوجہ نسخ وتاویل وتخصیص کے شبہ پیدا کر کے اور اس وسوسہ میں پڑ کر اس پر عمل کرنے سے محروم رہنا یا اس پر عمل کو اجتہاد پر موقوف سمجھنا سخت غلطی ہے۔

عامی کے لئے عمل بالحدیث کا امام صاحب سے ثبوت:

خود حضرت امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) [1] اور ان کے بعض شاگردوں سے ایسے عامی

--- والذي يحتمل النسخ هو المفسر والذي يحتملها هو الظاهر وكل ذلك يوجب الحكم قطعا وإنما يظهر التفاوت عند المعارضة ولا يجوز ترك العمل بمجرد الإحتمال واتفقوا على أن العمل بالمنسوخ جائز إلى أن يظهر ناسخه وإن الناسخ لا يلزم حكمه إلا بعد العلم به واستدلوا بتحويل القبلة وقال الشافعي أجمع المسلمون على أن من استبانت له سنة رسول الله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لم يحل له أن يدعها القول أحد وقال ابن عبد البر يجب على كل من بلغه شيء من الحديث أن يستعمله على عمومه حتى يثبت عنده ما يخصه أو ينسخه۔ انتهى۔

(۱) چنانچہ حجۃ اللہ، ص: ۱۵۸ میں البحر الرائق سے نقل کرتے ہیں: ولكن بلغه العامي الخبر وهو قوله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) أفطر الحاجم والمحجوم وقوله (علیہ السلام) الغيبة تفطر الصائم ولم يعرف النسخ ولا ؁ ويله لا كفارة عليه عندهما أبي حنيفة ومحمد لأن ظاهر الحديث واجب العمل به خلافا لأبي يوسف لأنه ليس للعامي العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ۔ انتہیٰ۔ یہ اس عامی کی بابت کلام ہے، جو بالکل بے علم ہو۔ چنانچہ عقد الجید ص: ۹۹ میں فقہ کی کتاب خزانۃ الروایات سے نقل کرتے ہیں: محمول على العامي الصرف الجاهل الذي لا يعرف معنى الأحاديث وتأويلاتها لأنه أشار إليه بقوله لعدم الاهتداء أي في حقه إلى معرفة الأحاديث وكذا قوله وأن عرف تأويله ويشير إلى أن المراد من العامي غير العالم۔ انتهى۔ پس ایسے بالکل بے علم عامی کے لئے بھی حضرت امام اعظم صاحب عمل بالحدیث کا حکم دیتے ہیں۔ اسی سے اس بات کی غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے جو بعض لوگ (مثلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ومولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی وغیرہ) کہتے ہیں کہ "امام صاحب نے جو أترکوا قولي بخبر الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایا تو اپنے خاص شاگردوں کو اور ان کو جو درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوں فرمایا۔" اس لئے کہ ثابت ہوگیا کہ عمل بالحدیث اور حدیث کا سمجھنا اور اس سے استدلال کرنا اجتہاد ---

---پر موقوف نہیں و نیز امام صاحب کسی طرح یہ خیال نہ کر سکتے تھے کہ میرے اقوال صریح احادیث کے خلاف نہیں ہو سکتے بلکہ احادیث کے منتشر اور غیر فراہم ہونے کی وجہ سے اس کا قوی احتمال تھا اور اسی واسطے یہ فرمایا پس وہ اپنے اس قول میں مجتہد کی تخصیص کیسے کر سکتے تھے۔ کیونکہ صریح احادیث میں اجتہاد کو کیا تعلق۔ اس کے علاوہ جو اس درجہ کے لوگ ہیں ان کو اس کے کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ تو تقلید ہی کے محل نہیں اور وہ پہلے ہی سے ان کے قول کو چھوڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ کسی کے مقلد نہیں۔ پھر انکی بابت اس بات کے کہنے کا کیا موقع۔

کیا ترک تقلید شخصی عوام کو جائز نہیں؟

اس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ **بعض لوگ** جو گویا بڑے حق پرست بن کر یہ کہتے ہیں کہ ''جو بڑے عالم ہیں مثل مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ کے ان پر ہم کو اعتراض نہیں لیکن ہما و شما کو تقلید شخصی چھوڑنا یا امام کے خلاف کرنا ہرگز نہیں چاہئے۔'' وہ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنے کے لئے بڑے عالم کا ہونا ضرور نہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ دوسرے ہم کہتے ہیں کہ کوئی عامی مولوی نذیر حسین صاحب سے شرعی مسئلہ دریافت کرنے آئے تو ان کو وہ بتانا چاہئے جو ان کو حق ثابت ہو اور جس کو حدیث رسول (ﷺ) بتاتی ہے یا اس کے خلاف بتانا چاہئے۔ شق ثانی صریح باطل ہے۔ برتقدیر اول جب وہ مسئلہ مثلاً حنفی مذہب کے خلاف ہے تو ایک عامی کا خلاف مذہب عمل کرنا متحقق ہوگیا۔ اگر کہا جائے کہ ان کو فتویٰ دینا ہی نہیں چاہئے۔ یا کسی کو ان سے فتوی لینا نہیں چاہئے تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے امام صاحب کو حماد کے اور ابراہیم نخعی کے بعد بعض مسائل میں ان کے خلاف اور امام شافعی کو امام صاحب کے بعد اور امام احمد صاحب کو ان سب کے بعد کیسے جائز ہوا۔ اور جو کتنے فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے بعد ان کے خلاف فتوے دیئے اور لوگوں نے ان سے لئے، یہ کیسے جائز ہوئے۔

کیا عوام تحقیق حق سے معذور ہیں؟

اس کے علاوہ عموماً عوام کو تحقیق حق و تلاش صواب سے معذور ٹھہرانا بھی صحیح نہیں۔ والا عوام شیعہ و خارجی و معتزلہ وغیرہا اور دیگر عوام مشرک و بدعتیوں پر الزام اور ان کے بد کہے جانے کی کیا وجہ ہے۔ دوسرے جب وہ کسی مسئلہ میں اختلاف سنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اختلاف میں عند اللہ حق ایک ہی ہوتا اور یہ بھی ضرور نہیں کہ جس کے ساتھ سب سے زیادہ ہم کو عقیدت ہے وہی ہمیشہ اپنے مخالف کے مقابلہ میں صواب پر ہو۔ اس لئے کہ اول تو یہی ضرور نہیں کہ جس کو ہم افضل و اعلم سمجھتے ہیں نفس الامر میں وہی افضل اور سارے مسائل میں دوسروں سے اعلم ہو۔ دوسرے یہ بھی ضرور نہیں کہ جو افضل و اعلم ہے ہر موقعہ پر مصیب بھی وہی ہو بلکہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں بڑے کی سمجھ نہیں پہنچتی اور چھوٹے کے خیال میں وہ آجاتی ہے۔ دیکھو فقہاء نے باوجود افضل کے تقلید مفضول (اس سے چھوٹے) کی جائز رکھی ہے۔ نہ کہ جب چاروں امام حق اور ایک مرتبہ کے مانے گئے ہیں اور تسلیم کیا گیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے۔ یعنی اختلاف میں ان میں سے کسی ایک کی بات حق اور دوسرے کی خطاء واجتہادی ہے۔ پس ایک اللہ اور رسول (ﷺ) کے حکم کی تلاش کرنے والا اور ان کے اتباع کا قصد رکھنے والا---

کی بابت بھی جو محض بے علم ہے منقول ہے [1] کہ کوئی حدیث جو وہ کسی سے سن پائے، اس پر وہ حدیث واجب العمل ہے۔گو وہ حدیث اصل میں منسوخ یاماؤل تھی لیکن اس کو اس کا منسوخ ہونا یا کوئی دوسرے معنی رکھنا معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے وہی ظاہر حدیث واجب العمل ہے۔

حدیث سننے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے:

الحاصل صریح احادیث پر عمل کرنے میں خواص وعوام سب برابر ہیں۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ جب کبھی وہ کوئی حدیث رسول (ﷺ) سنے فوراً اس پر عامل ہو جاوے اور گو وہ حدیث نفس الامر میں منسوخ یاماؤل ہو،لیکن جب تک اس کو اس کا منسوخ وماول ہونا ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس پر کوئی ملامت نہیں۔البتہ اگر کسی طور سے اس کو اس کے منسوخ یاماؤل وغیرہ ہونے کا شبہ پیدا ہو اس وقت چاہئے کہ وہ اس کی تحقیق میں مصروف ہو۔اگر ذاتی لیاقت رکھتا ہے تو بطور خود اس کی تحقیق کرنے والا دوسرے اہل علم یا ان کتابوں کی طرف رجوع کرے ورنہ بغیر اس کے کسی صریح حدیث رسول (ﷺ) کے بعد اس کی بابت کسی فقیہ ومجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

--- کبھی اس سے بری نہیں ہوسکتا کہ وہ اختلافی مسائل میں اپنی قدرت بھر تحقیق نہ کرے۔کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ بالکل گنوار اور عوام الناس بھی جب اپنے کسی دنیاوی معاملہ میں دو اہل الرائے کی رائے مثلاً کسی قانونی بات میں دو وکیلوں کی یا کسی مرض میں دو طبیبوں کی مختلف پاتے ہیں،تو اور لوگوں سے پوچھ تاچھ کر اپنا اطمینان حاصل کرتے اور پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔افسوس کہ مال وجان کی حفاظت میں تو یہ سرگرمی مگر ایمان کی حفاظت میں یہ سستی کہ ہم بے علم ومعذور ہیں۔پس چاہئے کہ مختلف علماء سے دریافت کرکے وہ اطمینان حاصل کریں اور جو راجح ثابت ہو،اس پر قائم ہو جائیں اور یا پھر تمام علماء کے اقوال کو یکساں سمجھیں نہ یہ کہ ایک معین کا اپنی طرف سے التزام کرکے اسی کے اقوال کی جملہ امور میں پابندی اپنے اوپر لازم کرلیں اور دوسرے کے قول پر چلنا خروج عن المذہب خیال کریں۔

(۱) افسوس ہے کہ امام تو حدیث کی یہ قدر کریں اور ان کے مقلد ایسی بے قدری۔

غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی ضرورت:

پس عموماً[1] عمل بالحدیث کے لئے نہ خود اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کی۔عوام کو جو مجتہد کی ضرورت ہے تو صرف اجتہادی امور میں ہے نہ ان مسائل میں جو صریح احادیث سے ثابت ہیں جن میں اجتہاد کو کچھ دخل نہیں۔پیغمبر (ﷺ) جو مبعوث ہوئے تھے تو اسی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ تمام بندوں کے امور معاش و معاد کی اصلاح کریں۔اوران کے افعال واعمال اور معاملات اور جملہ واقعات کی بابت وہ حکم جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہو بیان فرمادیں۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا،اور تمام ان حوادث اور افعال مکلفین کے قیامت تک ہو سکتے ہیں احکام بتائے۔مگر چونکہ تمام ان احکام کا تفصیلاً بتادینا اور ہر جزئیہ کا علیحدہ علیحدہ سمجھا دینا ممکن نہ تھا۔اور اگر آپ بتاتے بھی تو اس سب کا ضبط وحفظ امکان بشری سے خارج تھا۔لہٰذا جہاں تک ہوسکا اپنے احکام کی تفصیل کی اور ان کو قولاً اور فعلاً اور تقریراً کسی نہ کسی طور سے واضح کیا تاکہ عوام اور خواص سب ان احکام پر عمل کرسکیں اور باقی احکام کو اجمالی حالت پر چھوڑا جن کی تفصیل اور قوت سے فعل میں لانے کے لئے مجتہدین کی ضرورت ہوئی۔مجتہدین نے ان کو اپنی اپنی فہم کے مطابق ظاہر کیا۔پس مجتہدین کو جن مسائل سے اصلی تعلق ہے،وہ وہی ہیں جن کی تصریح شارع سے ثابت نہیں ہوئی یا ان نصوص کے معانی کا بیان جن کے اشکال کا رفع اجتہادی علم ہی پر موقوف ہے لہذا ایک غیر مجتہد

---

(۱) جو مجتہد نہیں کیا وہ ضرور مقلد ہی ہو؟

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ خیال کہ اجتہاد وتقلید میں کوئی واسطہ نہیں جو مجتہد نہیں وہ مقلد ہی ہوگا صحیح نہیں۔اس لئے کہ ایک عامل بالحدیث غیر مجتہد جن احادیث پر عمل کرتا ہے،وہ کسی کا مقلد نہیں۔جن رواۃ یا جس عالم سے اس کو حدیث پہنچی ان کا تو اس واسطے مقلد نہیں کہ وہ عالم یا راوی محض ناقل ہیں،وہ ان کا ذاتی قول نہیں،جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ امام کے قول کے ناقل ہیں،اس پر عمل کرنے والا صاحب ہدایہ کا مقلد نہیں کہلاتا اور مروی عنہ چونکہ خود شارع ہیں لہذا محکی عنہ کے اعتبار سے کبھی اطلاق تقلید کا نہیں ہوسکتا۔

کوکسی مجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت ہے تو ایسے ہی موقعوں پر ہے نہ ان مسائل میں جن کو شارع نے صراحۃً ذکر کر دیا۔ چنانچہ بہت بڑا حصہ احکام شرعی کا بالخصوص وہ جن سے بیشتر اور روزمرہ عبادات و معاملات میں کام پڑتا ہے اسی قسم کا ہے۔

پیش آمدہ حوادث میں مسائل کا حل:

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب کبھی اس کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو اول وہ نص شارع کو تلاش کرے۔ اگر صریح کلام شارع سے پتہ نہ چلے تب کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف رجوع کرے نہ یہ کہ اول ہی سے جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے کسی ایک خاص مجتہد کے مذہب اور اسی کے عندیے کی تلاش کیا کرے اور احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالائے طاق رکھ دے، جیسا کہ مقلدین کا عموماً طرز عمل ہے۔ افسوس کہ شرع کا کس طرح قلب موضوع کیا گیا۔

اس لطیف تحقیق سے جیسا کہ یہ ثابت ہوا کہ عموماً عمل بالحدیث میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی کی تقلید کی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ اجتہاد فی الشرع کسی وقت میں ختم نہیں ہوسکتا اور کسی زمانے میں مجتہدوں سے استغناء نہیں، اس لئے کہ ظاہر ہو چکا ہے کہ غیر مصرح واقعات کے لئے مجتہد کی ضرورت ہے اور واقعات ایسے غیر محدود ہیں کہ کسی وقت میں ختم ہونے والے نہیں اور ہر زمانہ کا مجتہد آئندہ زمانے کے واقعات کی بابت تفصیلی جزئیات قائم نہیں کرسکتا۔ پس ہر زمانے کے نئے واقعات کے لئے مجتہد کی ضرورت ہے اور اگر کوئی پہلے مجتہد کے اجتہادیات پر تخریج کرکے کاروائی کرنا چاہے تو پہلے ثابت ہو چکا کہ ایسے تخریجی مسائل بہ نسبت صواب کے خطا کے زیادہ محتمل ہیں۔ پس معتبر وہی اجتہاد ہوسکتا ہے کہ براہ راست غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث سے استنباط کیا جاوے۔ رہیں احادیث صریح جو تاویل واشکال سے پاک ہیں ان میں مجتہد کی وساطت درکار نہیں۔ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس قدر احکام فرماتے تھے، آخر وہ بھی تو شرعی فتوے تھے، جو وقتاً فوقتاً

ً آپ عوام الناس کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

افسوسناک روش!

پس کوئی وجہ نہیں کہ اوروں کے فتوے تو قابل اعتماد ہوں اور پیغمبر (ﷺ) کے فتوے قابل اعتماد نہ ہوں۔ حالانکہ جس قدر احتمالات وشکوک پیغمبر صاحب (ﷺ) کے فتووں میں پیدا کئے جاتے ہیں اتنے ہی یا ان سے زائد اوروں کے فتووں میں موجود ہیں جیسا کہ تم پہلے سن چکے ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت رودینے کے قابل ہے کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کے فتوے کا اعتبار کرنا نہیں چاہتے۔ جب تک کہ ان کے امام کی مہر اس پر نہ ہو۔ اور اگر کوئی حدیث رسول (ﷺ) سنتے ہیں تو ان کو اس پر عمل میں یہ تامل ہوتا ہے کہ ہمارے امام کے خلاف تو نہیں ہے اور اپنے امام کا قول سنتے ہیں تو یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ قول ان کا کہیں حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف نہ ہو۔ حالانکہ کتنے اقوال ان کے ایسے بھی ہیں جو صریح احادیث رسول (ﷺ) کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان کو چند اسباب ایسے درپیش تھے جن کی وجہ سے ان سے ایسا ہونا ذرا بھی مستبعد نہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ پس اس صورت میں ان کے اقوال کسی طرح اس قابل نہیں کہ ان کی تحقیق نہ کی جاوے اور آنکھ میچ کر ان کے پیچھے ہولیا جاوے بالخصوص جب کہ دوسرے ان کے ہم پایہ ائمہ یا ان سے بھی عالی پایہ ائمہ ان کے خلاف ہوں۔ پس ایسی حالت میں تحقیق وتفتیش نہ کرنا تو کسی طرح نہیں پہنچتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مقلدین (۱) اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ جو کچھ کہ مذکور ہوا وہ دوسری بات ہے جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے۔

---

(۱) **بعض عجیب مغالطے:**

بعض ا کو دیکھا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے مخالف کسی بات کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں اور اس کی وجہ ترجیح ظاہر کی جائے تو وہ ٹالنے کے واسطے یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے دلائل بیان کرتا ہے حالانکہ کسی---

---مختلف فیہ بات کی ترجیح کے موقعہ میں یہ بات کہہ دینا یا اس پر اطمینان کر لینا کسی طرح صحیح نہیں۔ ورنہ کسی باطل مذہب والے کو سمجھانے اور اس کو ہدایت کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جب اس کے سامنے حق مذہب کے دلائل اور اس کے مذہب کے نقائص بیان کئے جائیں تو وہ بھی یہی کہہ کر چپ کر سکتا ہے کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے مذہب کے دلائل بیان کرتا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ جو علماء مذاہب برابر اپنے اپنے مختار مذاہب کی وجوہ و دلائل بیان کرتے رہے اگر ایک دلیل لانے والے کے سامنے یہی کہہ دینا کافی ہے تو ان کی یہ ساری محنتیں بیکار ہیں۔

بعض ؎۲ چونکہ اپنے مذہب کی دلیل بجز ضعیف حدیث کے اور نہیں پاتے ہیں، تو یوں بات بناتے ہیں کہ ان احادیث میں ضعف نیچے جا کر طاری ہوا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھیں ان تک ان کے راوی سب معتبر تھے، ان سے نیچے کے راوی ضعیف ہیں، امام صاحب تک واسطے کم ہوتے تھے۔ ان کی احادیث ہرگز ضعاف نہیں۔ مقلدین میں کے بعض مولوی بڑے فخر کے ساتھ اس بات کو بیان کرتے اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔ (دیکھو: سبیل الرشاد مؤلفہ مولوی رشید احمد صاحب) حالانکہ یہ بات محض ایک ملمع کاری ہے کیونکہ یہ اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح سند سے پہنچی تھی۔ مثلاً یہ کہ ان کی کوئی کتاب ہوتی اور اس میں وہ حدیث بسند صحیح مذکور ہوتی یا کسی مسند نے امام صاحب سے بسند معتبر و متصل ان کا اس کو بسند صحیح روایت کرنا بیان کیا ہوتا اور پھر اس میں نیچے کے طبقہ کے کسی راوی ضعیف کا روایت میں داخل ہونا پایا جاتا ہے تو کہا جا سکتا تھا کہ ضعف نیچے طاری ہو گیا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھی۔ پس ؎ حدیث قابل حجت ہے ورنہ بلا اس کے ان خانہ ساز باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا اور اس کا بھی تو کوئی ثبوت نہیں کہ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا تھا بلکہ متاخرین اپنی دوڑ کے مطابق اس کو حجت میں لاتے ہیں۔ اگر یہی ثابت ہوتا کہ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا اور پھر یہ بھی ثابت ہوتا کہ امام صاحب ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کرتے تھے اور یہ بھی متحقق ہوتا کہ ان کے صحت وضعف کے حکم لگانے کا جو معیار تھا وہ بھی قابل اعتماد ہے تاہم کچھ کام چل سکتا۔ حالانکہ ان میں سے ایک کا بھی ثبوت ملنا مشکل ہے یا ہے ہی نہیں۔ بلکہ اور خلاف کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ اور کم واسطہ ہونے سے ضعف کے احتمال کی نفی کرنا بڑی غلطی ہے۔ مجروح راوی طبقہ تابعین میں کیا نہ تھے۔ دوسرے ارسال وانقطاع وغیرہ بھی اسباب ضعف کے موجود تھے۔ اس کے علاوہ خود مشاہدہ موجود ہے کہ امام صاحب کی بہتیری روایتیں ضعیف موجود ہیں جو ان کے شاگرد ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر امام صاحب کی روایتوں کے ضعیف نہ ہونے کے کیا معنیٰ۔

بعض ؎۳ کہتے ہیں اپنی ساری حدیثوں کو تو یہ لوگ صحیح کہتے ہیں اور جو حدیث ہماری دلیل ہوتی ہے اس کو ضعیف بتا دیتے ہیں حالانکہ جن مسائل حدیثیہ میں اہل حدیث کو ان سے خلاف ہے ان میں ایسا ہی ہونا قرین قیاس ہے اس لئے کہ اگر اس جانب حدیث صحیح اور ان کی دلیل ضعیف نہ ہوتی تو اہل حدیث خلاف ہی کیوں کرتے اور حقیقت میں اختلافی موقعوں پر اہل حدیث کے مسلک کو قوت ہونا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ ان کا مذہب تابع دلیل ہے۔ جس بات کی دلیل قوی ---

ہے وہی ان کا مذہب ہے۔ بخلاف مقلدین کے کہ ان کا مذہب ان کے امام کا قول ہے اور چونکہ وہ قبل فراہمی دلائل گزر گئے۔ اس وجہ سے ان کے اقوال ہر قسم کے ہیں صحیح بھی ہیں، جو دلائل حدیثیہ کے موافق ہیں اور ضعیف بھی ہیں جو حدیث نہ پانے وغیرہ کی وجہ سے وہ ان کے قائل ہوئے تھے۔ پس ان کے اقوال کی مثال گڈے کے مال کی سی ہے، کھرا کھوٹا ہر قسم کا ملا ہوا ہے۔ اور اہل حدیث کے مسائل کی مثال ایسی ہے کہ کوئی خوب دیکھ بھال اور پرکھ کر چن لے کہ وہ کھرا ہی کھرا ہے۔ اگر مقلدین بھی اپنے مسائل کو تابع حدیث کے کر دیں تو ان کی بھی یہی حالت ہو جائے۔ لیکن ہم زمانے کا جو عموماً رنگ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہاں تو حدیثوں کو پڑھتے پڑھاتے وقت پھیر پھار کر اپنے موافق کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنی طاقت لسانی سے تاویلیں کرنے پر خوب قادر ہو وہ بڑا استاد ہے اور کتنی مشہور درس گاہوں میں دیکھا گیا کہ حدیث کی کتابیں خصوصاً صحیحین بڑے فراٹے سے طے کرادی جاتی ہیں اور ان کو کرنا بھی ایسا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ ان کو اس پر عمل کرنا تو ہے ہی نہیں کہ وہ ہر حدیث کو بغور دیکھیں اور اس کے مطالب اور اشارات پر غور کریں اور اس کو یاد رکھیں جیسا کہ اہل حدیث کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا نہ کریں تو کام کیسے چلے۔ ان کو تو اس پر عمل کرنا ہے اور اسی وجہ سے عموماً اہل حدیث بہ نسبت اہل تقلید کے حدیث سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ ایک اہل حدیث اقسام حدیث اور صحیح وضعیف کی تفصیل سے جیسا واقف ہوتا ہے مقلد نہیں ہوتا۔ ہم نے کتنے مقلد مولویوں کو جن کو اہل حدیث سے بحث کرنے کا اور اپنے علم کا دعویٰ بھی ہے، ایسی ایسی مشہور احادیث سے جو معمولی درسی کتابوں میں ہیں صاف لا علمی ظاہر کرتے پایا، جس سے سخت تعجب ہوا اور عموماً ساقط اور غیر معتبر روایت کا تقریراً اور تحریراً حجت میں لانا اور تمیز نہ کرسکنا تو معمولی باتیں ہیں اور اصلی بات وہی ہے کہ اُن کو اُس سے چنداں غرض ہی نہیں۔ ایک تو ان کا خیال تھا ان کے بزرگوں نے یہ کہہ کر فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ (دیکھو درمختار) اِس سے بھی بے غم کر دیا۔ ان وجوہ سے فقہاء عموماً فن حدیث سے بے خبر رہے۔ پس متاخرین نے بھی مسائل کو درست نہ کیا اور زیادہ تفصیل اوپر گزر چکی۔ لہذا وہ جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ایک رسم ہے جس کو وہ پورا کرتے ہیں۔

بعض ؎۴ کہتے ہیں ان لوگوں کو امام ابوحنیفہ اور حنفی مذہب سے عداوت ہے۔ کیونکہ یہ حنفی مذہب کا ہی خلاف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اہل حدیث کو عداوت کسی سے بھی نہیں اور نہ عداوت کی کوئی وجہ ہے۔ اور بعض تحریروں میں جو بعض الفاظ پر نظر پڑتے ہیں تو چونکہ مقلدین اہل حدیث کے ساتھ بہت سخت کلامی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سی ان کی تالیفوں میں موجود ہے اور ابتداء انہیں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر اہل حدیث مقلدین کی بابت کوئی لفظ لکھیں (گو ہم بہتر یہی سمجھتے ہیں کہ ایسا بھی نہ کریں) تو وہ بحکم وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ البَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ کے معذور ہیں۔ اور جو امام صاحب کی بابت حدیث کا خلاف کرنا کہا گیا ہے اس سے یہ لوگ بہت ناخوش ہوتے ہیں۔ تو اصل میں ایک معمولی بات ہے اور سلف کے کلام میں بھی اس قسم کا اطلاق پایا گیا۔ مگر چونکہ یہ لفظ ان کے منشاء کے بالکل خلاف ہے اس وجہ سے ان کو بہت ناگوار ہوتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو امام صاحب کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کلام بنظر احقاق حق ہے۔ البتہ جو بنظر تشنیع کہے وہ بے شبہ ماخوذ ہے۔ اور مسائل میں خلاف کرنا حنفی مذہب کے ساتھ مختص نہیں۔ کتنے مسائل ہمارے پیش نظر---

اسلام اور تقلید شخصی:

تیسری بات جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ شرع میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جملہ مسائل میں کسی عالم یا مجتہد کی تقلید شخصی کا التزام کیا جائے یا کسی امام کے نام کے مذہب کی پابندی اپنے ذمے لازم ٹھہرائی جائے۔ پس ایسا کرنا اپنی طرف سے نئی شرع قائم کرنا ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور اس کے اندر جو کچھ ہم سے ذمہ داری لی گئی ہے۔ اس کو جہاں تک اول سے لے کر تا آخر دیکھا گیا۔ کہیں اس بات کا کوئی پتہ ونشان نہیں ملتا کہ ہم کو کسی خاص مجتہد کے مذہب کی تقلید بھی کرنا چاہئے۔ اسلام کے ابتدائی عہدنامہ [1] کو دیکھو کہ جو اسلامی تعلیم کا گویا لب لباب ہے تو اس میں صرف اللہ وحدہ لا شریک کی توحید اور اس کے رسول (ﷺ) کی رسالت کا اقرار ہے اور ان کی ہی تابعداری کا اس کے ساتھ کسی مجتہد و امام کی امامت کا اقرار نہیں لگایا گیا۔ اسی طرح آخری دن کی باز پرس کو دیکھو، جب کہ منکر ونکیر سوال کریں گے اس میں رب اور رسول (ﷺ) اور دین کی بابت سوال کا ذکر ہے۔ لیکن کہیں اس سوال کا ذکر نہیں ہے کہ تم کس امام کے مذہب پر تھے اور کہیں غیر مقلد تو نہیں تھے۔ غرض کہ جہاں تک اسلامی تعلیموں کو دیکھو اسلام نے ہم کو بجز اس بات کے اور کسی بات کا مکلف نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کی تابعداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کا علم اپنے آپ کو حاصل ہو۔ تو اپنے علم کے موافق چلے، اپنے آپ کو علم نہ ہو تو کسی عالم سے دریافت کرلے۔ اس میں کوئی اور قید و تخصیص

---ہیں جن میں اہل حدیث شافعی کے خلاف اور امام صاحب کے ساتھ موافق ہیں۔ ان کو کسی خاص امام کی موافقت ومخالفت سے غرض نہیں بلکہ اتباع دلیل مدنظر ہے۔ جس کے بھی موافق ہو۔

(۱) یعنی لاَ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

نہیں بتائی گئی کہ ایک عالم یا امام کو مقرر کر کے اسی کی یا اس کے مذہب کی جملہ مسائل میں پیروی کرے یا جس نے جس امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا، اس کو پھر اسی مذہب پر چلنا چاہئے یا مسلمانوں کو خاص خاص مجتہد مقرر کر کے ان کی تقلید کرنا چاہئے۔ اور جس امام کا مقلد ہے، اس کو اس کے مذہب کے سوا کسی اور امام کے اقوال پر عمل نہ کرنا چاہئے۔

تقلید شخصی، دین میں احداث ہے:

پس اپنی طرف [1] سے کسی عالم یا مجتہد کے مذہب کا التزام کرنا اور اپنے ذمہ اسی کے اتباع کو ضروری ٹھہرانا اور یہ جی میں قرار دے لینا کہ ہمارے امام فلاں مجتہد ہیں چنانچہ جو ان کا مذہب معلوم ہو اس پر عمل کرنا، اور اس وجہ سے اپنے آپ کو انہیں کی طرف منسوب کرنا اور ان کے اقوال کو اپنا مذہب قرار دینا، اور، مجتہدوں کے اقوال وغیرہ کو مذہب ٹھیرانا اور اپنے ذمہ کو انہیں کی تقلید میں مشغول سمجھنا۔ اور جب کسی مسئلہ میں کوئی ضرورت پیش آئے تو انہیں کے عندیئے اور مذہب کی تلاش کرنا اور ان کے مذہب سے بلا کسی خاص ضرورت کے علیحدہ نہ ہونا اور کسی دوسرے امام و مجتہد کے قول پر عمل سے انکار رکھنا یا تنگ دل ہونا اور جو اس پر پابندی کو ملحوظ نہ رکھے اُسے برا سمجھنا اپنی طرف سے نئی شرع قائم کرنا ہے جو کہ اللہ جل شانہ کے کلام پاک: ﴿شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ

---

(۱) جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرز عمل ہے۔ چنانچہ مشاہدہ موجود ہے (اور جو ایسے نہیں ان پر ہم کو یہ اعتراض بھی نہیں) اور بعض اقوال بھی ہم پہلے نقل کر چکے۔ (دیکھو ص: ۱۱۱ تا ۱۱۳) مفقود کے مسئلہ میں جو بعض اصحاب نے اس کے خلاف جو امام صاحب سے مفقود کے بارے میں منقول ہے بعض دیگر دلیلوں اور ایک حدیث سے استدلال کر کے اختیار کیا تو صاحب ردالمختار اس موقعہ پر بحر الرائق کا قول نقل کرتے ہیں: والعجب کیف یختارون خلاف ظاهر المذاهب مع أنه واجب الإتباع على مقلد أبي حنيفة۔ انتهىٰ۔ یعنی مقلدین ابی حنیفہ پر تو ان کے مذہب کی ظاہر روایت واجب الاتباع ہے۔ پس تعجب ہے کہ یہ لوگ اس کے خلاف کیسے اختیار کرتے ہیں (گو وہ کوئی حجت ان کے خلاف کیوں نہ رکھتے ہوں۔) انتہیٰ۔

مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ} [1] (یعنی راہ ڈالی ان کے واسطے دین کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔) اور حدیث رسول اللہ (ﷺ) (مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ) [2] (یعنی ایسا کام کرے جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔) کا مصداق ہے۔ چنانچہ مولانا عبد العلی بحر العلوم شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں [3]:

''کوئی چیز واجب نہیں بجز اس کے جس کو اللہ نے واجب کیا، اور اسی کا حکم ہے اور اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ اماموں میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو اپنا مذہب ٹھہرائے۔ پس اس کا واجب کرنا اپنی طرف سے شرع قائم کرنا ہے۔''

اور شرح تحریر میں فرماتے ہیں:

''یہ تو تم جان چکے ہو کہ شارع کی طرف سے تکلیف بس اسی قدر ہے کہ علی التخییر کسی مجتہد کے فتوے پر عمل کر لیا جائے اور تخصیص کسی ایک مجتہد کی ایک بے دلیل بات ہے جو قابل التفات نہیں بلکہ وہ بغیر کسی حجت کے شارع کا حکم بدل دینا ہے اور اللہ کی رحمتِ واسعہ کا بند کر دینا۔''

---

(۱) شوریٰ: ۲۱۔ یعنی تقلید شخصی کا یہ طریقہ اسی دین کا مصداق ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

(۲) أخرجه البخاری و مسلم و في لفظ لمسلم من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد۔ اور پہلے لفظ کے معنی یہ ہیں جو ہمارے دین میں ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں (بتائی گئی) ہے، تو وہ مردود ہے۔

(۳) عبارت یہ ہے: إذ لا واجب إلا ما أوجبه الله تعالىٰ والحكم له ولم يوجب على أحد أن يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة فإيجابه تشريع جديد ۔ انتهىٰ۔ (ص: ۶۲۳۸) دوسری عبارت یہ ہے: إعلم أنك قد علمت أن التكليف من الشارع ليس إلا العمل بفتوىٰ مجتهد على التخيير وتخصيص العمل بفتوىٰ مجتهدون مجتهد تحكم لا يلتفت إليه بل هو تغيير لحكم الشارع من دون برهان وحجر رحمة الله والواسعة۔ انتهىٰ۔

مصلحت کی بنا پر جواز تقلید کے لوازم:

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید شخصی کا التزام اور کسی امام کے مذہب کی اپنے لئے تعیین کر لینا نہ صرف نئی شرع قائم کرنا بلکہ شرع الٰہی کو بدل دینا ہے۔ اور گو اس تعیین و تخصیص میں کچھ خوبیاں یا مصلحتیں بتائی جائیں یا اس تقلید کو کسی عموم شرعی میں داخل ٹھیرایا جائے اور ایسا کر کے اس کو مستحسن شرعی یا مامور دینی قرار دیا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ ایسا ہی اور ساری بدعتوں میں کہا جا سکتا ہے۔ دین میں کوئی بدعت نہیں ہے جس میں بادی النظر میں کوئی شرعی خوبی مصلحت نہ نکل سکے یا بظاہر وہ کسی عام میں داخل نہ ٹھہرائی جا سکے۔ کیونکہ بدعت [۱] کہتے ہی اس کو ہیں جو دین میں مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ اشتباہ کے طور پر نکالی گئی ہو، اور اس میں دینی کام ہو جانے کا دھوکہ ہو۔ پس وہ کام کہ صریح خلاف شرع [۲] نظر آتا ہو، اور اس میں دینی امر ہونے کا اشتباہ ہی نہ ہو تو اس کو بدعت کہا ہی نہیں جا سکتا۔ بدعت وہی ہے جو بظاہر دینی امر اور نیک کام معلوم ہو لیکن دراصل وہ تعلیم شارع سے باہر اور اپنی خاص وضع اور ہیئت اور نئی صورت نوعیہ کی وجہ سے صحیح طور پر کسی شرعی حکم کے مصداق ہونے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔

---

(۱) درمختار میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں: هي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔ انتھیٰ۔ اور ردالمختار میں شمنی سے نقل کرتے ہیں: ما أحدث خلاف الحق المتلقى عن رسول الله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما۔ انتھیٰ۔

(۲) مثل عام گناہوں وغیرہ کے جن کی شرع میں صریح ممانعت آئی ہے بدعت کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں اس میں بدعت کی بابت ایسے ہی الفاظ وارد ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے بدعت وہ ہے جس کا حکم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ابھی جو آیت و حدیث مذکور ہوئی اس میں تم نے دیکھ ہی لیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایسی بات کرنا جس سے منع کیا گیا۔ پس کسی ایسے امر کی بابت جس کو بدعت کہا جائے یہ کہنا کہ اس میں کیا حرج ہے شرع نے کہیں اِس کو منع کیا یا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ایک نادانی کی بات ہے۔

دوسری بدعات اور تقلید میں کوئی فرق ہے؟

چنانچہ تم ان مراسم کو دیکھو جن کو بحیثیت دینی برتا جاتا ہے اور فریق مقابل کے کل یا اکثر افراد ان کا بدعت وممنوع ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً محفل میلاد، تیجہ، دسواں وغیرہ عرس، فاتحہ مروجہ، مصافحہ بعد العصر، صلوٰۃ الرغائب [1] وغیرہ کہ ان میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو یا وہ کسی عموم شرعی مثل تجدید ایمان و ذکر اللہ وصدقہ وغیرہ میں داخل نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن ان کی خاص صورت نوعیہ اور ہیئت کذائیہ کا بحیثیت دینی یا اس طور پر کہ ایک امر دینی پر التزام کیا جاتا ہے، التزام کرلیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ تعلیم شارح پر مستزاد ٹھہرے اور بدعت قرار پائے۔ اسی طرح یہ تقلید شخصی اور خاص خاص مذہبوں کا التزام اور ان کی قید وتخصیص بھی ہے، جس کا مقلدین نے التزام کرلیا اور وہ اس پابندی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا شارح نے حکم نہیں دیا اور جیسا کہ بدعات مذکورہ کے مرتکبین ان کے صحیح بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی بات بناتے ہیں۔ اسی طرح تقلید شخصی کے پابند اس کے وجوب اور اس کے مشروع ہونے کو ثابت کرنے کے لئے طرح طرح سے باتیں بناتے ہیں، لیکن ان میں سی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو دراصل قابل قبول ہو اور اس کو بدعت ہونے سے نکال دے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید ایضاح الحق الصریح میں تحریر فرماتے ہیں:

"استحسانات اکثر متاخرین از فقہاء وصوفیہ کہ محض بنا بر ظن حصول بعضے منافع دینیہ ومصالح شرعیہ بدون تمسک بدلیلی از دلائل شرعیہ اصلے از اصول عبادات یا معاملات اختراع نمائند تحدید

(۱) رجب کے مہینے میں جو اول جمعہ ہوتا ہے، اس کی شب میں نفلیں پڑھنا پانچویں صدی میں مروج ہوگیا تھا اور بکثرت مختلف شہروں میں جاری ہوگیا۔ چونکہ بالخصوص اس میں کوئی شرعی نص وارد نہیں، لہذا علماء نے اس سے منع کیا اور بدعت ٹھہرایا۔ دیکھو شامی وغیرہ۔

اصلی از اصول دینیه بحدود خاصه احداث می کنند یا ترویج امرے کہ خامل در قرون سابقه بود بر روئے کار می آرند یا اخمال امرے کہ دراں ازمنہ مروج بود بعمل مے آرند مثل نماز معکوس ووجوب تقلید شخصی معین از ائمہ مجتہدین و مثل تحدید ذکر کلمہ تہلیل باوضاع مخصوصہ از اعداد وضربات وجلسات وتحدید ماء کثیر بعشر فی العشر وترویج مسائل قیاسیہ وکشفیہ استغراق بجمیع ہمت خود دراں واخمال ظاہر کتاب وسنت مگر بطریق تبرک وتیمن ہمہ از قبیلہ بدعات حقیقیہ است وآنچہ در مقام عذر آں میگوئند ہر چند کہ این امر محدث است اما مشتمل بر مصلحتے از مصالح دینیہ است یا اصل آن در شرع ثابت است اگرچہ خصوصیت مذکورہ محدث باشد پس مجرد این عذر امور مذکورہ از حد بدعات خارج نمے گرداند" ملخصا۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"اما تخریجات متأخرین فقہاء مثل تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس بر زمین متعلقہ چاہ ومثل حکم بوجوب تقلید مجتہدے معین از مجتہدین سابقین وحکم بالتزام بیعت شخصے معین از شیوخ طریقت بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت والتزام بیعت او وامثال آن از تخریجات غیر محصورہ کہ منقول از متأخرین فقہاء وصوفیہ است وکتب فقہ وسلوک بآن مملو ومشحون ست واکثر اتباع ایشاں ہمیں تخریجات محدثہ را احکام شریعت واسرار طریقت می انگارند ہمہ از قبیل بدعات است ودلائل ایشاں ہمہ از قبیل لطائف شعریہ ونکات مخیلہ است کہ ہرگز احکام مذکورہ را از بدعت خارج نمے گرداند۔ ودر دائرہ شریعت ایمانیہ وطریقۂ احسانیہ داخل نمی کند" انتہیٰ۔ بقدر الحاجۃ۔

ان بیانات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ مذاہب مجتہدین میں سے کسی مجتہد کے مذہب کے التزام اور اس کی تقلید شخصی کی شریعت میں کوئی اصلیت نہیں بلکہ وہ ایک بدعت ہے جو شریعت میں پیدا ہوگئی اور اس میں دراصل کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو اس کو بدعت ہونے سے نکال کر مقبول شریعت قرار دے۔ بلکہ وہ وجہیں بالکل کچی اور خانہ ساز باتیں ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اور اس میں خوبیاں اور مصلحتیں بتائی جاتی ہیں وہ درحقیقت نکات بعد الوقوع کے قبیل سے ہیں نہ یہ کہ دراصل

تقلید شخصی ان وجوہ سے اختیار کی گئی بلکہ وہ اتفاقاتِ روزگار اور دور زمانہ سے نکل کر جاری ہوگئی تو جن لوگوں میں وہ جاری ہوئی ان کو اس کے رواج کے پردے نے اس کے صحیح بنانے کے لئے ان باتوں پر مجبور کیا۔

تقلید شخصی اور آیت ''فاسئلوا أہل الذکر'' الآیۃ۔ایک مغالطہ:

اور اسی قبیل سے اس کو کسی عموم شرعی میں داخل کر کے مشروع ٹھہرانا بھی ہے چنانچہ بعض [۱] لوگ بڑی کوشش کر کے اس کو اس شرعی عموم میں جس میں بے علم کو عالم سے دریافت کرنے کے حکم دیا گیا ہے داخل قرار دیتے ہیں اور یوں بات بنا کر اس کو مامور شرعی وواجب کہتے ہیں۔حالانکہ تقلید شخصی کو جو کہ معمول بہ اور زیر بحث ہے اس عموم میں داخل بنا کر مشروع یا مامور قرار دینا سخت غلطی ہے۔شارع کا بے علم کے لئے جہاں تک ارشاد ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب کبھی جو بات معلوم نہ ہو کسی علم والے سے دریافت کرلے جس پر عمل کی بس یہی صورت ہے کہ اسی عموم واطلاق کے ساتھ جس کو جس کے ساتھ موقع ملے دریافت کرلے۔گو بحسب اتفاق کوئی شخص مدت العمر ایک ہی عالم سے دریافت کرتا رہے اب اپنی طرف سے کسی امام ومجتہد کی تخصیص کرنا اور تمام مسائل میں اسی کے مذہب کی پیروی کا قصد رکھنا، اور جب ضرورت پڑے خصوصیت کے ساتھ اسی کے عندیے کی تلاش کرنا اور اسی کی تقلید کا التزام کرنا اور اپنے ذمہ کو اسی کی تقلید میں مشغول سمجھنا اور اس التزام کو [۲] ضروری وواجب ٹھہرا لینا جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرز عمل ہے۔اور صرف یہی نہیں بلکہ طرہ اس پر یہ ہے کہ باوجود علم کے اور صریح احادیث رسول دیکھنے کے ان کی طرف التفات نہ کرنا، بلکہ خاص خاص اماموں کے اقوال کے ساتھ جو جس کا نام لیوا ہے پابند رہنا ارشاد شارع پر اپنی طرف

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔(مثلاً: دیکھئے سبیل الرشاد ص: ۲۶، ع۔ح۔)

(۲) ضمیمہ فتح مبین میں لکھتے ہیں: ''اسی واسطے تقلید امام واحد کی واجب ہوئی۔''انتہیٰ۔اور لکھتے ہیں: ''تقلید مذہب واحد کی واجب ہے اور یہی مدعا ہے''۔انتہیٰ۔اور بعض عبارتیں اس قسم کی پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

سے اضافہ کرنا اور اس پر قیدیں بڑھانا نہیں بلکہ اس کا بدل دینا اور اس کا مقابلہ کرنا ہے اور عموم واطلاق شارع کو باطل کرنا۔ پس یہ تقلید شخصی اس عموم میں کیونکر داخل ٹھہرائی جا سکتی ہے اور اس پر کاربند ہونے والا ارشاد شارع کس طرح عامل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ تقلید شخصی عموم حکمِ مذکور میں داخل اور اس وجہ سے وہ مشروع ہے تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام امور جن کو بدعت کہا جاتا ہے وہ بدعت کیسے ٹھیر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح وہ بھی عموماتِ شرعیہ میں شامل ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے والا بھی انہیں عمومات کے ایک فرد پر عمل کرتا ہے، پھر وہ بدعت کیسے ٹھہرائے گئے۔ ان کے بدعت ہونے کی یہی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں خاص خاص قیدیں اور اپنی طرف سے تخصیصیں بڑھائی گئیں اور لازم ٹھہرائی گئیں، اس وجہ سے وہ مشروع نہ رہے اور نہ امرِ شرعی میں داخل ٹھیرے۔ بس یہی وجہ اس تقلید شخصی [1] میں بھی موجود ہے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تقلید شخصی کی یہ صورت جو معمول ہے عموم حکم مذکور میں داخل اور اس کا ایک فرد مشروع بھی ہے تاہم تقلید شخصی کا التزام اور اسی پر جما رہنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ مامور مخیر میں سے تخصیص کے ساتھ ایک ہی شق کو اختیار کر لینا [2] اور امر شرعی کو اس کی حد پر نہ قائم رکھنا ممنوع اور نا درست ہے۔ پس جب کہ ارشاد شارع شخصی وغیر

(۱) خلاصہ یہ ہے کہ جو صورت کہ عموم حکم شرعی میں داخل ہے یعنی بحسب اتفاق جملہ مسائل میں کسی ایک کی طرف بلالحاظ تخصیص و بلا قید التزام کے رجوع کرنا وہ معمول بہ و زیر بحث نہیں اور جو معمول بہ اور زیر بحث ہے وہ داخل و فرد مشروع نہیں۔ یہ جو تحقیقات ذکر کی گئی اس سے مولوی رشید احمد صاحب کی اس تقریر کا بھی جو انہوں نے اثبات تقلید شخصی کے لئے **سبیل الرشاد** میں اور ایک ڈیڑھ ورقی مضمون میں جو **ہدایت المعتدی** کے اخیر میں طبع ہوا ہے لکھی ہے جواب ظاہر ہو گیا۔ اُس ڈیڑھ ورقی مضمون کا ایک جواب مولانا محمد سعید صاحب بنارسی نے نور الابصار کے اخیر میں طبع فرما دیا ہے۔

(۲) چنانچہ نماز کے بعد داہنے و بائیں دونوں طرف پھرنا جائز اور دونوں فعل رسول (ﷺ) سے ثابت ہیں۔ لیکن عبداللہ بن مسعود داہنی طرف کی تخصیص کر لینے کو حصہ شیطان کا کہتے ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں۔ ایک مستحب فعل پر اصرار کرنے اور اس کو ضروری کر لینے کی یہ برائی ہے تو ایک ناجائز اور بدعت پر اصرار کا کیا حال ہوگا۔ انتہیٰ۔

شخصی دونوں کو شامل ہے اور دونوں کی تعلیم دیتا ہے تو پھر شخصی ہی کو اختیار کر لینا اور اسی کو واجب کہنا اور غیر شخصی سے انکار رکھنا اور اس پر عمل کرنے والے کو برا سمجھنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ غرض کہ اس تقلید شخصی کے بدعت و نادرست ہونے میں تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے تردّد ہو بھی تب بھی اس کے ساتھ کاربند نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ مسلمہ ہے کہ جس چیز کے بدعت وسنت ہونے میں تردد ہو اس کو ترک ہی کرنا چاہیئے۔ (۱) اس لئے کہ ایک سنت پر عمل سے ترک بدعت زیادہ اہم ہے۔

بدعت چھوڑنے اور خالص سنی اور محمدی بننے کی ترغیب:

اور واقع میں بدعت ایسی بری بلا ہے کہ جس بات میں ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے کوسوں

--- نفلی روزہ ہفتے کے سارے دنوں میں جائز اور باعث اجر ہے۔ اسی طرح قیام لیل ہر رات میں مشروع اور مسنون ہے لیکن تخصیص جمعہ کو کہ جس کی تخصیص کر لیے جانے کا اس کی فضیلت کی وجہ سے احتمال تھا۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے پہلے ہی سے صاف صاف منع فرمایا۔ دیکھو صحیح مسلم۔

نماز میں الحمد کے بعد جو سورہ چاہے پڑھے سب جائز مشروع ہے۔ لیکن فقہاء کسی سورت کی تخصیص کو منع کرتے ہیں دیکھو: درمختار و ردالمختار۔ اسی طرح جب مسلم ہے کہ تقلید دونوں طرح جائز و مشروع ہے تو ایک قسم کی تخصیص کر لینا کیسے جائز ہوگا۔

(۱) ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ماتردد بين السنة والبدعة فتركه لازم لأن ترك البدعة لازم وأداء السنة غير لازم۔ انتہیٰ۔ تقلید شخصی کے مشروع و بدعت ہونے میں تردد ہے۔ اور دوسری صورت بلاتردد مامور و مشروع ہے تو پھر ایسی صورت کو جس میں بدعت ہونے کا احتمال ہو ضرور ترک کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر اس کے ساتھ پابند رہے اور کبھی عنداللہ وہ بدعت ہی نکلی تو سارے عمل بیکار گئے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اس کے ساتھ پابند نہ ہوں اور دوسرے طریقے پر جو بلاخلاف (مولوی رشید احمد صاحب نے تقلید غیر شخصی کو مشروع و مامور اور ہم پلہ شخصی کا سبیل الرشاد اور ڈیڑھ ورقی مضمون دونوں میں تسلیم کیا ہے۔) مشروع ہے عمل کرتے رہیں تو اگر وہ عنداللہ بدعت نہ نکلی تاہم ہمارا کچھ حرج نہ ہوا۔ اس لئے کہ اتباع حق اس میں محصور نہ تھا اور ہم ایک دوسرے مشروع طریقے پر قائم تھے۔ اور اگر وہ بدعت نکلی تاہم ہمارا کچھ نہ بگڑا۔ اس لئے کہ ہم اس سے محفوظ اور کنارہ کش تھے۔ پس اگر اس کے بدعت ہونے کا یقین نہیں تب بھی اس سے علیحدہ ہی ہونا چاہیئے۔ دع ما يريبك إلى ما لا يريبك۔

بھاگنا چاہئے۔شرک کے بعد بدعت سے بدترین کوئی گناہ نہیں۔ بدعت سے اللہ تعالیٰ کو ایسی نفرت ہے کہ مبتدع [1] کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل۔ بدعت کی شومی سے مبتدع کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا چیز بری ہوسکتی ہے۔لوگو اللہ پاک و بے نیاز سے جس نے تم کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم اس کی صحیح صحیح طور پر عبادت کرو اور اس کے سچے دین پر چلو، ڈرو، اور اس تقلید شخصی کو جو کہ بدعت حقیقیہ یا حکمیہ ہے یا اس میں مشابہت مبتدعین کی ہے یا تردد بدعت ہونے کا ہے چھوڑ کر خالص سنی ومحمدی ہو جاؤ اور اسلام کے رنگ اصلی کو جو کہ سلف صالح کا طریق تھا اختیار کرو۔

شاہ اسماعیل صاحب ایضاح الحق میں تحریر فرماتے ہیں:

''بالجملہ غرض ازیں کلام آنکہ اشتغال بہ تفتیش ظاہر کتاب وسنت و تعلیم آں خواہ بخواندن باشد خواہ باستماع مضامین آں وسعی در اشاعت آں از جنس اکل وشرب ولباس است کہ مدار زندگانی برآنست واشتغال باحکام فقہیہ معتبرہ واشتغال صوفیہ نافعہ از قبیل مداواہ ومعالجہ است کہ عند الضرورت بقدر حاجت بعمل آرند و بعد ازاں بکار اصلی خود مشغول باشد وعنوان وشعار خود محمدیہ خالصہ وتسنن قدیم باید داشت نہ تمذہب بمذہب خاص وانسلاک در طریقہ مخصوصہ بلکہ مذاہب وطرق را مثل دکاکین عطارین باید شمرد وخود را از منسلکان جند محمدی۔محمدیہ خالصہ را شعار خود باید کرد واقامتہ ظاہر سنت را کار وبار خود باید داشت واحکام فقہیہ را واشغال صوفیہ معتبرہ را کہ خالی از شوب فساد وبدعت باشد بقدر

---

(۱) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کی توبہ کو (قبول کرنے سے) روک رکھا ہے جب تک کہ وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے۔اس کو طبرانی نے بسند حسن روایت کیا۔اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ صاحب بدعت کا عمل قبول کرے جب تک وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا۔اور حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ صاحب بدعت کا اللہ تعالیٰ نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض، نہ نفل۔اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حاجت استعمال باید کرد و زائد از حاجت بہ آن توغل بناید کرد۔"

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ہر واقعہ اور ہر محل میں قرآن و حدیث کے حکم کی تلاش رکھے، اپنے آپ کو علم ہو، اپنے طور پر معلوم کرے، ورنہ کسی ذی علم [1] سے معلوم کر لے۔ اگر صریح قرآن و حدیث سے مسئلہ نہ ملے اور اپنے آپ کو اس درجہ کا علم نہ ہو کہ بطور قیاس و استنباط کے مسئلہ نکال سکے، کسی مجتہد مسلم الاجتہاد کے بتائے ہوئے مسئلے کو لے لے مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد جس قدر گزرے ہیں سب اہل حق اور پیشوا ہیں اور ایک عامی محض کے لئے سب نسبت مساوی رکھتے ہیں اس کو جس مجتہد سے اتفاق پڑے یا جس کا فتویٰ مل جائے اس پر عمل کر لینا چاہئے اس کے کسی امام کے مذہب

---

(۱) **آدمی کے خیالات پر رسم ورواج کا اثر:**

عوام کو بطور خود نہ امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم ہے نہ حدیث رسول (ﷺ) جب تک کہ وہ کسی عالم سے نہ دریافت کریں تو جس طرح وہ کسی مقلد عالم سے دریافت کر کے امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی عالم اہل حدیث سے حدیث رسول (ﷺ) معلوم کر سکتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں حدیث رسول (ﷺ) کا کوئی پتہ نہ چلے یا کوئی اور اشکال پیش ہو تو کسی صحابی کے قول وفعل یا کسی اور مستند عالم کے قول پر عمل کرے جیسا کہ سلف کا دستور تھا۔ نہ یہ کہ جب مسئلہ کی ضرورت ہو تو اسی امام کا مذہب دریافت کریں جس کی تقلید اپنے او پر لازم کر لی اور اسی سے دریافت کریں جو انہیں کا مقلد ہو۔ ایسا نہ کرنے میں جو استبعاد نظر آتے ہیں کہ اگر تعیین مذہب واحد کی نہ کی جائے تو انتظام نہیں بن سکتا۔ یا ہر کوئی اپنی سی کہتا ہے کس کی بات مانی جائے یا مذاہب میں بکثرت اختلاف ہے، کس کے قول پر چلا جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے استبعاد اور اشکال صرف اس وجہ سے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ طرز عمل ان کے رواج کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے ان کو وہ خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے اور ان کے ذہن اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اگر ان کے رواج کے موافق ہوتا تو پھر کوئی اشکال اس میں ان کو نہ معلوم ہوتا۔ رواج کو بھی عجب دخل ہے۔ اپنے رواج کے خلاف ایک معقول بات بھی خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اور مروج بات غیر معقول بھی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی ہوش مند انکار نہیں کر سکتا۔ آخر پہلے تین چار سو برس تک تقلید شخصی نے عام رواج نہیں پایا تھا انتظام کیوں کر بنتا تھا، جن میں آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے اور ایک ایک مذہب میں جو علماء مذہب کا بکثرت مسائل میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ چنانچہ فقہ سے جو واقف ہے اس پر ظاہر ہے۔ ان میں عوام کیسے فیصلے کر لیتے ہیں۔ غرض اشکال کچھ بھی نہیں ہے مگر ان کے رواج اور ان کی طبیعت کے خلاف ہونا یہ سب کچھ کہلاتا ہے۔

مقرر کرنے یا کسی مجتہد کے مذہب کے التزام کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

عامی کا کوئی مذہب نہیں:

ردالمختار درمختار میں ہے عامی کا کوئی مذہب نہیں، اس کا مذہب وہی ہے، جو بروقت مفتی اس کو فتویٰ دے[1] انتہیٰ۔ آگے چل کر بحر سے یہ بھی نقل کیا کہ ایک عامی محض جو اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہے تو اس سے وہ حنفی شافعی نہیں ہوتا[2] انتہی۔ ابن الہمام[3] شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

عامی کو اس بات کا لینا جو اس کے دل میں صواب تر معلوم ہو بہتر ہے، پس اگر وہ کسی مسئلہ میں دو مجتہد سے فتویٰ طلب کرے اور وہ اختلاف کریں تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو لے جس طرف اس کا دل مائل ہو یعنی جس بات کے زیادہ صحیح ہونے پر اس کا دل گواہی دے اور میری رائے میں اگر وہ اس کے قول کو لے گا جس کی طرف اس کا دل مائل نہیں تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کا مائل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اس پر واجب تو کسی مجتہد کی تقلید ہے اور وہ اس نے ان میں سے کسی کا بھی قول ہو لے کر کر لے۔

فقہاءِ حنفیہ اور تقلیدِ معین کا التزام:

ابن الہمام کے اس قول کو شامی نے بھی ذکر کیا۔ شامی نے تحریر اور اس کی شرح سے یہ بھی

---

(۱) عبارت یہ ہے: العامي لا مذهب له بل مذهبه مذهب مفتيه۔ انتهى۔

(۲) عبارت یہ ہے: إما غيره ممن قال أنا حنفي أو شافعي لم يصب كذلك بمجرد القول كقوله أنا فقيه أو نحوي۔ انتهى۔

(۳) عبارت یہ ہے: أن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولىٰ وعلى هذا إذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه الأولىٰ أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز لأنه ميله وعلمه سواء۔ والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل۔ انتهى۔

نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کسی (۱) مذہب معین مثل مذہب ابی حنیفۃ (رحمہ اللہ) یا شافعی (رحمہ اللہ) کا التزام کرے تو اصح یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اس پر وہ لازم ہوتا۔ انتہیٰ۔ اور ایک دوسرے مقام پر اسی کے متعلق لکھتے ہیں (۲):

''محقق ابن امیر حاج شارح نے تحریر فرمایا بلکہ دلیل شرعی {فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} نے اس مسئلہ میں کہ مجتہد کی طرف ضرورت ہو بلا قید تعیین کے مجتہد کے قول پر عمل اور اس کی تقلید کو چاہا ہے اور سوال جس کا آیت میں حکم ہے اسی وقت پایا جائے گا جب کہ کسی حادثہ معینہ کا حکم معلوم کرنا مغلوب ہو تو اس وقت اس کو جس مجتہد کا قول معلوم ہو جائے اس پر عمل واجب ہے۔ رہا التزام تو اس کا اعتبار دلیل سے ثابت نہیں ہوا۔''

یعنی آیت سے تو صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو جس وقت ضرورت پڑے کسی مجتہد سے دریافت کرلے۔ اور کسی مجتہد کی تعیین اور جب ضرورت پڑے اسی سے یا اسی کے مذہب کے دریافت کرنے کا التزام تو یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب دلیل شرعی نے لازم نہیں کیا تو کسی کے اپنے اوپر لازم کیے سے لازم کیسے ہوسکتا ہے۔ غرضیکہ کسی خاص مجتہد کے مذہب کے التزام اور تقلید شخصی اختیار کرنے کی نہ عالم (۳) کے لئے کوئی وجہ ہے

---

(۱) عبارت یہ ہے: ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا كأبي حنيفة والشافعي فقيل يلزمه وقيل لا وهو الأصح۔ انتهى۔

(۲) عبارت یہ ہے: قال الشارح المحقق ابن أمير الحاج بل الدليل الشرعي اقتضى العمل بقول المجتهد وتقليده فيه فيما احتاج إليه وهو فاسئلوا أهل الذكر والسؤال إنما يتحقق عند طلب حكم الحادثة المعينة فإذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عمله وإما التزامه فلم يثبت من السمع اعتباره ملزماً۔ انتهىٰ۔

(۳) جناب مولوی اسماعیل صاحب شہید (رحمہ اللہ) تنویر العینین میں کیا خوب فرماتے ہیں: وليت شعري كيف يجوز التزام شخص معين مع تمكن الرجوع إلى الروايات المنقولة عن النبي (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) الصريحة الدلالة على خلاف قول الإمام المقلد فإن لم يترك قول إمامه ففيه شائبة من الشرك---

اور نہ عامی (۱) کے لئے۔

--- کما یدل علیه حدیث الترمذي عن عدي۔ انتہیٰ۔ یعنی ''میں نہیں جانتا ایک شخص معین (کے مذہب) کا التزام کر لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے باوجود احادیث رسول (ﷺ) کی طرف رجوع کی قدرت کے کہ جو امام کے قول کے خلاف پر جس کی تقلید کی جاتی ہے صریح دلالت کرتی ہیں۔ پس اگر کوئی امام کے قول کو نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا شائبہ ہے جیسے حدیث ترمذی جو عدی سے مروی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے۔'' انتہیٰ۔ اس سے قبل یہ بھی لکھا کہ نہ لوگوں نے تقلید میں زیادتی کی اور شخص معین کی تقلید کے التزام میں سختی برتی۔ حتی کہ اجتہاد کو اور بعض مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کو منع کرنے لگے اور یہ وہ سخت بیماری ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا اور یہ لوگ بھی ہلاکت کے کنارے پر ہو گئے۔ مگر شیعوں نے مبالغہ کیا پس نصوص سے درگزر ہی کر لیا اور ان لوگوں نے ان کو لے کر اپنے امام کے قول کی طرف پھیرا حالانکہ لازم تھا قول امام کو نص کی طرف پھیرنا یا چھوڑ دینا''۔ (نہ ایسا کرنا)

(۱) اور یہ کہنا کہ ہم مثلاً امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تخصیص اس واسطے کرتے ہیں کہ ہم کو انہیں کے ساتھ عقیدت ہے، محض ایک بے اصل حیلہ ہے اس لئے کہ ایک عامی کو امام صاحب سے عقیدت اور دیگر ائمہ مثل امام شافعی یا امام احمد یا امام بخاری سے بدعقیدتی یا کم عقیدتی کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ وہ بیچارہ منازل اہل علم کو کیا پہچانے۔ بجز اس کہ چونکہ ان کے باپ دادا وغیرہ انہیں کے مقلد رہے ہیں اور یہ ان کے منہ سے واقعی یا مبالغہ آمیز فضائل سنتے رہے ہیں اور ہمیشہ انہیں کا نام نامی گوش زد ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا ان کے دل ان کی عظمت سے پر ہو رہے ہیں۔ لیکن اس قسم کی عقیدت ترجیح کی وجہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اس قسم کی ترجیح تو ہر مشرب وملت کے لوگوں کو اپنے علماء کے ساتھ حاصل ہے۔ شیعہ، معتزلہ وغیرہم کے عوام بھی اپنے مقتداء علماء کی پیروی کرنے اور انہیں کی بات ماننے کی یہ وجہ بتا سکتے ہیں اور اس کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ بہرحال التزام مذہب کی یہ وجہ قرار دینا کہ ہم کو انہیں کے ساتھ عقیدت ہے کوئی موجّہ وجہ نہیں اور حقیقت میں یہ بھی ایک زبانی حیلہ ہے اور اصل بات یہ ہے چونکہ بحسب اتفاق ان کی تقلید شائع ہوگئی اور یہ ان کے مقلدین میں پیدا ہوئے تو اب اس التزام کی اور کوئی وجہ نہیں بنتی تو عقیدت کا بہانہ کر دیا۔ جو جس امام کے مقلدین کے گھر میں پیدا ہوتا ہے پس وہ انہیں کا معتقد بن جاتا ہے۔ بجز اس کے اس خصوصیت عقیدت کی اور کوئی وجہ نہیں۔ اگر وجہ عقیدت کی کچھ مناقب پیش کریں تو دیگر ائمہ کے بھی مناقب دیکھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ چنانچہ پہلے گزر چکا۔

اس کے علاوہ فقہاء نے اپنے مذہب کے ساتھ بمقابلہ دوسرے مذاہب کے اس قسم کی عقیدت رکھنے کو خود ہی رد کر دیا ہے۔ اور عامی کے میلانِ قلب کو بھی غیر معتبر بتایا ہے۔ چنانچہ مذکور ہو چکا۔ علاوہ بریں تقلیدِ مفضول کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (دیکھو شامی وغیرہ) اور اگر اسی قسم کی عقیدت سے کام لینا ہے تو جو مشہور و مستند امام متاخر ہے وہ زیادہ قابل عقیدت ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلوں کی معلومات و دلائل سے بھی واقف ہے اور اس کا اپنا تبحر علیحدہ۔

ایک قابل اصلاح غلط فہمی:

پس مثلاً یہ خیال کرنا کہ ہم حنفی ہیں ہم کو اسی مسئلہ پر چلنا چاہیئے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو انہیں کا مذہب تلاش کرنا اور ان کے ہی مذہب کو دریافت کرتے پھرنا۔ پھر ان کے مذہب کا مسئلہ معلوم ہو تو بے تامل اس پر کاربند ہو جانا اور اگر کسی دوسرے امام کا بتایا ہوا معلوم ہو تو اس سے کوئی غرض نہ رکھنا گویا ان کے حق میں شرع محمدی بس وہی ہے جو حنفی مذہب ہے۔ اور جب کوئی حدیث رسول (ﷺ) معلوم ہو تو اگر حنفی مذہب کے موافق ہو اسکو تو لے لینا اور جو معلوم ہو جائے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ نہیں ہے تو اس سے رک جانا یا اس میں کوئی تاویل کر دینا، اور اپنے ذمہ کو ان کی ہی پیروی وتقلید میں مشغول سمجھنا اور اس وجہ سے اپنے کو اُن کے ساتھ نامزد اور منسوب کرنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال ہے، ایک غلطی ہے جو دورزمانہ اور اتفاقات روزگار سے پیدا ہو کر مروج ہوگئی۔ جس کا نہ اللہ نے حکم دیا، اور نہ اس کے رسول (ﷺ) نے، لیکن اس کے رواج نے بہتوں کو غلط فہمی میں ڈال دیا۔

کچھ تو سوچئے!

سو اے لوگو! حق کے طالبو! دل سے اپنے رب کی مرضی چاہنے والو! اس کے پسندیدہ تر راستے کی تلاش کرنے والو! ذرا تم سوچو اور تھوڑی دیر کو تو خالی الذہن ہو کر دیکھو اور کچھ تو منصفانہ نظر سے علیحدہ بیٹھ کر غور کرو۔ کیا اہل حدیث کے مذہب میں کوئی ایسی بات ہے جو اسلام سے ان کو خارج کرتی ہو یا وہ ان اکابر کے کلام سے جن کو تم تسلیم کرتے ہو ثابت نہ ہو۔ جتنی باتیں جن میں اہل حدیث کو نزاع ہے تم نے سنیں اِن میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے کسی دیدہ ور کو اقرار سے چارہ ہو۔

پس اگر تم کو بھی اقرار ہے، تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ پھر کیا نزاع ہے، اور اس صورت میں جب کہ تم تحقیق کے تابع ہو نہ تقلید کے۔ اگر بعض مسائل جزئیہ میں اختلاف بھی رہے تاہم وہ اس بات کو نہیں چاہتا کہ ان بے چارے غرباء اسلام کے ساتھ اس شقاق وخلاف کا برتاؤ برتا جائے جیسا کہ عموماً ان کے ساتھ برتا جاتا ہے اس لئے کہ مسائل کا اختلاف (۱) سلف میں بھی تھا۔ اور خود حنفیہ میں آپس میں بکثرت (۲) مسائل میں اختلاف ہے۔ پھر جب اصل مذہب تسلیم ہے تو مسائل جزئیہ کے اختلاف پر اس قدر عناد کیوں ہے۔ اور اگر تسلیم نہیں تو ہم نہیں جانتے کہ ایسے صریح حق سے جو عین

(۱) ایسے اختلاف برداشت کرنے چاہئیں:

شاہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں: ''صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والوں میں بعض وہ تھے جو (نماز میں) بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور کوئی اس کو جہر سے پڑھتا تھا اور کوئی بلا جہر اور بعض نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں اور کوئی پچھنے لگانے اور نکسیر اور قے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں اور کوئی مس ذکر اور عورت کو بشہوت چھونے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں۔ اور بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں۔ اور بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں (یعنی ان چیزوں کو بعض ناقض وضو سمجھتے تھے اور بعض نہیں سمجھتے تھے) اور باوجود اس کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ (امام) ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور (امام) شافعی وغیرہم مدینے کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے کہ جو امام مالک کے مذہب کے موافق بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے (حالانکہ یہ سب صاحب بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے۔ اور (ہارون) رشید کو امام مالک نے پچھنے لگانے سے وضو نہ ٹوٹنے کا فتوی دیا تھا تو ہارون رشید نے پچھنے لگا کر نماز پڑھائی اور (امام) ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی (حالانکہ ابو یوسف وضو ٹوٹنے کے قائل تھے) اور امام احمد بن حنبل نکسیر اور پچھنوں سے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ اگر نماز میں کوئی شخص ایسا امام ہو جس کے خون نکلا ہو اور پھر اس نے وضو نہ کیا ہو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے تو فرمایا کہ امام مالک یا سعید بن المسیب کے پیچھے (جو وضو ٹوٹنے کا قائل تھے) میں کیوں کر نماز نہ پڑھوں اور منقول ہے کہ ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) عیدین میں ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی (روایت کے موافق بارہ) تکبیریں کہتے تھے کیونکہ ہارون رشید اس کو پسند کرتے تھے۔ (حالانکہ ان دونوں کا یہ مذہب نہ تھا۔ اور بزازیہ میں ہے کہ ابو یوسف نے حمام میں نہا کر جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد کو خبر ملی کی حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا نکلا تو کہنے لگے اس وقت ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو کہ قلتین پانی ہو تو ناپاک نہیں ہوتا لیتے ہیں۔ انتہی ملخصاً۔ (ص: ۱۶۴ و ص: ۱۶۵۔)

(۲) چنانچہ کتب فقہ کو جس نے دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے اور بعض مثالیں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔

تعلیم اسلام ہے اختلاف کی کیا وجہ ہے۔اگر تم انصاف کرو تو ضرور پاؤ گے کہ مذہب اہل حدیث عین منشاء اسلام ہے۔جس سے کسی مسلمان کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں۔لیکن ذرا غور و تامل کی ضرورت ہے اور سمجھ کی بات۔

بھائیو! انصاف سے کام لو اور اللہ وحدہ لا شریک لہ سے کہ جس کے پاس تم کو حساب دینے کو جانا ہے ڈرو۔ایسا نہ ہو کہ سچی بات اختیار کرنے سے تم کو لوگوں سے شرم یا کسی کے برا کہنے کا خیال یا کسی کا ڈر یا اپنے آباؤ و اجداد کے رسم و رواج کی پابندی یا کسی دنیاوی نفع یا نقصان کا خیال روکے۔ اسی قسم کی باتیں اکثر ان لوگوں کو جن کو تم بھی ناحق جانتے ہو حق قبول کرنے سے روکتی ہیں۔اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

مذہب اہل حدیث کی قدامت:

مذہب اہل حدیث کی سچائی کے لئے کم سے کم یہی بات کافی ہے کہ جو اہل حدیث کا مذہب ہے وہی مذہب اس وقت تھا جب کہ اسلام اپنی تر و تازگی پر تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت کے مسلک و مذہب کی بابت متغیر اور ناحق ہونے کا ذرا بھی گمان نہیں کیا جاسکتا۔اور یہی مسلک و مذہب (۱) ان لوگوں میں رائج تھا جن کی بہتری اور خوبی کی شہادت خود پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دی۔برخلاف مذہب تقلید کے کہ ان خیر و خوبی کے زمانوں کے بعد نکلا اور جاری ہوا، اور ایسے زمانوں میں پھیلا جس کی پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مذمت کی جو کہ زمانہ ظہور بدعات (۲) و شرور کا ہے۔

---

(۱) یعنی اصحاب خیر القرون جو کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ہیں۔

(۲) اس کے متعلق کچھ بیان پہلے ہو چکا۔دیکھو: حاشیہ،ص: ۸۵۔

جماعت اہل حدیث کی بابت غلط خیالی کی وجہ:

اور پھر جس قدر زمانہ خیر وصلاح کا دور ہوتا گیا اور متاخر زمانہ آتا گیا اسی قدر وہ پھیلتا اور شائع ہوتا گیا۔ حتی کہ وہ ایسا عام وشائع ہوگیا کہ لوگ اس پہلے مسلک کو بھول گئے اور اس سے ناآشنا ہوگئے اور جس پر وہ تھے اسی کو اصلی مسلک سمجھنے لگے اور جو اصلی ہے اس کو ناحق خیال کرنے لگے۔ اور ذرا دیر کو خالی الذہن ہو کر تامل صادق سے کام نہ لیا۔ بس یہی بڑی وجہ ہوئی۔ عموماً لوگوں کے اس سخت غلطی میں پڑ جانے کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ اے اللہ! تو ہی ہدایت کر اور سچی بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیۡکَ بِعَزِیۡزٍ۔

اہل حدیث کی حقانیت کی ایک اور دلیل۔ اہل حدیث کا حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے سے لے کر بعد کے تمام زمانوں میں موجود رہنا۔:

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان مابعد کے زمانوں میں اس پہلے مسلک پر کوئی نہ رہا اور سب کے سب تقلیدی ہوگئے۔ اس لئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔ مخبر صادق نے خود پیش گوئی فرمائی ہے کہ میری امت [1] کا ایک گروہ حقانی ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کا مصداق وہی گروہ ہوسکتا ہے جو اس وقت موجود تھا۔ نہ وہ کہ ایک مدت دراز کے بعد پیدا ہوا اور اس وقت اس کا وجود نہ تھا۔ پس بحسب آپ کی پیشین گوئی کے وہی ہمیشہ باقی رہے گا۔ چنانچہ وہ برابر ہر زمانے میں موجود رہا۔ یہ ایک **مستقل دلیل** ہے اہل حدیث کے گروہ حقانی ہونے کی ابتداء اسلام سے چوتھی صدی تک

---

(۱) الفاظ حدیث یہ ہیں: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله۔ الحديث۔ أخرجه مسلم وغيره۔ علی بن المدینی استاذ امام بخاری فرماتے ہیں: هم أصحاب الحديث۔ امام احمد صاحب نے فرمایا: إن لم يكونوا أهل الحديث فمن هم۔ انتہیٰ۔ یعنی اس کے مصداق اہل حدیث نہیں تو اور کون ہیں۔

اہل حدیث کے ہونے سے تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اور پہلے ہم ابوطالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہم کے اقوال ذکر بھی کر چکے ہیں اور علامہ ذہبی کے کلام کا سلسلہ ابتدائے ظہور تقلید کے زمانے سے تم پڑھ چکے ہو۔ اب ہم اسی سلسلہ کو زمانہ مابعد کے متعلق بھی لکھتے ہیں۔ اس سے تم کو زمانۂ مابعد میں اہل حدیث کا رہنا اور بطور نمونہ کے بعض کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے۔

چند قدیم علماء اہل حدیث اور تارکین تقلید کے تراجم:

ذہبی (رحمہ اللہ) نے طبقہ تاسعہ کے بعد طبقۂ عاشرہ کو لکھا۔ اس طبقہ میں ائمہ حدیث نبوی میں سے ننانوے امام ذکر کیے جن میں سے **بقی بن مخلد قرطبی** کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ امام مشہور پیشوا مجتہد تھے۔ کسی کی تقلید نہ کرتے [1] تھے۔ سنت کے زندہ کرنے والے تھے۔ ان کے مذہب اہل حدیث کو ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے تعصب کیا لیکن امیر اندلس نے لوگوں کے ہاتھ سے ان کو بچا لیا۔ ۲۷۶ھ میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ اور **حافظ کبیر احمد بن عاصم** کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ ان کا مذہب ظاہر قرآن و حدیث تھا۔ قیاس نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابونعیم نے کہا ظاہری المذہب تھے ۲۸۷ھ میں انتقال کیا، اور **قاسم بن محمد اندلسی** کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ کتاب الإیضاح جو مقلدین کے رد میں ہے اس کے مصنف یہی ہیں۔ ان کا مذہب استدلال اور حجت کا تھا، دلیل کے ساتھ بصیرت رکھنے کی بابت اندلس میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا۔ ۲۰۶ھ میں انتقال کیا اور **حافظ ابن خزیمہ** صاحب صحیح کو ذکر کر کے ان کا قول لکھتے ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جب صحیح حدیث مل جائے تو اس کے سامنے پھر کسی کا قول نہیں۔ ۳۱۱ھ میں انتقال کیا۔ اور علامہ **ابن المنذر** کے کہ جن کی بے نظیر تصانیف مشہور ہیں ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ اختلاف اور دلائل کا علم انتہاء درجے کا رکھتے تھے۔ ۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔ اور **حافظ حسین بن محمد**

---

(۱) لفظ یہ ہے: لا یقلد أحداً۔ انتهى۔

سنجی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔خراسان میں ان سے بڑھ کر کوئی حدیث دان نہ تھا۔اہل الرائے کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے،مگر بڑی مشکل سے۔اور حافظ امام **ابو یعلی** کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:''علماء ظاہریہ میں سے تھے حدیث کی بحث و تلاش بہت کرتے تھے۔اہل قیاس کا رد کیا کرتے تھے۔عابد اور متبع سنت تھے۔ ۳۴۶ھ میں انتقال کیا۔حافظ مستغفری کہتے ہیں۔ہم ان کے جنازہ میں شریک تھے تو ان کے ساتھ ایسا شور دیکھا کہ گو فوج شاہی آرہی ہے۔جب نماز کو کھڑے ہوئے تو وہ شور تھم گیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آدمی ابو یعلی کے سرہانے کھڑا کہہ رہا ہے،اے لوگو! جس کو سیدھا راستہ اختیار کرنا ہو وہ ابو یعلی کے طریقہ کو اختیار کرے۔اور حافظ **حسن بن سعید قرطبی** کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔اور **محدث العراق ابن شاہین** کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ان کے سامنے جب کسی کے مذہب کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے۔میں **محمدی المذہب** ہوں۔ ۳۸۵ھ میں انتقال کیا۔طبقۂ عاشرہ کے بعد طبقۂ حادی عشرہ یعنی گیارہویں **طبقہ** کو اور اس میں کچھ اوپر ستر ائمہ کو اور بارہویں **طبقہ** کو اور اس میں تیس اماموں کو اور ان کے حدیث میں توغل وغیرہ کو بیان کیا۔اس میں **حافظ محمد بن علی** ساحلی متوفی ۴۴۱ھ کو اور ان کے حرصِ حدیث اور اس کی خدمت کو ذکر کر کے ان کے چند اشعار بھی ذکر کئے،جو انہوں نے حدیث سے خلاف کرنے والوں کی مذمت میں لکھے ہیں،اس میں امام **حمیدی** صاحب الجمع بین الصحیحین متوفی ۴۸۸ھ کو جو کہ ظاہر کتاب وسنت پر چلتے تھے ذکر کیا اور اسی میں **حافظ محمد بن طاہر مقدسی** اور **امام عبدری** متوفی ۵۴۴ھ کو اور ان دونوں کے حدیث کو لازم پکڑے ہوئے ہونے اور ظاہر کتاب وسنت پر چلنے کو بھی ذکر کیا۔پھر تیرہویں **طبقہ** کو اور اس میں حافظ **امام کوتاہ** اصفہانی کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ میں اس شخص کے طریق سے بڑھ کر کوئی طریق جنت کو پہنچانے والا نہیں جانتا کہ جو حدیث پر چلے۔ انہوں نے ۵۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔پھر چودہویں **طبقہ** کو،اور اس میں چوبیس حفاظ حدیث کو بیان

کیا جو اثری المذہب عامل بالحدیث تھے۔ پھر پندرہویں طبقہ کو، اور اس میں کتنے عاملین بالحدیث کو جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کیا۔ اسی میں حافظ ابن الرومیہ اندلسی متوفی ۶۳۷ھ کو بھی ذکر کیا۔ جو پہلے مالکی تھے۔ پھر عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ پھر سولہویں طبقہ کو، اور اسی طرح اکیسویں طبقہ تک برابر سب طبقات کو بیان کیا۔ اور ہر طبقہ میں ایک جماعت علماء عاملین بالحدیث کی جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کی۔ جن میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کو ذکر کر کے ان کی بہت کچھ تعریف کی۔ ابن تیمیہ نے ۷۲۸ھ میں انتقال کیا۔ اور امام ذہبی نے بھی ۷۴۸ھ میں انتقال فرمایا۔ امام ذہبی بھی عامل بالحدیث تھے اور کسی کے مقلد نہ تھے۔ چنانچہ خود ان کے اقوال جو ہم نے ذکر کئے اس پر دلالت (۱) کر رہے ہیں۔ یہاں تک کے بیان سے ابتداء سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک سلسلہ وار اہل حدیث کا ہونا ثابت ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ عقد الجید میں فرماتے ہیں (۲) کہ "شیخ عبد الوہاب شعرانی (رحمہ اللہ) نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتوے دیتے اور عمل کرتے تھے۔"

شیخ عبد الوہاب شعرانی دسویں صدی میں (۳) تھے۔ اس سے دسویں صدی تک ایسے لوگوں کا ہونا جو تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہو گیا۔ علامہ شوکانی نے بدر طالع میں اپنے زمانے کے قریب زمانوں میں ممالک یمن میں برخلاف دیگر ممالک کے بکثرت علماء اہل حدیث کے ہونے

---

(۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں: شعر ؎ العلم قال الله قال رسوله، إن صح والإجماع فاجهد فيه
واحذر من نصب الخلاف جهالة، بين الرسول وبين رأي فقيه

(۲) عبارت یہ ہے: ثم نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب أنهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب من غير التزام مذهب معين من زمن أصحاب المذاهب إلى زمانه۔ انتہیٰ۔ (ص: ۹۸۔)

(۳) شیخ موصوف نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

پر جو قرآن وحدیث پر عامل تھے اور کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ فخر کیا۔ علامہ موصوف ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی سے کچھ زمانوں سے پہلے سے ممالک یمن میں علماء اہل حدیث کا پتہ کتب تراجم میں ملتا ہے۔ خود بدر طالع میں بھی بہتوں کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ مقولہ جو ہم نے ذکر کیا یہ علامہ محمد بن ابراہیم بن الوزیر کے ترجمہ میں جو بڑے پکے اہل حدیث سے تھے شوکانی نے ذکر کیا۔ اور علامہ موصوف ۷۷۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ ممالک یمن میں شوکانی سے پہلے دسویں و گیارہویں صدیوں وغیرہ میں اہل حدیث ہوتے رہے۔ اور قاضی شوکانی کے وقت میں اور ان کے بعد سے اس وقت تک تو خود ہندوستان میں بکثرت اہل حدیث کا ہونا ظاہر ہے۔ پس ان تمام بیانات سے پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت سے لے کر اس وقت تک برابر ایسے لوگوں کا ہونا جو عامل بالحدیث تھے اور تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہوگیا۔ اب ہم کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن مزید اطمینان کے لئے مختلف زمانوں کے کچھ لوگوں کو بہ تفصیل نام بطور مثال کے اور ذکر کئے دیتے ہیں۔ علامہ علی بن حزم ظاہری [1] پہلے شافعی المذہب تھے۔ ترک تقلید کر کے ظاہر قرآن وحدیث پر عامل ہو گئے۔ کچھ تذکرہ ضمناً ان کا پہلے بھی ہو چکا۔ [2] ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۵۶ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں۔ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خواب

---

(۱) محدثین میں کے بعض لوگوں نے انکار قیاس اور اتباع ظاہر میں ایک حد تک تشدد کیا وہ ظاہری کہلاتے ہیں لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے۔ اس کے ہر جگہ یہی معنی نہیں ہیں بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ مقلدین کی طرح اپنے امام کے موافق بنانے کے لئے نصوص شرعیہ میں تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ جو صریح مقتضیٰ نصوص شرعی کا ہوتا تھا اس کے پابند تھے۔

(۲) بعض لوگوں نے اِن کی زبان درازی اور علماء پر اعتراض کی شکایت کی ہے لیکن ان کے دیگر حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو ان کا ایسا کرنا بوجہ جوش دینی و بغرض حمایت حق تھا نہ بغرض غیب گیری والعلم عنداللہ۔ وقد افضی إلی ما قدم۔ اور اگر فی الواقع ہی کسی میں کوئی بات نامناسب ہو تو ہم کو اس سے کیا مطلب۔ ہمارا تو مذہب خذ ما صفا ودع ما کدر ہے۔

میں دیکھا کہ حضور (ﷺ) نے ابن حزم سے معانقہ کیا، اور ایک دوسرے میں غائب ہو گئے [1] اور صرف رسول (ﷺ) ہی نظر آتے تھے۔ یہ غایت درجہ کا وصل واتحاد ہے"۔ انتہی۔ یہ ان کے اتباع حدیث کا طفیل تھا۔

شیخ الاسلام **ابو اسماعیل** ہروی انصاری۔ یہ حفظ حدیث میں مشہور تھے۔ ان کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں۔ صاحب مجاہدات تھے۔ ان کے ہاتھ پر کتنی بار کرامتیں بھی واقع ہوئیں۔ اشاعت سنت میں انہوں نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔ اظہار حق میں بڑے پکے تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ پانچ مرتبہ میرے اوپر تلوار صرف اسی بات پر لائی گئی کہ مجھ سے کہا جاتا تھا کہ سکوت اختیار کرو، کسی سے کچھ مت کہو۔ میں نے کہا، کہنا نہیں چھوڑوں گا۔ ایک مرتبہ علماء شافعیہ وحنفیہ نے بحضور سلطان وقت کے ان سے مناظرہ چاہا۔ انہوں نے کہا کہ میں مستعد ہوں، لیکن جو میرے پاس موجود ہے اس کے ساتھ مناظرہ کروں گا۔ اُن لوگوں نے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟ کہا: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ)۔ چنانچہ قرآن شریف اور صحیحین ان کے پاس موجود تھیں۔ سلطان نے ان لوگوں کی

(۱) جناب مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی بابت ایک خواب:

اسی کے قریب وہ خواب ہے جو میرے والد ماجد (حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی) کو جو ہمیشہ سے ایک عجیب زاہد اور دین دار آدمی ہیں حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (مدظلہ العالی) کی نسبت نظر آیا۔ جب والد ماجد تمام فنون درسیہ سے فارغ ہو گئے اور حدیث کی تحصیل کا عزم کیا تو چونکہ جناب میاں صاحب اس فن میں نہ صرف کمال کے ساتھ بلکہ اپنے زمانے میں تقریباً تفرد کے ساتھ مشہور ہیں، لہذا انہیں کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے کے بعد بعض ان کے پرانے احباب اس بات پر مصر ہوئے کہ میاں صاحب سے نہ پڑھیں، اس لئے کہ کہیں بگڑ نہ جائیں۔ اور بعض دیگر مولویوں کے پاس جانے کی تحریض کی کہے سنے سے ان کے ارادے میں بھی تزلزل ہوا اور وہ خود بھی میاں صاحب کے پہلے سے ہم مسلک نہ تھے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک مقام پر جناب رسول (ﷺ) تشریف رکھتے ہیں۔ پھر حضور پرنور کے بجائے میاں صاحب نظر آنے لگے۔ اور اب اسی جگہ پر میاں صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس خواب کے بعد انہوں نے انہیں سے استفادہ پر کمر بستہ کی، اور وہیں تحصیل حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہ ان کو میاں صاحب کا کمال اتباع اور سچی جانشینی دکھائی گئی۔ اللهم وفقنا لذلک، آمین۔

طرف اشارہ کیا کہ کہتے ہو۔ پھر کسی نے مناظرہ کا ارادہ نہ کیا۔ عقائد میں جیسا کہ عموماً اہل حدیث کا حال ہے امام احمد (رحمہ اللہ) کا سا مذہب رکھتے تھے۔ اور اس پر بہت متشدد تھے۔ علم کلام کی مذمت میں بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) اجوبہ مصریہ میں لکھتے ہیں۔ حدیث اور تفسیر اور تصوف میں امام تھے، اور فقہ میں اہل حدیث کے مذہب پر تھے۔ ان پر اتباع حدیث غالب تھا۔ انتہیٰ۔ لوگوں نے ان کو ان کے وطن سے نکال بھی دیا تھا۔ نکالے جانے کے بعد جب مرو میں پہنچے، تو علامہ بغوی ان سے ملے اور کہا: آپ میں اللہ نے سارے فضائل جمع کر دیئے تھے، ایک سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وطن سے نکالا جانا باقی تھی، اس کو بھی پورا کر دیا۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۸۱ھ میں انتقال کیا۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمہ اللہ) گو حنبلی مشہور ہیں لیکن دراصل وہ کسی کے مقلد نہ تھے[1]۔ چنانچہ امام شعرانی کے قول میں گزر چکا۔ اور بہجۃ الاسرار[2] میں ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتوی دیا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ معلوم ہوا بلا پابندی کسی ایک مذہب کے جس بات کو قوی پاتے تھے اسی پر فتوی دیتے تھے۔ اور فتوح الغیب میں فرماتے ہیں، قرآن وحدیث کو اپنے پیش نظر رکھو اور ان کو غور وتامل کے ساتھ دیکھو۔ اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھانا۔ انتہیٰ۔ اور غنیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں۔ اہل بدعت کی کتنی علامتیں ہیں جس سے وہ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ایک علامت ان کی اہل حدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔ انتہیٰ۔ شیخ موصوف کا صاحب کرامات ہونا ہمارے بیان کا محتاج نہیں۔ ۴۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور

(۱) لیکن ان کو امام احمد صاحب سے ایک خاص عقیدت ضرور تھی۔ چنانچہ ان کا یہ بھی قول ہے کہ کوئی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا جب تک امام احمد کے عقائد پر نہ ہولے۔ امام احمد صاحب کے ساتھ عقیدت کچھ انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عموماً اہل حدیث کو ان کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عقیدت ہے اور رہیں بھی وہ اکابر گروہ علماء اہل حدیث سے۔

(۲) عبارت یہ ہے: أنه كان يفتي على مذهب الشافعي وأحمد بن حنبل۔

۱۵۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔[۱]

حسن بن مسلم (رحمہ اللہ) انہوں نے حضرت پیران پیر صاحب کی صحبت اٹھائی تھی۔ صاحب کرامات تھے۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں۔ یہ ابدال میں سے تھے اور سلف کے مسلک عمل بالحدیث کو پکڑے ہوئے تھے۔ انتہیٰ۔ درندوں کا بھی ان کے تابع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ۵۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حافظ الحدیث تقی الدین عبدالغنی مقدسی۔ ایک لاکھ سے بھی زائد حدیثیں ان کو حفظ تھیں۔ تلاش حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ رقیق القلب تھے۔ حدیث پڑھاتے وقت رویا کرتے تھے اور لوگ بھی انکے اثر سے رونے لگتے تھے۔ عابد آدمی تھے اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ ان کی کئی مقبول اور نہایت مفید تصانیف ہیں۔ ابن النجار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ پرہیز گار تھے۔ سلف کے طریق پر حدیث کے ساتھ تمسک کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ نہی عن المنکر میں بڑے مضبوط تھے۔ کچھ تذکرہ ان کا ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

حنفیہ کا اہل حدیث پر تشدد:

اہل بدعت سے ان کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ موصل میں ہم کتاب الجرح والتعدیل عقیلی کی پڑھ رہے تھے۔ چونکہ اس میں امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر تھا۔ اہل موصل ہمارے اوپر چڑھ آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور میرے مار ڈالنے کے لئے مجھ کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ ایک فقیہ کہ ان سے بغض رکھتا تھا اس نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں

---

(۱) لیکن شیخ موصوف کی احادیث کا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیں محدثین اعتبار نہیں کرتے۔ حدیث میں ان کے اس تساہل کی وجہ غالباً زیادہ تر تصوف کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اس قسم کے تساہل اور عباد اور صوفیہ کو بھی پیش آیا ہے۔ صوفیہ تنقید احادیث میں سستی کرنے کی ایک وجہ ان کا فرط حسن بھی ہے۔

ہاتھ ڈالے ہوئے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کو حدیثیں سنا سنا کر دریافت کر رہے ہیں۔ جب وہ خواب سے جاگا تو اس نے اپنی عداوت سے توبہ کی۔ ایک اور صاحب نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے دربار میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ان کو پاس بٹھالیا تو یہ رو کر حضور (ﷺ) سے لوگوں کے برتاؤ کا ذکر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فلاں فلاں لوگ حدیث میں مجھ کو جھٹلاتے ہیں یعنی مانتے نہیں تو حضور (ﷺ) فرماتے ہیں عبدالغنی تو سچا ہے۔ اصحاب تراجم نے ان کے بارے میں اور بھی بہت سے خواب ذکر کئے ہیں۔ تقریباً ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ بعض بزرگوں کا مقولہ ہے، ان کے وقت میں اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو یہ ہوتے۔ حافظ ضیاء مقدسی لکھتے ہیں جو حدیث پاتے اس پر ضرور عمل کر لیتے۔ انتہیٰ۔ ابو المظفر کہتے ہیں: یہ سلف صالح کے مذہب پر تھے۔ کتاب وسنت و آثار مرویہ کے ساتھ تمسک کرنے والے تھے۔ کسی کو برا نہ کہتے تھے اور نہ کسی پر طعن کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ عمل میں مضبوط تھے ہر کار خیر کے لئے مستعد رہتے تھے۔ بوریئے پر سویا کرتے تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات تھے۔ ۵۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۰۷ھ میں انتقال کیا۔ اس روز سخت دھوپ اور گرمی تھی۔ مگر ان کے جنازے پر ایک ابر کا ٹکڑا برابر سایہ کئے رہا، اور جنازے میں تقریباً بیس ہزار آدمی جمع ہوئے۔

امیر المؤمنین منصور یعقوب بن امیر یوسف بن امیر عبدالمؤمن سلطان مراکو یہ بڑے پکے اہل حدیث تھے۔ باوجود سلطنت کے بڑے زہد کے ساتھ رہتے تھے، اور اپنے عیش و آرام کی پرواہ نہ تھی۔ علامہ ذہبی (۱) تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں: بعد بادشاہ ہوجانے کے انہوں نے زہد

(۱) تاریخ الاسلام للذھبي ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اس موقع کی عبارت ہم کو محرر علوم حدیثیہ ---

اور کھانے پینے وغیرہ میں بھی تنگی اور کمی کو اختیار کیا اور ان کے وقت میں عباد اور صالحین اور اہل حدیث کا آوازہ بلند ہو گیا اور فقہ کے فروعات اٹھ گئے۔ انہوں نے فقہ کے شغل اور اس میں انہماک کے ترک کی لوگوں کو تاکید کی اور محدثین کو کتب احادیث سے لے کر حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا حکم دیا، جو اس مجموعہ کو حفظ کر لیتا تھا، اس کو انعام دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا قصد تھا ممالک مغرب سے امام مالک کے مذہب کی تقلید کو اٹھا دینے کا۔ اور لوگوں کو ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے پر آمادہ کرنے کا۔ اور یہی قصد ان کے باپ اور ان کے دادا کا بھی تھا لیکن وہ ظاہر نہ کرنے پائے۔ اور انہوں نے ظاہر کر دیا۔ حافظ قرآن و حافظ متون حدیث تھے۔ امام ابو شامہ کہتے ہیں: انہوں نے کلمہ توحید کو پھیلایا اور جہاد کا جھنڈا بلند کیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل ہوئے۔ حدود شرع اپنے اقرباء اور غیروں سب پر حاوی کرتے تھے۔ سخی و جوانمرد منصف تھے۔ علماء کے اکرام کرنے والے اور شرع پر عمل کرنے والے تھے۔ پانچوں نمازیں جماعت سے پڑھتے تھے اور صوف پہنتے تھے اور عورت اور کمزور کی حاجت سننے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ فروع فقہ کے چھوڑ دینے کا حکم تھا۔ اور یہ کہ علماء صرف قرآن و حدیث سے فتوے دیں۔ انتہیٰ۔ ملخصاً من تاریخ الاسلام۔ اور علّامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں لکھتے ہیں: حدود شرعی اپنے اہل بیت میں بھی قائم کرتے تھے جیسے اور تمام لوگوں میں قائم کرتے تھے، حکم دیا کہ فقہاء صرف قرآن و حدیث سے فتوی دیں اور کسی کی تقلید نہ کریں۔ انتہی۔ اس کے بعد بھی یہ لکھا کہ اس طریقہ (عمل بالحدیث) پر چلنے والی بلاد مغرب سے ایک جماعت آ کر ہم سے ملی جن میں شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ کو بھی بتایا۔ امیر یعقوب نے ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ میں انتقال کیا اور شیخ موصوف ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۳۸ھ میں

---حضرت مولانا مولوی شمس الحق صاحب مدفیضہ الجاری سے جن کو اشاعت سنت کا ایک خاص ذوق ہے مل گئی۔ اس کے سوا جو ہم نے اس موقعہ پر تراجم لکھے بیشتر حصہ ان کا التاج المکلل سے ماخوذ ہے اور التاج المکلل کا ماخذ پہلے بتا چکے۔

انتقال کیا۔شیخ موصوف تھے تو ظاہری مذہب،لیکن ان کو صوفیت میں بے حد انہماک تھا۔اسی کے متعلق ان کے بعض کلام ان کی تصانیف میں ایسے ہیں [1] جو بظاہر تسلیم کے قابل نہیں ۔ان کی وجہ سے علماء ان کی بابت مختلف ہیں ۔کوئی تو ان کی تکفیر [2] کرتا ہے اور کوئی توقف کر رہا ہے اور بہت سے بے حد معتقد [3] ہیں ۔و العلم عند اللہ۔

احمد بن ابراہیم واسطی خرامی عارف وزاہد و محدث تھے ۔ابتداء میں یہ فقہاء شافعیہ اور بعض فقراء سے ملے مگر دل کو تسکین نہ ہوئی ۔پھر اسکندریہ میں شاذیلیوں سے ملے،ان سے آثار محبت الٰہی اور معرفت اور سلوک کے پا کر ان سے منتفع ہوئے ۔پھر دمشق پہنچے تو شیخ تقی الدین بن تیمیہ سے ملے اور ان کی صحبت میں رہے ۔انہوں نے سیرت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطالعہ کی ہدایت کی ۔پس یہ کتب حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہوئے ۔ اور تمام طریقوں اور ذوقوں کو چھوڑ کر احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اور جو آپ کی چال ڈھال کتب احادیث میں مروی ہوئی ہے اس کے تابع ہو گئے ۔اصول و فروع ہر دو میں حدیث کے ہو رہے ۔جو حدیث میں پاتے اس پر عمل کرتے ۔اور طوائف مبتدعہ مثل اتحادیوں وغیرہ کا رد کیا کرتے ۔امام احمد صاحب (رحمہ اللہ) کا مذہب عقائد میں اختیار کر لیا۔طریقت اور فقر محمدی اور حدیث کے موافق سلوک کے بیان میں متعدد کتابیں لکھیں،جن سے صوفیہ اہل حدیث نے بہت فائدہ اٹھایا۔ ۶۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۱۱ھ

---

(۱) لیکن در مختار میں لکھتے ہیں کہ یقیناً وہ کلمات بعض یہود نے شیخ قدس سرہ کی نسبت تھوپ دیئے ہیں ۔انتہیٰ ۔نہ وہ دراصل ان کے ہیں ۔

(۲) منجملہ ان کے شیخ ابراہیم حلبی ہیں ۔

(۳) جن میں ابن الزملکانی،شیخ عبدالوہاب شعرانی،شیخ مجد الدین فیروز آبادی،شیخ عز الدین بن عبدالسلام،سعد الدین حموی،قاضی احمد حوبی،جلال الدین سیوطی،علامہ مقری،نعمان آفندی،بحر العلوم لکھنوی،شیخ عبد الغنی نابلسی ابن کمال پاشا صاحب در مختار۔شیخ ابن عابدین صاحب رد المختار وغیرہم ہیں ۔یہ سب ان کے بہت معتقد اور مداح ہیں ۔

میں انتقال کیا۔

علامہ ابن المقریزی احمد بن علی۔ تاریخ میں بڑے متبحر تھے۔ پہلے حنفی تھے فقہ حنفی حاصل کی پھر شافعی ہو گئے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں: لیکن وہ ظاہریت کی طرف مائل تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: حدیث سے محبت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اس پر قائم رہتے تھے۔ حتی کہ ابن حزم کے مذہب کی طرف متہم کئے جاتے تھے۔ انتہیٰ۔ ۷۶۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۸۴۵ھ میں انتقال کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تبحر اور دلائل سے مسائل پر آزادانہ بحث اور جو مسئلہ من حیث الدلیل راجح ہو اس کے ترجیح دینے پر خواہ وہ کسی امام کا ہو ان کی تصانیف شاہد ہیں اور باتصریح بھی وہ مقلدین کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں (۱): ''اس سے ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں۔ اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور اس سے رد ہو گیا مقلد کا کہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں لائی جاتی ہے، جو اس کے خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کو مثلاً فلاں عالم جو اس کا امام و مقتداء ہے ضرور جانتا ہوتا''۔ انتہیٰ۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں (۲): ''اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جب حکم ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں اور نہ یہ کہ اس کے خلاف کے لئے حیلے نکالے۔ بلکہ اس کو اصل قرار دے کر اس کے خلاف کو اس کی طرف پھیرے۔ نہ یہ کہ برعکس

---

(۱) عبارت یہ ہے: فيه أن الوقائع قد تخفى على الأكابر ويعلمها من دونهم وفي ذلك رد على المقلد إذا استدل عليه بخبر يخالف فيجيب لو كان صحيحاً لعلمه فلان مثلا۔ انتهیٰ۔

(۲) عبارت یہ ہے: ويستفاد من ذلك أن أمره (صلى الله عليه وآله وسلم) إذا ثبت لم يكن لأحد أن يخالفه ولا يتحيل في مخالفته بل يجعله الأصل الذى يرد إليه ما يخالفه لا بالعكس كما يفعل بعض المقلدين ويغفل عن قوله تعالیٰ: {فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ} الآيۃ۔ انتہیٰ۔ یعنی پس چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں حکم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس سے کہ پہنچے ان کو کوئی بلا یا عذاب دردناک۔

کرے جیسا کہ بعض مقلدین کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول: {فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ} ۔الآیۃ سے غافل رہتے ہیں۔'' انتہیٰ۔

شیخ شہاب الدین بن محمد منزلاوی۔ امام شعرانی طبقات کبری میں ان کی بابت لکھتے ہیں: صالح۔ سنی۔ محمدی۔ قرآن وحدیث پر عمل کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے شیخ محمد بن عثمان کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی حدیث کو نگاہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔ شیخ موصوف فرمایا کرتے تھے۔ جس کو حدیث یاد رکھنا منظور ہو تو بس اس پر عمل کرنے لگے وہ اس کی قید میں آجائے گی اور پھر وہ نہ بھولے گا۔ درس بھی دیا کرتے تھے۔ مسافروں کی مہمان داری کیا کرتے تھے۔ میں ان کی صحبت میں قریب چالیس برس کے رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بات میں سنت سے ہٹے ہوں۔ انتہیٰ۔ امام شعرانی نے یہ بھی لکھا کہ کتاب وسنت کے اتباع میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ ۹۵۱ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحیٰ بن حسین احادیث پر عمل کی طرف مائل تھے۔ نصوص صحیحہ کے خلاف جس کا قول ہوتا تھا رد کرتے تھے۔ جیسا کہ بدر طالع میں مذکور ہے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ اہل زمانہ سے ان کو مصائب بھی پہنچے۔ تقریباً ۱۰۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۸۰ھ میں انتقال کیا۔

علامہ صالح بن مہدی مقبلی صنعانی۔ بدر طالع میں لکھتے ہیں: علوم کتاب وسنت واصول وغیرہ میں بڑے ماہر تھے۔ تقلید نہ کرتے تھے۔ دلیل پر چلتے تھے۔ علماء صنعاء سے ان سے مناظرے بھی ہوئے۔ بلکہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مشقتیں جھیلتے رہے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف مقبول ہیں۔ بڑے فصیح البیان ہیں۔ ان کا کلام اگر کوئی بغور دیکھے تو کبھی تقلید پر قائم نہیں رہ سکتا۔ معتزلہ کا بہت رد کیا۔ اتحاف نامی ایک کتاب لکھی جس میں کشاف پر اعتراض کیے۔ اشعریہ اور صوفیہ اور فقہاء کا بھی جو مسائل ان کے خلاف قرآن وسنت پائے رد کیا۔ بعض محدثین کے غلو

پر بھی اعتراض کیا۔ ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰۸ھ میں انتقال کیا۔

علامہ عبدالقادر بن علی بدری ۔علامہ مقبلی کے شاگرد ہیں۔ دلیل کے تابع تھے۔ ان کے چند رسائل بھی ہیں جن میں طریقۂ اجتہاد پر چلے۔ کچھ دنوں تک مدینہ میں عہدۂ قضا پر بھی مامور رہے۔ ۱۰۷۷ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ کذا فی البدر الطالع۔

علامہ سید محمد بن اسماعیل امیر صنعانی ۔ بدر طالع میں ہے۔ مجتہد مطلق تھے علماء حرمین سے علوم تحصیل کئے۔ تمام فنون میں فائق ہو گئے۔ دلیل پر عامل تھے۔ تقلید سے نفرت رکھتے تھے۔ ان کو ان کے معاصرین نے اذیتیں دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا محافظ رہا چونکہ یہ کتب حدیث اور صحاح ستہ پر جھکے ہوئے تھے اور انہیں پر عمل کرتے تھے۔ اس وجہ سے عوام الناس ان کو اپنے خلاف پا کر ان پر ناصبی ہونے کی تہمت لگاتے تھے۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے۔۔۔؟

عوام کا دستور ہے جو ایسا کرے بالخصوص جب کہ سنن صلوٰۃ مثل رفع الیدین وغیرہ پر عمل کرے تو اس پر ایسی تہمتیں لگاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور پھر اس سے عداوت رکھنے لگتے اور اس کو بالکل بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس بات کی عوام سے کوئی شکایت نہیں۔ شکایت تو ان سے ہے جنہوں نے فقہ کی کچھ کتابیں پڑھ لیں اور اپنے قصور نظر سے سمجھنے لگے کہ اس میں سے کسی بات کی مخالفت کرنا نفس شریعت اور قطعی حکم کا انکار کرنا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان کتابوں میں اور ان کتابوں کے مصنفوں کے مذہب کے خلاف بڑے و چھوٹے ائمہ کو خلاف کرتا ہوا پڑھتے ہیں۔ پس اگر ان فقہی مسائل کا خلاف ایسا مذموم ہوتا تو یہ ائمہ کیوں خلاف کرتے۔ انتہیٰ۔ شوکانی نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے زمانہ کی بھی یہی حالت ہے۔ اس وجہ سے اس کا خلاصہ ذکر کرنا یہاں ہم نے مناسب خیال کیا۔ علامہ موصوف ۱۰۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۸۲ھ میں

انتقال کیا۔

سید عبدالقادر بن احمد کوکبانی علامہ سید محمد اسماعیل امیر اور علامہ محمد حیات سندھی مدنی وغیرہ سے انہوں نے علوم تحصیل کئے۔ بدر طالع میں لکھتے ہیں: دیار یمن میں مجموعہ علوم میں آخر میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بڑے محدث تھے۔ بدر طالع میں ان کو مجتہد مطلق بھی کہا ہے۔ انہوں نے بہت سے مسائل حدیثیہ مقلدین کو منوائے تھے۔ ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۷ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحی بن عمر بن مقبول اہدل متوفی ۱۱۴۷ھ اور ان کے خلف الصدق علامہ سید سلیمان اور ان کے فرزند رشید علامہ سید عبد الرحمن متوفی ۱۲۵۰ھ۔ یہ سب کے سب عامل بالحدیث اور تارک تقلید تھے اور بڑے عابد و زاہد و مقبول و مقتدا لوگ تھے۔ ان کے مناقب میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

امام محمد بن علی یمنی شوکانی۔ متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل جامع و ماہر جمیع فنون اصول و فروع معقول و منقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں۔ ان کی تصانیف ان کے کمالات کی شاہد موجود ہیں۔ احکام حدیث میں ان کی کئی مبسوط اور تحقیقات سے پر کتابیں ہیں۔ مثل نیل الأوطار اور السیل الجرار وغیرہ۔ اور ایک تفسیر بسیط فتح القدیر ہے۔ اور اصول میں ایک بے مثل کتاب ارشاد الفحول ہے۔ ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقلید بھی ہے۔ ان کے فیض سے ہزار ہا لوگ اہل حدیث ہوئے۔ کتنے اکابر علماء نے ان کے مناقب تصانیف میں جمع کئے۔ کثرت تلامذہ اور وفور تصانیف اور تبحر اصناف علوم میں مشہور تھے۔ ہندوستان سے بھی تحصیل حدیث کے لئے لوگ ان کے پاس گئے۔ ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔ یہاں پر ہم نے جن اصحاب کا ذکر کیا ان کے سوا اور بھی کتنے اشخاص کا ہم پہلے متفرق ذکر کر چکے ہیں۔

یہ علماء جن کا ہم نے ذکر کیا یہ کوئی پوشیدہ اور کم درجہ کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے مستند اور مقتدی لوگ تھے۔ پس ایک صحیح الرائے کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب ان کا یہ مسلک ومشرب تھا تو ان کے زمانے میں اور ان کے بعد ان سے نیچے کے طبقہ کے عوام وخواص ان کی بات کے ماننے والے اور ان کے طریقے پر چلنے والے ضرور موجود تھے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تقلید شخصی کے پابند نہ تھے اور بعض کے تراجم میں تو صریحاً بہت لوگوں کا ان کے ہم مسلک ہونا مذکور ہے۔ پس ان زمانوں میں نہ صرف خواص کا بلکہ **عوام وخواص** ہر قسم کے لوگوں کا ترک تقلید شخصی اور عمل بالحدیث پر ہونا ظاہر ہے۔

ایک اور ثبوت:

اس کے علاوہ ان تمام زمانوں میں ترک تقلید وعمل بالحدیث کے طریقے کے موجود رہنے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عموماً صوفیہ صافیہ کا طریقہ ترک تقلید وعمل بالحدیث تھا۔ چنانچہ عنقریب آتا ہے اور کچھ گزر بھی چکا۔ اور ظاہر ہے کہ گروہ صوفیہ ان تمام زمانوں میں موجود رہا۔ غرضکہ کوئی زمانہ تارکین تقلید وعاملین بالحدیث سے خالی نہیں رہا۔

اہل حدیث‘ قدیم اور مستقل فقہی مذہب:

لیکن ہمارے فریق مخالف اپنی لا علمی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ غیر مقلدوں کا فرقہ ابھی نیا نکلا ہے اور پہلے کوئی اس مذہب کا نہ تھا۔ اور جو ہمارا طریقہ ہے وہی قدیمی مسلک ہے۔ اور مذہب بس یہی چار ہیں اور ان کے سوا محدثین یا اہل حدیث کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ حالانکہ اگر وہ انہیں کتابوں کو جو بکثرت متداول ہیں کھول کر دیکھیں تاہم وہ پائیں گے کہ **اہل حدیث** کا مذہب

مذاہب اربعہ سے علیحدہ (۱) بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کتابیں تمام مذاہب کے بیان کی متکفل نہیں

---

(۱) چنانچہ تلویح میں بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی بابت لکھتے ہیں۔ وعليه عامة اهل الحديث۔ دیکھوص: ۳۵۴۔ مطبوعہ نولکشوری اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں قنوت نازلہ کی مشروعیت میں لکھتے ہیں: وبه قال جماعة من اهل الحديث۔ انتہیٰ۔ دیکھوص: ۱۸۸ نولکشور جلد: اول۔ اور نیز فتح القدیر مسئلہ فساد صوم بالحجامۃ میں لکھتے ہیں: كما هو قول الحنابلة وبعض أهل الحديث۔ انتہیٰ۔ ص: ۴۱۱۔ اور بحر الرائق میں اور اس سے نقل کر کے رد المختار میں بھی قنوت نازلہ کی بابت اہل حدیث کا مذہب لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وعزاه في البحر إلى جمهور اهل الحديث۔ انتہیٰ۔ رد المختار، ص: ۴۹۶، جلد: اول۔ مطبوعہ مصر۔ اور تاتارخانیہ میں اور اس سے نقل کر کے رد المختار میں لکھتے ہیں: إن رجلا من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث۔ انتہیٰ۔ رد المختار، ص: ۲۰۷، جلد: سوم۔ اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں علم کلام کی مذمت میں لکھتے ہیں: وإلى التحريم ذهب الشافعي ومالك وأحمد وسفيان وجميع أئمه الحديث۔ انتہیٰ۔ اور شاہ صاحب حجۃ اللہ میں اہل حدیث کے صفات الٰہی کی بابت مذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: واستطال هؤلاء الخائضون على معشر أهل الحديث وسموهم مجسمة ومشبهة۔ ص: ۶۴۔ اور شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وكان صاحب الحديث أيضاً قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقة به۔ انتہیٰ۔ ص: ۱۵۸۔ اور اسی کے قریب لکھتے ہیں: وكان أهل الحديث منهم الخ۔ انتہیٰ۔ اور زرقانی شرح مؤطا میں رفع الیدین کے بیان میں لکھتے ہیں: وبه قال الأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحاق والطبري وجماعة من أهل الحديث۔ انتہیٰ۔ ۱۴۳۔ جلد: اول۔ اور فتح الباری میں فرض نماز مغرب کے قبل دو رکعتوں کے مستحب ہونے کے بابت لکھتے ہیں: وإلى استحبابها ذهب أحمد وإسحاق وأصحاب الحديث۔ انتہیٰ۔ پارہ: ۳، ص: ۳۴۸۔ انصاری۔ اور مسئلہ جمع بین الصلاتین میں لکھتے ہیں: وحكاه الخطابي عن جماعة من أصحاب الحديث۔ پارہ: ۳، ص: ۳۰۷۔ اور محلیٰ میں قلتین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: وبه قال إسحاق وأبو عبيد وجماعة من أهل الحديث منهم ابن خزيمه۔ انتہیٰ۔ اور علامہ ابن عبدالبر خمر کے بیان میں لکھتے ہیں: قال أهل المدينة وسائر الحجاز بين وأهل الحديث كلهم كل مسكر خمر۔ انتہیٰ۔ اور حاشیہ نورالانوار میں خبر واحد کے مسئلے میں لکھتے ہیں: وهذا هو مذهب بعض أهل الحديث۔ انتہیٰ۔ ص: ۱۵۰ اور حاشیہ نخبہ میں مرسل کے بیان میں لکھتے ہیں: اختصار مذهب أهل الحديث۔ انتہیٰ۔ اور نووی شرح صحیح مسلم میں منی کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: هو مذهب الشافعي وأصحاب الحديث۔ انتہیٰ ص: ۱۴۰ (تنبیہ یہ مسئلہ متفقہ اہل حدیث کا نہیں ہے۔ دیکھو: نیل الأوطار) اور نووی مسئلہ ذبح بالعظم کے بیان میں لکھتے ہیں: لا يجوز الزكوة به وقد قال الشافعي وأصحابه بهذا وبهذا۔ قال النخعي والحسن بن صالح والليث وأحمد وفقهاء الحديث۔ انتہیٰ۔ جلد: ۲، ص: ۱۵۶۔ اور شاہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں: فهذه طريقه المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ما هم وهم---

بلکہ ان میں بیشتر انہیں اقوال کا ذکر ہے جن سے زیادہ تر کام پڑتا ہے بلکہ ان فقہی کتابوں میں امام احمد (رحمہ اللہ) کے مذہب کا بھی بہت کم نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالک کا بھی مذہب بہت کمی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس پر بھی اہل حدیث کے مذہب کو کہیں کہیں اور مذاہب سے ممتاز کر کے لکھا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب قدیم سے چلا آتا ہے اور مختلف زمانوں کے مصنفین کی توجہ اس طرف ہوتی رہی اور وہ ان کی نظروں میں ایک متعدبہ اور قابل ذکر مذہب تھا جس کو انہوں نے مختلف مواقع میں (۱) ذکر کیا۔ بس یہی مذہب تو ان لوگوں کا ہے جن کا دوسرا نام غیر مقلد یا لا مذہب لیا جاتا ہے جن کو ہمارے زمانے کے لوگ کیسا برا سمجھتے ہیں اور طرح طرح کی بدگمانیاں ان کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ سچ پوچھو تو وہی اصل مذہب ہے اور عین طریقۂ اسلام۔

مذہب اہل حدیث سے انکار کیوں؟ ایک نفسیاتی تجزیہ:

لیکن ان لوگوں کو چونکہ ناواقفیت ہے اور جس طریقہ پر وہ ہیں اس کے رواج کا جس کو وہ اپنے آباؤ اجداد سے دیکھتے چلے آتے ہیں ایک گاڑھا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس مذہب سے اجنبیت ہے۔ اس وجہ سے وہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور طرح طرح کے اشکال اس میں ان کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ ایک ٹیڑھی چال نظر آتی ہے اور اپنا طریقہ ایک نہایت صاف اور سیدھا دکھائی

---غير الظاهرية من أهل الحديث الذين لا يقولون بالقياس والإجماع وغير المتقمين من أصحاب الحديث ممن لم يلتفتوا إلى أقوال المجتهدين أصلا ولكنهم أشبه الناس بأصحاب الحديث. انتهیٰ ص: ۵۴۔ اور مولوی عبدالحئ صاحب کے قول میں مذہب محدثین کے علیحدہ ہونے کا بیان پہلے ہو چکا۔ اس قسم کی نظیریں ہمارے پاس اور بھی بہت سی موجود ہیں۔ لیکن طول کی وجہ سے نہیں لکھ سکے۔

(۱) اور اس عنوان سے نہیں ذکر کیا جیسا کہ ایک باطل مذہب بغرض رد یا بطور انکار کے ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ایسا ہی ذکر کیا جیسا کہ دیگر ائمہ مثل امام شافعی وغیرہ کا خلاف لکھتے ہیں۔ اور خلاصہ کیدانی والے نے جو بطور انکار و استخفاف ذکر کیا تو اس پر دوسرے فقہاء حنفیہ نے بہت کچھ لے دے کی اور اس کو بہت برا بھلا کہا بلکہ اس کی نسبت خوف کفر کا بھی ظاہر کیا۔ دیکھو: کلام ملا علی قاری اور مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی۔

دیتا ہے جس میں کوئی عیب سجھائی نہیں پڑتا۔ حالانکہ بڑا دخل اس میں رسم ورواج کو ہے۔ رسم ورواج کو اس بارے میں ایک ایسا اثر ہے۔ جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے۔ جب آدمی کوئی نیا مسئلہ سنتا ہے جس کے خلاف اس کے ذہن میں مرکوز ہو تو قطع نظر اُس کے دلائل ووجوہ کے اول حکم اس کی رائے کا اس کی بابت یہ ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور اسی خیال کی وجہ سے مخالف قول کے جس قدر دلائل سنتا ہے۔ اس کا ذہن اس کو رد وواپس کر دیتا ہے اور اپنے ہاں اس کو جگہ نہیں دیتا۔ الاّ ماشاء اللہ۔ یہی حالت مذہب تقلید کی ہے۔ چونکہ اس کا رواج عام ہو رہا ہے اور لوگوں کے وہ ذہن نشین ہے۔ لہذا وہ بہت قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس کے خلاف طریقہ اہل حدیث میں بہت دقتیں اور طرح طرح کے نقصان نظر آتے ہیں۔

اہل حدیث اور فکری بے راہ روی:

کوئی کہتا ہے غیر مقلدی ایک آزادی کا مذہب اور نیچریت کی سیڑھی ہے۔ اس مذہب میں آدمی آزاد ہو جاتا ہے۔ کسی بات کا پابند نہیں رہتا۔ بزرگوں اور علماء کی وقعت اس کے جی میں نہیں رہتی۔ آدمی خود بین اور خود رائے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بالکل غلط فہمی اور بے خبری پر مبنی ہے۔ اہل حدیث کے مذہب میں تو بالکل آزادی نہیں ہے بلکہ اس کے مذہب میں اس بات کی سخت پابندی ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو جائے۔ اور پھر اس کے خلاف کوئی بھی ہو اس کا قول ہرگز نہیں لیا جاسکتا (۱)۔ آزادی تو اس وقت ہوتی جب ان کا مذہب ہوتا انتقال از مذہب بمذہب۔ مثلاً

(۱) برخلاف مقلدین کے کہ ان کے ہاں کہیں امام صاحب کا قول لیا جاتا ہے اور کہیں صاحبین کا۔ ایک کا یا دونوں کا اور کہیں ان کے سوا دیگر شاگردوں کا اور کہیں ان میں سے کسی کا نہیں بلکہ نیچے کے طبقے والوں کا اور کہیں ان سب سے باہر۔ اور کوئی کسی پر فتویٰ دے رہا ہے اور کوئی کسی پر اور ضرورت کے وقت کسی کا قول ہو اس پر فتوی دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بغرض آسانی دوسروں کے قول لیے جاتے ہیں جیسا کہ کتب فقہ پر واقف کو معلوم ہے اور پہلے بھی گزر چکا۔ ---

حنفی سے شافعی بن جانا اور شافعی سے حنفی۔ جب جس مذہب کی طرف دل چاہا منتقل ہو گئے۔ یا تتبع رخص (۱) اور ہر مذہب سے چھانٹ کر آسان آسان باتوں کو لے لینا۔ حالانکہ اہل حدیث کو اس سے غرض نہیں اور نہ ان کا یہ مذہب یا طرز عمل ہے پس ان پر آزادی کا الزام کیسے قائم ہوسکتا ہے۔ اور اگر ان میں اس قسم کی آزادی ہوتی بھی تو یہ الزام خود فقہاء پر بھی قائم ہے جنہوں نے انتقال مذہب اور تتبع رخص کو جائز قرار دیا ہے۔ پس آزادی تو فقہاء دے رہے ہیں اور اہل حدیث پر الزام ہے۔ اسی طرح اہل حدیث کے مذہب کو نیچریت وغیرہ کی سیڑھی قرار دینا سخت غلطی (۲) ہے۔ ہندوستان میں جس قدر نیچری نظر آتے ہیں یا مختلف ممالک میں بعض مسلمان دہریئے یا عیسائی ہو گئے وہ بیشتر حنفی ومقلد تھے جو نیچری یا عیسائی ہو گئے۔ اہل حدیث میں سے اگر کسی کا ہونا ثابت بھی ہوگا تو وہ کہیں شاذ ونادر نکلیں گے جو الشاذ کالمعدوم کی مثال ہیں اور حنفی ہزاروں بلکہ بے شمار موجود ہیں جو ایسے

---پس آزادی مقلدوں کے لئے ہے نہ اہل حدیث کے لئے۔

(۱) علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: ولکن لیس له أن یتبع رخص المذاهب وأخذ غرضه من أي مذهب وجده بل علیه إتباع الحق بحسب الإمکان۔ جلد: دوم، ص: ۲۷۴۔ یعنی ”آدمی کو یہ جائز نہیں کہ مذاہب کی رخصتوں کو ڈھونڈے اپنے مطلب کی جس مذہب سے ملے لے لے۔ بلکہ اس پر لازم جہاں تک امکان میں ہو حق کی تابعداری ہے“۔ اہل حدیث کا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ آزاد بن جائے اور جس قول پر چاہے عمل کرنے لگے اور انتقال مذہب یا تتبع رخص کا جو بیان اہل حدیث کی تحریروں میں ہے تو فقہاء کے مسلمات کے موافق ہے اور تقلید شخصی پر اصرار کرنے والوں کو الزام دینے کے لئے۔

(۲) علی گڑھ کالج جو نیچریوں کا مرکز اور منبع ہے، وہاں دیکھا جاوے سو میں کتنے طلبہ حنفی داخل ہوتے ہیں اور کتنے اہل حدیث۔ مشکل سے کسی سینکڑے میں کوئی ایک اہل حدیث مسلک کا نکلے تو نکلے باقی عموماً حنفی ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سو/ ۱۰۰ میں سے غالباً اسی نیچری خیال کے ہو جاتے ہیں تو اب نیچری حنفی بنتے ہیں یا اہل حدیث؟ اور بعض نیچریوں میں سے جو نیچری ہو جانے کے بعد اہل حدیث کے ساتھ بہ نسبت حنفیوں کے زیادہ موافقت ظہور میں آئی تو یہ ان کی آزادانہ تحقیق کا اثر ہے کہ انہوں نے تعلیم اسلام کے ساتھ عند التحقیق بہ نسبت مذہب تقلید کے مذہب اہل حدیث کو موافق تر پایا، لہٰذا انہوں نے کہا کہ اسلام حق ہے تو اس میں حق یہی مذہب ہوسکتا ہے۔

ہو گئے۔ پس حنفیت وتقلید نیچریت وغیرہ کی سیڑھی ہوئی نہ مذہب اہل حدیث۔ اور بزرگوں کی وقعت ان کے جی میں نہ ہونا یا خود رائے ہونا بھی محض اتہام ہے۔ بلکہ ایسا مقلدین کی بابت کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ انہوں نے محض اپنی رائے سے تمام علماء امت ومجتہدین کو چھوڑ کر ایک تخصیص کر لی، اور باقی سب ائمہ اور ان کے مذہب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ اور ان کی کچھ بھی وقعت نہ کی۔

برخلاف اہل حدیث کے کہ سارے علماء امت کو مانتے اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور جہاں ان کا اختلاف ہے وہ کسی کے قول سے بے پرواہی نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں راجح اور قوی کی تلاش کرتے اور سب کو لیتے اور تحقیق کرتے ہیں جس کا قول حدیث رسول (ﷺ) کے مطابق ہوتا ہے بس اسی کے پابند ہو جاتے ہیں۔ جب حدیث رسول اللہ (ﷺ) نہیں ملتی تو پیشوائے امت صحابۂ رسول (ﷺ) اور دیگر ائمہ مجتہدین کے اقوال کو جس کا بھی قول أقرب قرآن وحدیث سے معلوم ہو یا جس سے اتفاق پڑ جائے لے لیتے ہیں۔ ان کو خود بینی یا خود رائے ہونے سے کیا تعلق۔ اور اگر فرضاً کوئی ایسا ہے جو علماء کی علیٰ قدر مراتب وقعت نہیں کرتا یا باوجود بے علم ہونے کے مجتہد بنتا اور اپنی رائے کو دخل دیتا اور مجتہدین امت کی بات کو نہیں مانتا تو یہ اس کی بدبختی اور ذاتی شقاوت ہے جس کا الزام مذہب[1] پر نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ اس کی کم ظرفی ہے۔ اے اللہ! تو اس کو ہدایت کر۔

”ولایت“ اور تقلید۔ مضحکہ خیز استدلال:

کوئی کہتا ہے مذہب تقلید اور مقلدین کے مسائل حق نہ ہوتے تو اس مذہب میں اس

---

(۱) مشہور ہے کہ اسلام کا اثر ہے کہ وہ آدمی کے دل میں اس کی اصلی حالت سے زائد شجاعت پیدا کر دیتا ہے اب اگر کوئی کسی کو اسلام لانے سے اس واسطے روکے کہ اسلام کے اثر سے آدمی دلیر ہو جاتا ہے اور دلیر ہونے کی وجہ سے ظلم کرنے اور دوسروں کے ستانے میں اس کو باک نہیں ہوتا تو یہ بات کس قدر غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی میں یہ اثر ہو تو یہ اس کی کم ظرفی ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ منشاء نہیں بلکہ وہ تو اور تواضع اور عدل اور حفظ حقوق اور رعایت زیر دستوں کا حکم دیتا ہے۔---

قدر اولیاء اللہ کیسے ہوتے۔پس ثابت ہوا کہ یہی مذہب حق ہے اور غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔لیکن یہ حجت بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔اولیاء اللہ جس قدر گزرے ہیں مقلد ان میں کوئی نہ تھا۔شیخ عبدالوہاب شعرانی میزان کبری میں لکھتے ہیں: ”جس (۱) کسی کا قدم ولایت محمدیہ پر ٹھہرا وہ احکام شرع کو وہیں سے لیتا ہے جہاں سے مجتہدوں نے لیا۔اور تمام علماء کی تقلید سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو اگر کسی ولی سے منقول ہو کہ وہ شافعی تھا یا حنفی۔مثلاً تو یہ مقام کمال پر پہنچنے سے پہلے کا ذکر ہوگا“۔انتہیٰ۔اس مضمون کا ایک قول شیخ موصوف کا پہلے گزر چکا۔اور علامہ شیخ کردی اپنے رسالے میں تحریر فرماتے ہیں (۲) :”طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموما اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنت نبویہ ہے نہ مذہب معین کا مقلد ہو رہنا اور کسی بڑے عالم کی بات پر جم جانا کہ جو اس کا مذہب ہو اسی پر عمل کریں،مذہب معین پر تعصب کرنا اس قوم کا طریقہ ہی نہیں“۔انتہیٰ۔اور ملا جیون تفسیر احمدی میں ایک کلام کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”بلکہ جائز (۳) ہو مقلد کو یہ کہ عمل کرے ایک مذہب پر۔پھر دوسرے کی طرف منتقل

---اسی طرح جو عوام میں مشہور ہے کہ جو حج کر آتا ہے،وہ بخیل اور کنجوس ہوجاتا ہے۔پس اگر کوئی کسی کو حج سے روکے اور حج میں یہ عیب پیدا کرے تو یہ کیسی اس کی غلطی ہے۔اگر کسی میں یہ بات پیدا بھی ہوجائے تو یہ اس کی کم ظرفی ہے نہ حج کا کوئی قصد۔اسی طرح اگر اہل حدیث میں سے کسی میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو نہ ہونی چاہئے مثلاً علماء حقانی کے مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا یا باوجود بے علم ہونے کے اپنی رائے کو دخل دینا یا اہل علم کے مذاہب کی وقعت نہ کرنا تو یہ اس کی ذاتی بدبختی اور نالائقی اور کم ظرفی ہے اس میں مذہب اہل حدیث کا کوئی قصور نہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: ماثم أجد حق له قدم الولاية المحمدية إلا ويصير بأخذ أحكام شرعه من حيث أخذها المجتهدون وينفک عنه التقليد لجميع العلماء إلا لرسول (ﷺ) ثم أن نقل عن أحد من الأولياء أنه كان شافعيا أو حنفيا أو مثلا فذلک قبل أن يصل إلى مقام الكمال۔ انتهى۔ (ص: ۱۹-۱۸)۔

(۲) عبارت یہ ہے: إن طريقة المشائخ الصوفية عموماً وطريقة الأكابر النقشبندية خصوصاً إتباع السنة النبوية وعدم التقليد بمذهب معين أو قول عالم صدق محقق ليس التعصب بمذهب معين من آداب القوم وأخلاقهم۔ انتهیٰ۔

(۳) عبارت یہ ہے: بل يجوز له أن يعمل بمذهب ثم ينتقل إلى آخر كما نقل عن كثير من الأولياء----

ہو جائے جیسا کہ بہت سے اولیاء سے منقول ہوا ہے اور جائز ہو کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر عمل کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مذہب پر جیسا کہ صوفیا کا مذہب ہے"۔ انتہیٰ۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی تحصیل التعرف (۱) میں لکھتے ہیں: "مذہب صوفیہ کا احکام میں تابع فقہاء کے ہے۔ اصول میں اور فروع میں۔ کیونکہ انہوں نے احکام کو لکھا اور تتبع کیا۔ مگر صوفی لوگ مذاہب میں سے کسی کا مذہب ہو وہ مسائل اختیار کرتے ہیں جو حدیث کے موافق ہوں"۔ انتہیٰ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا مذہب تقلید شخصی نہ تھا بلکہ بیشتر ان کا رنگ اہل حدیث کے مسلک کے موافق تھا۔ پس یہ حجت جو مقلدین نے بیان کی یہ تو خود ان کے اوپر حجت ہے۔ دوسرے فرضاً اگر ہم تسلیم کرلیں کہ کوئی ولی مقلد گزرا ہے تو ولی کے واسطے یہ ضرور نہیں کہ وہ خطاء سے معصوم ہو اور جس مسئلہ پر عامل اور جس مسلک پر ہو وہ بالکل صحیح صحیح ہو۔ ان ائمہ سے بڑھ کر کون ولی ہوگا جب ان سے خطا اجتہادی ہونا اور کسی مسئلہ پر خطا پر رہنا جائز ہے تو اور ولیوں کے حق میں کیوں نہ جائز ہوگا۔ صحابہ کے اکمل الأولیاء ہونے سے کون ناواقف ہے ان میں آپس میں بعض بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ضرور ایک حق پر تھا اور ایک خطا پر، مگر اس سے ان کی بزرگی اور ولایت میں فرق نہیں آسکتا۔ نیت بخیر چاہئے۔ ہاں جان بوجھ کر اگر غلط مسلک پر قائم رہے اور ہٹ دھرمی کو کام میں لائے وہ ولی نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے پہلے زمانے کے لوگوں کے عموماً معذوری کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تیسرے، یہ شرط تسلیم مذکور ظاہر ہے کہ جس قدر اولیاء اللہ اور بندگان کاملین اور خیر القرون اور چوتھی صدی تک غیر مقلدین گزرے مقلدین میں ہرگز اس قدر نہیں ہوئے۔ تو اگر کسی مسلک کا اس میں ولی گزرنے

---ویجوز له أن یعمل في مسئلة علی مذهب وفي أخری علی آخر کما هو مذهب الصوفیة۔ انتهیٰ۔

(۱) عبارت یہ ہے: ومذهبهم الصوفیة في الأحکام تابع الفقهاء في الفروع والأصول لأنهم الذین حرروا الأحکام وتتبعوها في الفصول غیر أنهم یأخذون من المذاهب بما یوافق الحدیث۔ انتهیٰ۔

سے اس کا حق ہونا اور اس کے خلاف کا حق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اہل حدیث کا مذہب خود اس دلیل سے حقانیت کے ثبوت کا پایہ اپنے مخالف کی نسبت زیادہ قوی رکھتا ہے۔ چوتھے ولایت ایک ایسا امر ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا کون ولی ہے اور اس کے نزدیک کس مرتبے پر پہنچا ہوا ہے۔ پس اپنے خیال کے موافق کسی کو ولی قرار دے کر اس کے قول وفعل سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ حق و باطل کے دریافت کا معیار صرف کتاب وسنت ہے۔

عددی کثرت، حقانیت کی دلیل نہیں:

کوئی کہتا ہے کثرت سے مقلدین ہی ہیں اور انہیں کی جماعت عظیم ہے اور سلطنت بھی انہیں کی ہے اور پہلے بھی رہی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق پر وہی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قدر بندوں کو اس پر کاہے کو رکھتا اور کیوں ان کو سلطنت دیتا۔ لیکن یہ دلیل محض ایک شبہ ہی شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت کو حقانیت کے پہچاننے کا معیار کہیں نہیں قرار دیا اور نہ کہیں بتایا کہ جو زیادہ ہوں وہی حق پر ہیں بلکہ اہل حق تو اور قلت کے لفظ سے تعبیر کئے گئے: {إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ} (یعنی ایمان والے اور نیکوکار لوگ بہت کم ہیں۔)[1] {وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ} (اور تھوڑے ہی میرے بندوں میں حق ماننے والے۔)[2] {وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ} (یعنی اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو گمراہ کر دیں۔)[3] {وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ} (یعنی اکثر مؤمن باوجود دعویٰ ایمان کے شرک میں مبتلا ہیں)[4] اور پیغمبر

(۱) سورۃ ص: ۲۴۔

(۲) سورۃ سبا: ۱۳۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب۔

(۳) سورۃ الأنعام: ۱۱۶۔

(۴) سورۃ یوسف: ۱۰۶۔ معلوم ہوا اہل حق قلیل ہی ہوتے ہیں اور ایمان کے دعوے رکھنے والوں میں سچے موحد کم ہی ہوتے ہیں۔

صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی اپنی امت میں سے ایک طائفہ ہی کو حق پر قائم رہتا ہوا فرمایا۔ اس کے سوا تم اپنے زمانے میں مردم شماری کے لحاظ سے دیکھو۔ مردم شماری میں مسلمان بہ نسبت کفار کے کس قدر کم ہیں۔ اور پھر ان میں سے شیعہ وخارجی وغیرہ کو علیحدہ کر کے صرف اُن کو جو اہل سنت کہلاتے ہیں دیکھو تو اور کم رہ جائیں گے اور پھر مقلدین میں جو آپس میں اختلاف ہے۔ مثلاً کوئی دیوبندی المذہب میں ہے کہ وہ دوسرے مقلدوں کو بدعتی اور مشرک اور گمراہ بتاتے ہیں اور کوئی معمولی حنفی جو ان کو وہابی اور گمراہ کہتے ہیں اُن میں ہر فرقہ اگر اپنی جماعت کو چھانٹ کر دیکھے جن کو راہِ راست پر خیال کرتا ہے اور باقی سب کو گمراہ تو وہ بہ نسبت تمام آدمیوں کے کس قدر کم بیٹھیں گے۔ پس کوئی زیادتی کو علامت حقانیت اور کمی کو دلیل ناحق ہونے کی کیسے کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح سلطنت کا حال ہے۔ دیکھو آج دنیا میں خود مختار حکمران سلطنتیں کفار کی کتنی ہیں اور مسلمانوں کی کتنی۔ اور پھر جو مسلمانوں کی ایک دو ہیں تو وہ ایک سلطنت شوکت وقوت و دولتمندی و دنیاوی ترقیوں کے لحاظ سے کفار کی سلطنتوں میں سے کسی ایک سلطنت کا بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتی ہے یا کر ہی نہیں سکتی۔ پس سلطنت کو دلیل حقانیت کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے اور آخران زمانوں میں جب کہ اسلام اپنی شادابی پر تھا اور ایمان اور عمل صالح کا باغ سرسبز تھا۔ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں دی گئی وہ اہل حدیث ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ (۱) خلیفہ کرنے کا ان کے حق میں پورا ہو گیا۔ اس بیان سے ناظرین خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ جو {اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَم} سے دلیل لاتے ہیں، وہ کیسی غلطی (۲) پر ہیں۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے ثبوت میں بھی کلام ہے۔

---

(۱) یعنی {وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم فِیْ الْأَرْضِ} الآیۃ۔ النور::۵۵۔

(۲) کیوں کہ وہ جو اس کے معنی بتا کر اپنی دلیل لاتے ہیں وہ معنی نصوص قرآنیہ اور واقعات کے بالکل خلاف ہیں پس وہ معنی کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔

ایک مغالطہ کا جواب:

کوئی کہتا ہے۔ اگر غیر مقلدوں کا مذہب بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی بات قابل انکار نہیں تو یہ بہت سے علماء جو ان کے خلاف ہیں وہ ان کے مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے اور یہ باتیں ان کے ذہن میں کیوں نہیں سماتیں۔ لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی مناظرے میں یا تحقیق حق کے موقعہ پر کسی طرح پیش کرنے کے لائق نہیں۔ ورنہ اگر ہم کسی ہندو یا عیسائی کو بین دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور اس کے مذہب کا ابطال ثابت کر دیں اور اس وقت وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ اگر یہ تمہارے دلائل اور باتیں صحیح ہوتیں تو ہمارے مذہب میں جو بڑے بڑے پنڈت یا پادری ہیں کہ جو بڑے بڑے ذی علم اور خدا ترس اور دیندار ہیں ان کے ذہن میں یہ باتیں کیوں نہیں سماتیں اور وہ اس مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے۔ یا مثلاً کسی شیعی یا خارجی، یا معتزلی یا نیچری یا کسی مبتدع کو کافی دلائل کے ساتھ لا جواب کر دیں اور حق بات سمجھا دیں اور پھر اس وقت وہ یہی شبہ اپنے علماء اور اہل الرائے کے مخالف ہونے کا پیش کرے تب ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں اور کیا اس وقت ہمارا یہ کہہ دینا کہ تمہارے علم سب کج فہم یا بے ایمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ڈر اپنے جی میں نہیں رکھتے اور جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں کافی ہوگا؟ ہر گز نہیں۔ پس یہ حجت کسی حق کے ثابت ہو جانے کے بعد کس طرح پیش کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ہم اس کے معارضے میں یہ کہیں گے کہ اگر ہمارا یہ مذہب اور اس کے دلائل صحیح نہ ہوتے تو اس قدر علماء اور یہ بڑے بڑے سمجھدار دیندار لوگ کیوں اس کے قائل ہوتے۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ تیسرے بہت سے وہ وجوہ جو فقہاء کی نسبت جو شبہ تھا، اس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں (۱)۔ وہ اس کے جواب کے لئے بھی کافی ہیں۔ ان میں سے ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب اس شبہ کے بھی ہو جاتے ہیں۔ ان وجوہ کے سوا ایک وجہ

(۱) دیکھو صفحات: ۲۹۶ و ۲۹۹ تا ۳۰۰۔

ان علماء کی موافقت اہل حدیث نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ رسم ورواج کا پردہ اور اپنے پرانے خیالات کا ذہن میں مرکوز ہونا اس کے قبول سے بڑا حاجب ومانع ہے جیسا کہ ہم متعدد مقام پر بیان کر چکے۔

تقلید اور اتباع میں فرق:

کوئی کہتا ہے غیر مقلد جو تقلید سے منکر ہیں وہ بھی تو آخر کسی نہ کسی کی تقلید کرتے ہیں۔ کیونکہ جو ذی علم ہیں وہ بخاری ومسلم وغیرہ حدیث شریف کی کتابوں والوں کی جن سے حدیث لیتے ہیں مقلد ہیں۔ اور جو بے پڑھے ہیں وہ اس زمانے کے مولویوں کے جن سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کرتے ہیں مقلد ہیں۔ غرض تقلید سے کوئی خالی نہیں۔ بلکہ عوام غیر مقلد بہ نسبت عوام مقلدین کے ایک اور غلطی کرتے ہیں کہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔

لیکن یہ شبہ بھی محض ایک غلطی پر مبنی ہے۔ جو بات کوئی شخص بطور نقل وحکایات کے بیان کرے اُس بات کے ماننے کو اس کی تقلید نہیں کہا جاسکتا۔ تقلید اسی وقت ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص کوئی بات اپنے طور پر کہے اور بلا اس کی دلیل معلوم کئے ہوئے اس کے بھروسے پر اس کو تسلیم کرلیا جائے۔ اور جو شخص کسی بات کا نقل کرنے والا ہو اور دوسرے سے اس کو روایت کرے تو وہ محض ایک واسطہ ہوتا ہے اور اس بات کا ماننے والا اس کا مقلد نہیں کہلاتا بلکہ منقول عنہ کا جس سے وہ بات منقول ہے اعتبار ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھو وہ مسائل جو ان فقہ کی کتابوں مثل درمختار وہدایہ وشرح وقایہ وعالمگیری وغیرہ میں مذکور ہیں اور علماء حنفیہ ان کتابوں سے ان مسائل کو لیتے اور عمل کرتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ ان کتابوں والوں کے مقلد نہیں کہلاتے بلکہ وہ امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) ہی کے مقلد کہلاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مسائل دراصل امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کے مقولے اور ان کے بتائے ہوئے ہیں اور یہ کتابوں والے محض ایک واسطہ

ہیں ۔اسی طرح عوام مقلدین جو اپنے ہمعصر علماء حنفیہ سے مسائل دریافت کر کے عمل کرتے ہیں تو یہ ان کے مقلد نہیں کہلاتے ۔بلکہ امام ابوحنیفہ کے مقلد کہلاتے ہیں جس کا سبب بس یہی ہے کہ یہ علماء ان مسائل کو اپنے طور پر نہیں کہتے بلکہ امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کے قول کی حکایت وروایت کرتے ہیں ۔

اہل حدیث کسی کے مقلد نہیں :

پس اسی طرح محدثین نے جو احادیث جمع کیں اور لکھیں ان احادیث کا ان سے لینے والا ان کا مقلد نہیں کہا جاسکتا ۔اس لئے کہ وہ ان کا قول نہیں ہے بلکہ وہ احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کو وہ روایت کرتے ہیں اور وہ محدثین اور دیگر رواۃ حدیث محض ایک واسطہ ہیں جیسا کہ کتب فقہ کے مؤلفین اور دیگر حنفی مولوی امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے قول کے نقل کے لئے محض ایک واسطہ ہیں اور ان سے لینے والے ان کے مقلد نہیں کہلاتے ۔اس کے علاوہ اگر نقل وحکایت کرنے والے کی حکایت کردہ بات کو ماننے والا نقل کرنے والے کا مقلد کہلائے ۔تو ماننا پڑے گا کہ ائمہ اربعہ بھی مقلد ٹھیریں ۔اسی لئے کہ انہوں نے بھی تو احادیث آخر رواۃ ِحدیث اور محدثین ہی سے اخذ کیں اور لیں ۔خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان سے نہیں سنیں حالانکہ ان کا مقلد ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا ۔پس اہل حدیث محدثین کی احادیث لینے سے ان کے مقلد کیسے ٹھہرائے جاسکتے ہیں ۔اسی طرح محدثین نے جو رواۃ حدیث کی جرح وتعدیل کی تو بیشتر ان کے حالات مشاہدہ وغیرہ کے ذریعہ سے حکایت کیئے جیسا کہ شاہد کسی بات کی حکایت کرتا اور شہادت دیتا ہے ۔تو جیسا کہ شاہد کی بات کا ماننا تقلید میں داخل نہیں ہے ۔اسی طرح جرح وتعدیل کا ماننا تقلید میں شامل نہیں کیا جاسکتا ۔اگر کسی حکایت کرنے والے کی بات کو ماننا تقلید ٹھیری تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی نعوذ باللہ بعض افراد امت کے مقلد

ٹھیریں اس لئے کہ کتنے واقعات ہیں جو آپ (ﷺ) نے افراد امت سے سن کران کو باور کیا۔ بلکہ بعض کو اور دوسروں کے سامنے حکایت بھی کیا۔ اسی طرح محدثین نے جن احادیث کی تصحیح اور تضعیف کی عموماً اُس کی وجوہ اور دلائل بھی بیان کردیئے، صفات رواۃ کے لحاظ سے اگر یہ بحث تھی تو اس کو کھول دیا اور اگر علل خفیہ کی بنا پر تھی تو بیشتر جو کچھ ان کو کھٹکا تھا بیان کردیا۔ انہوں نے کسی کو اپنی تحقیقات کو مجرد ان پر بھروسہ کر کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ دعوے کو دلیل کے ساتھ بیان کیا۔ پس [1] اس کا ماننا بھی تقلید نہیں۔ کیونکہ تقلید بات کے دلیل مان لینے کا نام ہے۔ الحاصل علماء اہل حدیث محدثین سے جو احادیث لیتے ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں۔ کیونکہ محدثین اور رواۃ حدیث تو محض واسطہ ہیں اور منقول عنہ پیغمبر (ﷺ) ہیں جن کے قول وفعل وتقریر کے ماننے کا نام تقلید ہے ہی نہیں۔ رہے عوام اہل حدیث تو ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی عامی کسی اہل حدیث سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے اور وہ اس کے جواب میں وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے روایت کردیتا اور سمجھا دیتا ہے۔ (چنانچہ اہل حدیث میں عموماً یہی دستور رہے) تو ظاہر ہے کہ وہ عامی کسی کا مقلد نہیں ہوا۔ یہ بتانے والا ایک راوی ہے جس نے قول شارع کو روایت کردیا۔ اور روایت کا تسلیم کرنا داخل تقلید نہیں ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔ اور اگر وہ مسئلہ جو عامی اہل حدیث نے دریافت کیا کسی صریح آیت یا حدیث میں نہیں وارد ہوا یا اس نے بتانے والے عالم کو اس مسئلہ کی بابت صریح حدیث معلوم نہ تھی اور اس نے استنباط کر کے بتایا اور وجہ استنباط بھی بیان کردی خواہ وہ استنباط اسی کا ہو یا پہلے کسی مجتہد کا، تب بھی وہ عامی اس عالم کا مقلد نہیں کہلائے گا اس لئے کہ اس نے اپنا عندیہ یا کسی دوسرے کا بلا بیانِ دلیل نہیں تسلیم کرایا۔ علماء اہل حدیث کا مسائل بتانے میں اکثر یہی طریقہ ہے کہ دلیل بھی ساتھ بیان کردیتے ہیں اور سلف کے مذاہب بھی۔ اور چونکہ بیشتر عامۃ الورود مسائل ایسے ہی ہیں کہ جن

(۱) اگر کسی مختصر و ملخص کتاب میں مذکور نہیں تو دوسری مبسوط و مفصل کتاب میں ضرور موجود ہے۔

میں علماء سلف اور ائمہ مشہورین کلام کر چکے ہیں لہٰذا اکثر مسائل ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں وہ کسی مشہور اور مقتدر امام کا موافق ہوتا ہے، لہٰذا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بڑوں کی تقلید چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اوّل تو تقلید ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو انہیں بڑوں میں سے کسی کی ہوئی۔ اور یہ شخص اس بڑے مجتہد کے قول کا حکایت کرنے والا ہے۔ اُس کے علاوہ عموماً متاخرین کا باعتبار معلومات کے متقدمین سے کم درجہ ہونا بھی تسلیم نہیں جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا۔

اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق:

بہر حال اہل حدیث پر الزام تقلید سے خالی نہ ہونے کا یہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کے مقلد ہونے کا محض ایک غلطی ہے۔ اور اگر کوئی صورت ایسی بھی پیدا ہو جس سے کسی اہل حدیث کے عمل پر کسی مسئلہ میں تقلید صادق آسکے۔ تاہم اُن کی تقلید اِن مقلدین کی سی تقلید نہیں۔ ان کو اس عالم کا جس سے وہ دریافت کرتے ہیں رائے وعندیہ دریافت طلب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اسی کے قول وعندیہ کی ہر وقت و ہر موقع پر تلاش نہیں رکھتے۔ ان کا مقصود تو صرف قرآن وحدیث تلاش ہے جس عالم سے مل جائے اور پھر جس عالم سے دریافت کیا، اگر کوئی دوسرا مستند عالم اس کے خلاف قرآن وحدیث سے ثابت کر دے تو اس کے قبول میں ان کو کوئی عذر نہیں۔

برخلاف مقلدین کے کہ ان کو اپنے ہی امام کے عندیہ اور مذہب کی تلاش رہتی ہے جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو یہی جستجو ہوتی ہے کہ ہمارے امام کا اس میں کیا مذہب ہے۔ پھر جو ان کا مذہب معلوم ہو جائے اسی پر اصرار رہے۔ دوسرے ائمہ امت کے اقوال اس کے مقابلے میں ہیچ اور ناقابل التفات ہیں۔ حالانکہ کوئی وجہ اس کی نہیں بتا سکتے کہ ہر شخص کے لیے اُس امام کا مذہب جس کو اُس نے خود یا اُس کے باپ دادا نے مقرر کیا ہے، کیسے شرحِ محمدی قرار پا گیا۔ فتاوے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور دوسرے مجتہدین امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس کے حق میں کیوں مہمل اور بےکار ٹھہر گئے۔

دین حق را چار مذہب ساختند!

اللہ ایک - رسول (ﷺ) ایک۔ اور ان کا دین ایک۔ لیکن لوگوں نے اس کے چار حصہ کر دیئے۔ اور دین کو چار حصوں پر بانٹ لیا۔ اور ہر مسلمان کے ذمہ لازم ٹھہرا دیا کہ وہ انہیں چار حصوں میں سے کسی ایک حصہ کو خصوصیت کے ساتھ پکڑے اور پھر ہر ایک دوسرے کے مسائل کا رد بھی کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہر ایک مذہب کے جملہ مسائل حق ہیں تو ردو قدح کیوں ہے، اور اگر جملہ حق نہیں ہے بلکہ حق دائر ہے اور اصل میں حق ایک ہی ہے تو کسی ایک کی آنکھ میچ کر جملہ مسائل میں پیچھے ہو رہنے کی اور باوجود قدرت تحِقیق کے تحقیق نہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ جو بے چارہ اللہ و رسول (ﷺ) کے حکم کا متلاشی ہو اور اختلاف میں راجح کی جستجو کرے یا اُن کی اپنی طرف سے خانہ ساز تعیین مذہبی و تقلید شخصی کا التزام نہ کرے تو وہ مردود گمراہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

فطوبیٰ للغرباء:

افسوس! غرباء اسلام کو جو اسلام کی عین تعلیم کے پیرو اور اُس کے اصلی رنگ کے ساتھ رنگین ہیں، ان کو کیسا ذلیل وخوار سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا کچھ قصور نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ خالص اللہ اور رسول (ﷺ) ہی کی تابعداری کرنا چاہتے ہیں اور اللہ ہی کے واسطے طرح طرح کی زحمتیں اور مخالفین کی تہمتیں سہتے ہیں۔ اے اللہ! تو ان کو اور مضبوطی دے اور اتباع حق کی اور بھی زیادہ توفیق عنایت فرما۔ سوا اے لوگو! ذرا غور اور انصاف سے کام لو۔ یہ دین کا معاملہ ہے، ایک دین ضرور یہ تمہارا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ذرا اس سے ڈرو: { وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ }(1)۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۸۱۔

ترجمہ : یعنی ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کمایا اس نے اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا"۔

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں یہی آیت اُتری۔ اس کے نازل ہونے کے نو دن کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وفات پائی۔ بعض روایات میں نو دن کے بجائے دوسرے عدد بھی بتائے گئے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر و فتح الباری شرح صحیح بخاری (رحمہم اللہ تعالیٰ۔)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً

ناظرین کتاب ہذا کی خدمت میں چند ضروری التماس

(از مؤلف کتاب)

(۱) ہم کسی صاحب کو رائے نہیں دیتے کہ وہ اس کتاب کے متفرق مقامات دیکھ کر چھوڑ دیں اوراوّل سے آخرتک اس کو مع متن وحاشیہ کے نہ دیکھیں اس لئے کہ ایسا کرنے میں ہم کو خوف ہے کہ وہ بجائے فائدہ اٹھانے کے کتاب کے اصلی مدعا کے سمجھنے میں کہیں غلطی میں نہ پڑ جائیں۔ٹھیک ٹھیک اس کتاب کے اغراض ومقاصد تک وہی پہنچ سکتا ہے جوکل کتاب کو ذرا غور کے ساتھ پڑھے۔لہذا مناسب نہیں ہے کہ کوئی صاحب بلاکل کتاب ملاحظہ فرمائے ہوئے موافق یا مخالف رائے قائم کریں۔

(۲) صحیح بات کے قبول کرنے میں کسی آدمی کو دریغ نہ چاہیئے اورحق کے مقابلے میں کسی طرح لائق نہیں ہے کہ کوئی اپنی بات پر ہٹ یا سخن پروری کو کام میں لائے۔چونکہ یہ کتاب دینی مباحث میں لکھی گئی ہے اس واسطے اس میں اس بات کا خیال رکھنے کی اورزیادہ ضرورت ہے۔ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بہت الحاح کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات میں ہماری غلطی دیکھیں تو خاص طور پر ہم کو اطلاع دیں ہم بہت خوشی کے ساتھ حق بات قبول کرنے کو تیار ہیں اورطبع دوم میں یااس سے قبل بذریعہ کسی اعلان کے ان شاء اللہ شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کر دیں گے۔

(۳) ہم نے جو جابجا اہل علم کے اقوال نقل کئے تو گو ہم بخوف طول ہر جگہ عبارات نہیں نقل کرسکے لیکن ترجمہ میں ضرور خیال رکھا کہ اس کے اصل مطلب سے کوئی بات نہ بڑھنے پائے۔اوراگر

کہیں کوئی لفظ ایضاح مطلب کی غرض سے زائد لکھا تو خطوط ہلالی (بریکٹ) کے درمیان میں لکھا کہ ممتاز رہے اور جب قول ختم ہوا تو لفظ انتہیٰ کا اس کے ختم کی علامت لکھ دیا۔ پس لفظ انتہیٰ سے پہلے جو عبارت ہے وہ اُسی کی ہے جس کا نام لے کر لکھی گئی اور بیشتر عبارات حاشیہ پر نقل بھی کر دیں، اور جہاں بخوف طول وغیرہ نقل نہ کر سکے حوالہ دے دیا۔ جس کو شک ہو اصل کی طرف رجوع کر لے۔

(۴) تاریخی امور مثل موالید و وفیات کے متعلق جو ہم نے سنین بیان کئے ممکن ہے کہ کسی صاحب کو تاریخ کی کسی کتاب میں اِس سے کسی قدر تقدم یا تاخر کے ساتھ نظر پڑیں اس لئے کہ اس قسم کے اوقات کے بیان میں مورخین کا اختلاف بھی ہے اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ جو قول ہم نے اختیار کیا وہ سب سے اصح ہے اس لئے کہ اس کی تحقیق میں زائد وقت صرف کرنے کو ہم نے اپنے موضوع بحث کے لئے زیادہ ضروری نہیں پایا۔ کیونکہ اگر وہ ایک برس پہلے تو کیا اور پیچھے ہے تو کیا۔

(۵) جو باتیں ہم نے اس کتاب میں الزاماً اور فریق مقابل کے مسلمات سے نقل کیں ان کا ہم کو ثابت کرنا یا ہم کو مسلم ہونا ضرور نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆